ماہنامہ
حنا
اپریل 2018

Hina Digest April 2018

نہایت اہم التماس

قارئین انتظار کے لیے معذرت خواہ ہیں لیکن آپ بخوبی واقف ہیں کے دُنیا میں ہر کوئی اپنے کاروبار کے لیے محنت کرتا ہے تاکہ منافع حاصل کر سکے لیکن اگر ہماری وجہ سے کسی کے کاروبار کو نقصان کا اندیشہ ہو تو ہمیں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھیں ہر ڈائجسٹ کے پبلشر بہت محنت کے ساتھ ہر مہینے ڈائجسٹ شائع کرتے ہیں تاکہ وہ مارکیٹ میں فروخت ہو سکے اور اُن کو منافع حاصل ہو سکے لیکن آج کے اس انٹرنیٹ دور میں جب وہی ڈائجسٹ یا رسالہ مارکیٹ میں پوری طرح آنے سے قبل ہی آن لائن پی ڈی ایف میں مل جائے تو مارکیٹ سے خریداری بہت کم رہ جاتی ہے جس کی وجہ سے پبلشر کا بہت نقصان ہوتا۔ لہذا اس سارے معاملے کو خاطر میں رکھتے ہوئے urdusoftbooks.com کی انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کے آئندہ ماہ سے کوئی بھی ڈائجسٹ رواں مہینہ کی 30 تاریخ سے پہلے Upload نہیں کیا جائے گا تاکہ پبلشرز کا نقصان نہ ہو۔

خوشخبری

انشااللہ آئندہ urdusoftbooks.com پر تمام ڈائجسٹ بغیر واٹر مارک کے Upload ہوا کریں گے تاکہ قارعین کو پڑھنے میں دکت کا سامنا نہ کرنا پڑے

قارئین سے مزید درخواست ہے کہ urdusoftbooks.com کے لیے اپنے ویب براؤزر سے Adblocker ڈس ایبل کر دیں تاکہ ویب سائٹ پر سپانسر اشتہارات نظر آسکیں اور ویب سائٹ کو تھوڑی سی آمدن ہو سکے انہی سپانسر اشتہارات کی آمدن سے ویب سائٹ کے ماہانہ اخراجات پورے کیے جاتے ہیں لہذا آپ کا تھوڑا سا تعاون urdusoftbooks.com کو مستقل آن لائن رکھنے میں بہت مدد گار ثابت ہوگا۔ شُکریہ

دھوپ سے نکھار بچانے کے لے
دوپٹے کے ساتھ فیئر اینڈ لولی بھی

Matte Lipsticks with matching Nail Enamel

"MATTE LOOK with LASTING COMFORT"

AVAILABLE IN 100 SHADES,
30 Selected Shades are shown here
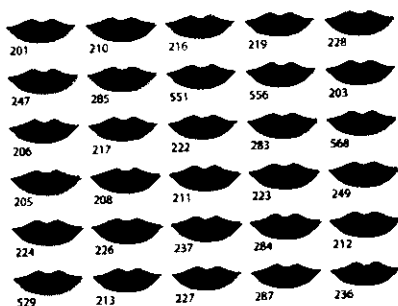
'Matte' never goes out of trend. Beautiful, Bold, Smooth, Vibrant and classy lip colours. The perfect long wearing matte Formula.

MEDORA OF LONDON for a more beautiful you

www.urdusoftbooks.com

"میری روزمرہ کی مصروفیت جلد کو کھردری اور
سخت بنا دیتی ہے، تبت سنو کا روزانہ استعمال
میرے چہرے، ہاتھوں اور بازوؤں کو نرم اور
ریشم کی طرح ملائم بناتا ہے۔"
"تبت سنو میرے چہرے کو خوبصورت اور دلکش
بناتی ہے اور گرد وغبار سے محفوظ رکھتی ہے۔"
تبت سنو کا روزانہ استعمال جلد کو ریشم کی طرح نرم وملائم بنائے چھائیاں،
داغ دھبے دور کرے اور اس کے خاص اجزاء جلد کو عمر کے اثرات اور
جھریوں سے عرصہ دراز تک محفوظ رکھیں۔ بہتر نتائج کے لئے دن میں
اور رات سونے سے پہلے استعمال کیجئے۔
تبت سنو - ایشیا کی مشہور ترین بیوٹی کریم
TS/44/2K11
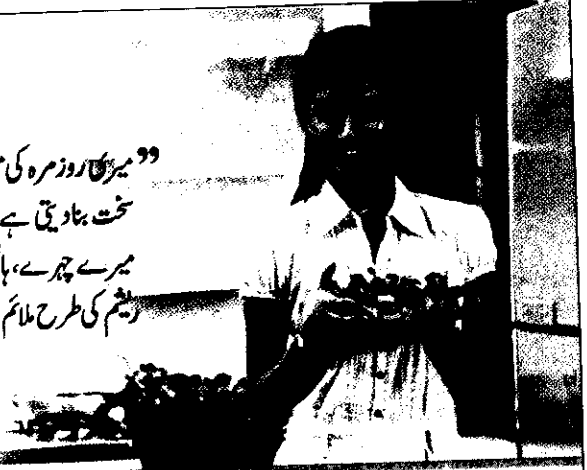
جلد 40 شمارہ 4
اپریل 2018ء
قیمت -/60 روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناولٹ

سلسلے وار ناول

پرنٹر طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com
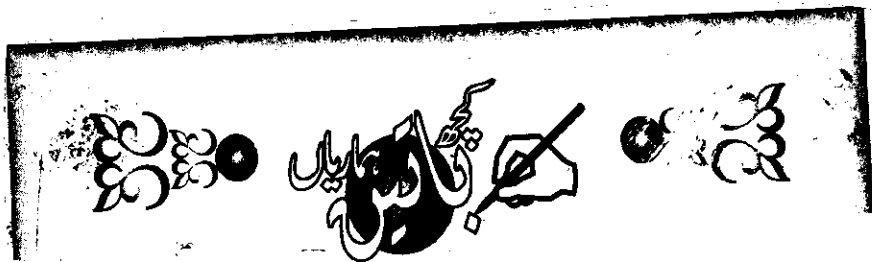
قارئین کرام! اپریل 2018ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

حکومت کی نا اہلی کی وجہ ملکی معیشت کی حالت بدتر سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ اب جب یہ سطور رقم کی جا رہی ہیں۔ ڈالر نے پہلی مرتبہ انٹر بنک مارکیٹ میں -/115 روپے کی بلند ترین سطح کو چھو لیا ہے۔ ملکی کرنسی کی قدر میں مسلسل کمی انتہائی تشویشناک ہے۔ ان حالات میں ملک کو دو چار معاشی بحران کی شدت میں اضافہ ہو جائے گا اور مہنگائی کا ایک نیا طوفان ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس کا اندازہ اس رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حکومتی نا اہلی کے نتیجے میں ڈالر کی قدر میں اضافہ سے جہاں خام تیل اور دیگر اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوا، وہیں صرف چند گھنٹوں میں ملک کے قرضے 500 ارب روپے بڑھ گئے۔ اس کا اثر عوام پر پڑے گا جو مہنگائی کے طوفان کی زد میں آ کر پہلے ہی پریشان ہیں۔ مزید مہنگی اشیاء کی وجہ سے ان کا گھریلو بجٹ بری طرح متاثر ہوگا۔ حکومت کے لئے ضروری ہے کہ اپنے نا اہل وزیروں اور مشیروں سے پیچھا چھڑا کر عوام کی فلاح و بہبود کے لئے روپے کی قدر میں اس تیزی سے کمی کی روک تھام کے لئے ضروری اقدامات کرے تاکہ ملک وقوم کو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ممکنہ مشکلات سے بچایا جا سکے اور گزشتہ چند ماہ سے مہنگائی اور بے روزگاری کا جو عذاب عوام جھیل رہے ہیں، اس سے ان کی خلاصی ہو سکے۔

اس شمارے میں:۔ حنا بشریٰ اور فرحت انصاری کے مکمل ناول، بشریٰ سیال اور تحسین اختر کا ناولٹ، مریم ماہ منیر، سویرا فلک، حیاء بخاری اور حمیرا نوشین کے افسانے، نایاب جیلانی اور ام مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

تو ہے فہم بشر سے وراء الورا
کوئی تیری حقیقت کو پا نہ سکے

تیرے دست تصرف میں ارض و سما
تیرے لکھے کو کوئی مٹا ہ سکے

تیرے نور سے روشن ہیں شمس و قمر
ترے حسن کا پرتو ہے شام و سحر

تیرے محتاج ہیں سارے جن و بشر
تیرے آگے کوئی سر اٹھا نہ سکے

تو گداؤں کو پل میں کرے بادشاہ
ضامن سروری تیری ادنیٰ نگاہ

جس کو ٹھکرائے اس کو ملے نہ پناہ
تو جو پکڑے ت کوئی بچا نہ سکے

تیرے دم سے ہے قائم یہ بزم جہاں
یہ مکیں و مکاں یہ زمین و زماں

ذرے ذرے سے تیری قدرت عیاں
کوئی پردہ بھی جس کو چھپا نے سکے

تیرے در پہ سوالی ہے صبح و شام
تیرا سرمد ترا شاعر پرخطا [illegible]

ڈاکٹر ہلال جعفری

اللہ رے یہ حسن سفر کیسا لگے گا
معراج کی منزل پہ بشر کیسا لگا گا

یوں نخل عقیدت کا ثمر کیسا لگے گا
سجدوں سے میرے آپ کا در کیسا لگا گا

اک صاحب اسرائی کے تصور میں شب غم
گرتا ہوا دامن پہ گہر کیسا لگا گا

اس گلشن کونین کے گلشن میں پہنچ کر
مت پوچھ میرا داغ جگر کیسا لگا گا

جب لوٹ کے آؤں گا مدینے کے سفر سے
میں کیسا لگوں گا میرا گھر کیسا لگے گا

پلکوں پہ اگر گرد رہ طیبہ سجا لوں
لوگو! میرا دامان نظر کیسا لگے گا

بیمار الم آپ کا اے جان مسیحا
جب ہوگی شب غم کی سحر کیسا لگے گا

جس ہاتھ سے لکھوں گا محمدؐ کا قصیدہ
اس ہاتھ میں جبریلؑ کا پر کیسا لگے گا

جو افشاں ہلال آج ہے نعتوں کے افق پر
کل ہو گا مکمل یہ قمر کیسا لگے گا

سرمد مظاہری

ادارہ

اولاد کا فرض

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اپنے باپ کی شکایت کی کہ۔

''وہ جب چاہتے ہیں میرا مال حسب منشاء لئے لیتے ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے باپ کو طلب کیا جس نے حاضر ہو کر عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک زمانہ تھا جب یہ (بیٹا) کمزور اور بے بس تھا اور مجھ میں طاقت تھی، میں مال دار تھا اور یہ خالی ہاتھ لیکن میں نے اسے کبھی اپنی چیز لینے سے نہیں روکا، آج میں کمزور ہوں اور یہ قوی و تندرست ہے، میں خالی ہاتھ ہوں اور یہ مال دار ہے، اب یہ اپنا مال مجھ سے بچا بچا کر رکھتا ہے۔''

بوڑھے کی باتیں سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشک بار ہو گئے اور شکایت گزار بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

''تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی نظر میں اہمیت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر تھے ایک شخص سامنے سے گزرا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

''تم لوگوں کی اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟''

عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! شریف لوگوں میں سے ہے واللہ اس قابل ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیغام دے تو قبول کیا جائے اور کسی کی سفارش کر دے تو مانی جائے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے، اس کے بعد ایک اور صاحب سامنے سے گزرے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق بھی سوال کیا، لوگوں نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک مسلمان فقیر ہے، کہیں رشتہ دے تو شادی نہ ہو، کہیں سفارش کرے تو قبول نہ ہو، کوئی بات کرے تو کوئی متوجہ نہ ہو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس پہلے جیسوں سے اگر ساری دنیا بھر جائے تو ان سب سے یہ شخص بہتر ہے۔''

مطلب یہ کہ محض دنیاوی شرافت اللہ کے ہاں کچھ کام کی نہیں، ایک مسلمان فقیر جس کی دنیا میں کچھ بھی وقعت نہ ہو، اس کی بات کہیں بھی سنی نہ جاتی ہو، اللہ کے ہاں سینکڑوں ان شرفاء سے بہتر ہے جن کی بات دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھی جاتی ہے ہر شخص ان کی بات ماننے کو تیار ہو، لیکن اللہ کے یہاں ان کی کوئی وقعت نہیں، دنیا کا قیام ہی اللہ والوں کی برکت سے ہے، یہ تو حدیث میں موجود ہے، جس دن دنیا میں اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا تو دنیا کا وجود ہی ختم ہو

جائے گا، اللہ کے پاک نام کی برکت یہ ہے کہ دنیا کا سارا نظام قائم ہے۔

تین غلطیوں کی نشان دہی

ایک اندھیری رات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنفس نفیس گشت پر نکلے تو ایک گھر میں انہیں چراغ کی روشنی دکھائی دی اور کچھ لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں بھی سنائی دیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازے کی جھری میں سے جھانکا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیاہ فام غلام اپنے سامنے شراب کا برتن رکھے شراب پی رہا ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دروازے سے داخل ہونا چاہا، مگر دروازہ بند تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھت پر چڑھے اور ہاتھ میں درہ لیے ان لوگوں کے سر پر پہنچ گئے۔

جیسے ہی ان لوگوں کی نظر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی، انہوں نے دروازہ کھولا اور بھاگ کھڑے ہوئے، مگر وہ سیاہ فام غلام حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت میں آ گیا اور کہنے لگا۔

''امیر المومنینؓ! میں نے غلطی کی ہے مگر میں اس سے توبہ کرتا ہوں، میری توبہ قبول کر لیجیے۔''

تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''میں تمہاری غلطی پر تمہیں سزا کے طور پر مارنا چاہتا ہوں۔'' سیاہ فام غلام بولا۔

''امیر المومنینؓ! اگر میں نے غلطی کی ہے تو آپ نے تو تین غلطیاں کی ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔''

(ترجمہ الحجرات ۱۲) ''اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو، جبکہ آپؓ نے تجسس کیا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔''

(ترجمہ البقرہ ۱۸۹) ''اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔'' جبکہ آپ چھت کے ذریعے اندر آئے ہیں اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ترجمہ نور ۲۷) ''اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو سلام کیے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔'' جبکہ آپؓ بغیر اجازت داخل ہوئے اور سلام بھی نہیں کیا، تو ان چیزوں کو اس کے ساتھ برابر کر دیں اور میں اللہ سے سچی توبہ کرتا ہوں کہ دوبارہ یہ حرکت کبھی نہیں کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے معاف کر دیا اور اس کی بات کو پسند فرمایا۔ (قصص العرب۔ ۱۸/۳۰)

اسلام کی بنیاد

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں اور نماز پوری طرح سے ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔''

حیا ایمان کا حصہ

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کہ ایمان کی ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیا (شرم) بھی ایمان کی شاخ ہے۔''

کون سا مسلمان افضل ہے؟

صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض

کیا۔
''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون سا مسلمان افضل ہے؟''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

بہترین خصلت

ایک شخص نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔
''اسلام کی کون سی خصلت بہترین ہے؟''
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''کھانا کھلانا اور (ہر ایک) واقف و ناواقف (مسلمان) کو سلام کرنا۔''

مسلمان بھائی کی خیر خواہی

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ جو کچھ اپنے لئے چاہتا ہے وہی کچھ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے نہ چاہے۔''

آنحضرت محمد ﷺ سے محبت رکھنا ایمان کا حصہ ہے

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد و اولاد اور تمام کائنات سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔''

گناہ کبیرہ

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہؓ سے) فرمایا۔
''تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے اور نہ چوری کرو گے نہ زنا اور اپنی اولاد قتل نہیں کرو گے اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کے سامنے (جان بوجھ کر) کوئی بہتان بنا کر نہیں اٹھاؤ گے اور نیک کاموں میں نافرمانی نہ کرو گے، پھر جس نے تم میں سے یہ اقرار پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھا اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی (حد پڑ گئی) تو اس کا گناہ اتر جائے گا اور جو کوئی ان (گناہوں) میں سے کچھ کر بیٹھا پھر اللہ نے (دنیا میں) اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ کے حوالے ہے اگر چاہے تو (آخرت میں بھی) اس کو معاف کردے اور اگر چاہے تو عذاب کرے۔''

فتنوں سے بھاگنا دین داری ہے

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''وہ زمانہ قریب ہے جس مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے پیچھے پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کے مقاموں میں وہ اپنا دین فتنوں سے بچاتے ہوئے بھاگتا پھرے گا۔''

کامل ایمان کی نشانیاں

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کا مزہ پائے گا ایک تو اللہ اور اس کے رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس کو سب سے زیادہ ہو، دوسرے کسی بندے سے خالص اللہ کے لئے دوستی رکھے، تیسرے یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے بچالیا تو پھر کفر میں جانا اتنا برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالا جانا۔"

اہل ایمان کا اعمال کی رو سے ایک دوسرے سے افضل ہونا

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ایک مرتبہ میں سو رہا تھا، میں نے (خواب میں) لوگوں کو دیکھا، وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں، بعضوں کے کرتے چھاتیوں تک ہیں اور بعضوں کے اس سے بھی کم اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے، وہ ایسا کرتہ پہنے ہیں جس کو گھسیٹ رہے ہیں۔" (اتنا نیچا ہے)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ اس کی تعبیر کیا دیتے ہیں۔"

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"دین۔"

حیا (شرم) ایمان کا ایک جزو ہے

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری مرد کے قریب سے گزرے اور وہ اپنے بھائی کو حیا کے متعلق سمجھا رہا تھا (کہ اتنی شرم کیوں کرتا ہے) آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا۔

"جانے دے کیونکہ شرم تو ایمان کا ایک حصہ ہے۔"

افضل اعمال

لوگوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔

"کون سا عمل افضل ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا۔"

کہا گیا "پھر کون سا؟ (عمل)۔"

"اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔"

فرمایا۔

"وہ حج جو مبرور ہو" (حج مبرورہ ہوتا ہے جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے، کسی قسم کی ریاکاری اور دکھلاوا مقصود نہ ہو، حلال کمائی سے ہو اور اس کے بعد انسان کی عملی زندگی میں انقلاب آجائے۔"

خاوند کی ناشکری

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"(ایک لمبی حدیث میں) "اور مجھے دوزخ دکھلائی گئی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں تو زیادہ تر عورتیں ہی ہیں جو کفر کرتی ہیں۔"

لوگوں نے کہا۔

"کیا اللہ کا کفر کرتی ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"نہیں خاوند کا کفر (ناشکری) کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتیں، اگر تو ایک عورت نے ساری عمر احسان کرے پھر وہ ایک ذرا سی ایسی کوئی بات تجھ میں دیکھے (جو اسے ناپسند ہو) تو کہنے لگتی ہے کہ میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں پائی۔"

مصالحت کرانا

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے۔

''جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔'' میں نے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قاتل تو خیر (ضرور دوزخی ہوگا) مقتول کیوں دوزخی ہوگا؟'' فرمایا۔

''اس کی خواہش تھی کہ اپنے ساتھی کو قتل کر دے۔''

ملازموں سے حسن سلوک

معرور نے کہا۔

''میں ابوذر سے (ربذہ، مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ کا نام تھا) ربذہ میں ملا، وہ ایک جوڑا پہنے تھے اور ان کا غلام بھی (ویسا ہی) ایک جوڑا پہنے تھا، میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا۔

''میں نے ایک شخص سے گالی گلوچ کی اس کو ماں کی گالی دی، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کہا تو، تو نے اس کی ماں کو گالی دی تو وہ آدمی ہے، جس میں جاہلیت کی خصلت ہے، تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے ماتحت کر دیا پھر جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، وہ اس کو وہی کھلائے جو آپ کھائے اور وہی پہنائے جو آپ پہنے اور ان سے وہ کام نہ لو جو ان سے نہ ہو سکے اگر ایسا کام لینا چاہو تو ان کی مدد کرو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حال

ایک بار حضرت عمرؓ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حجرہ میں حاضر ہوئے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت کی چیزیں رہتی تھیں، دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چمڑے کے تکیہ سے جس میں کھجور کے پتے اور چھال بھری ہوئی تھی، ٹیک لگائے ہوئے ایک کھری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مبارک پر چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، حجرہ میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی لیکن تین سوکھے چمڑوں کے سوا کوئی دوسرا گھر کا سامان نظر نہ آیا، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے تھے، اس منظر سے حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھیں بھر آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا، عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں کیوں نہ روؤں، جب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ (بستر نہ ہونے سے) چٹائی کے نشان پشت مبارک پر پڑ گئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا سارا سامان میرے سامنے ہے، ادھر قیصر و کسریٰ ہیں جو باغ و بہار اور عیش و آرام کے مزے لوٹ رہے ہیں اور حضور اللہ کے رسول ہیں اور آپ کا یہ حال ہے۔''

ارشاد ہوا کہ ''اے ابن خطاب! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ہم آخرت لیں اور وہ دنیا؟''

☆☆☆

☆☆☆

ابن انشاء

کل بشیر خالد صاحب نے کہا۔
"آج شام میرے ساتھ چلو، ایک جگہ کھانا ہے اور گانا ہے۔"
ہم نے کہا۔
"کھانے میں عذر نہیں لیکن گانا ہمیں نہیں آتا۔"
بولے۔
"تم سے کون کہہ رہا ہے گانے کو، اور لوگ گائیں گے۔"
ہم نے کہا۔
"اچھا لیکن زیادہ پکا اور زیادہ کچا گانا ہم نہیں سن سکتے۔"
فرمایا۔
"بین بین ہوگا اور تہران کے بہت سے پاکستانیوں سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔"
خدا جانے کتنی راہوں سے ہو کر ہماری ٹیکسی ایک جگہ رکی، جس گھر میں ہم داخل ہوئے وہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا، لوگ صف بہ صف بیٹھے قرآن خوانی کر رہے تھے، ہم بھی سر پر رومال باندھ تھوتھا منہ بنا بیٹھ گئے اور ایک پارہ پڑھنے لگے، اسے ختم کر کے ہم نے خالد صاحب کے کان میں کہا۔
"دیر ہو رہی ہے، اس گانے والے گھر میں بھی جانا ہے اور یہاں کا آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں تھا، خدا بخشے بہت سی خوبیاں ہوں گی مرنے والے میں، لیکن وہ غریب الوطن تھا کون؟"
حیران ہو کر بولے۔
"کس کو پوچھ رہے ہو؟"
ہم نے کہا۔
"جس کے ایصال ثواب کا یہ سامان کیا گیا ہے۔"
خالد صاحب نے کہا۔
"خدانخواستہ میاں! تمہارے خیال میں قرآن شریف صرف کسی کی موت پر پڑھنے کی چیز ہے؟"
ہم نے کہا۔
"ہم نے تو اکثر اپنے ہاں یہی دیکھا ہے۔"
بولے۔
"یہاں کے پاکستانی بڑے متدین ہیں، مذہب کے پاسدار بلکہ والا و شیدا، یہ صادق بٹ صاحب، جن کا یہ گھر ہے، مہینے میں ایک بار برکت کے لئے قرآن خوانی ضرور کراتے ہیں، احباب کو بلاتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں، محبت اور مودت بڑھتی ہے، دل بہلا رہتا ہے اچھا، پارہ پڑھ چکے، اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔"
"نماز؟" ہم نے کہا۔
بولے۔
"ہاں مغرب کا وقت ہے۔"
ہم نے کہا۔
"ہاں ہاں، بے شک مغرب کا وقت ہے، ہمیں خیال ہی نہیں تھا، جو نیت امام کی سو ہماری، منہ طرف قبلہ شریف، اللہ اکبر۔"
اس محفل میں ہمارا مزا تھوڑا سا کرکرا ہوا اور

ہم نے بشیر خالد کا مزا کرکرا کیا، ایک صاحب حافظ یونس کہیں اپنا قصہ لے بیٹھے کہ اھواز میں ایک ہوٹل میں فروکش ہوئے، گرمی کے دن تھے، کمرے کو تالا لگا کر سامنے چارپائی ڈال سو رہے، صبح اٹھے تو اندر جھاڑو پھری ہوئی تھی، تالا اسی طرح لگا ہوا تھا، ہوٹل والوں سے شکایت کی تو بولے۔

''نمی دانیم؟'' ہم کیا جانیں'' یہ بے چارے اسی سلیپنگ سوٹ میں تہران پہنچے، ان کا قصہ تو تہران بعد میں پہنچا، ہم نے اس سے پہلے اپنی جیب پر ہاتھ رکھا جس میں اپنا زادراہ تو مانوں کی صورت میں رکھتے تھے، کیسہ خالی تھا، غور کیا تو معلوم ہوا کہ رقم تو دوسرے کوٹ میں رکھی ہے، ہم نے سوٹ بدلا، لیکن جیبوں کی موجودات نہ بدلیں، بس پھر کیا تھا، دیوانہ راہوئے بس است، ہمارا آوارہ گرد ذہن بھی اھواز پہنچا، ہوٹل کے بل کا خیال آیا، یہ کون ادا کرے گا، بشیر خالد نے کہہ تو دیا کہ بابا میں ادا کروں گا چنتا نہ کرو، محفل ختم ہونے کے بعد ہوٹل میں جا کر اپنی ہمیانی ٹٹولنا، لیکن دے کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است۔

ہم نے حاضرین سے معذرت چاہ بشیر خالد کو گھسیٹ، ٹیکسی لے، ہوٹل کا رخ کیا، اس دن ہمیں ٹیکسی لینے کا بہت تلخ تجربہ ہوا، پورا گھنٹہ سڑک کنارے کھڑے رہے، آخر ایک پرائیویٹ ٹیکسی سے استمداد کی، ہمارے واپس آنے تک نہ صرف کھانا ہو چکا تھا بلکہ گانا بھی شروع ہو گیا تھا، ہم نے میز پر بیٹھ کر کھرچن شروع کی، لیکن چونکہ اب اپنا مال عرب پیش عرب تھا لہٰذا یکسوئی اور اطمینان سے سننے لگے۔

یہ سرور سیال صاحب تھے، عجیب باغ و بہار آدمی ہیں، تہران میں شاید کوئی بزنس کرتے ہیں، ایک آدھ غزل بھی انہوں نے گائی، لیکن محفل کا رنگ دیگر تھا، حاضرین میں اکثر زندہ دلان پنجاب تھے، ان کی فرمائش ٹپوں اور بولیوں کے لئے تھی۔

''ہوں تو سرور صاحب! ذرا وہ ہو جائے، چٹا ککڑ بنیرے تے، نی کاسنی دوپٹے والیے، منڈا عاشق تیرے تے۔''

سچ یہ ہے کہ جس طرح ہندی اور بھاشا شاعری میں زنانہ پن غالب ہے پنجابی لوک شاعری میں مردانہ پن بھرا ہے، ایسا کہ پھٹا پڑتا ہے، بہرحال اس رات تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا، سرور سیال کی آواز اور لوگوں کے قہقہوں اور چہچہوں نے سارے ایرانی محلے کو جگائے رکھا ہوگا۔

مینوں لے دے سلیپر کالے
دے جے توں میری ٹور دیکھنی
(مجھے کالے سلیپر لے دے اگر میری چال دیکھنی ہے)

تینوں لے دیاں سلیپر کالے
نی چاہے میری مجھ وک جائے
(تجھے کالے سلیپر ضرور لے کر دوں گا، خواہ اس کے لئے میری بھینس کیوں نہ بک جائے)

لڈو ونڈدی کچہریوں نکلاں
جے ڈاکے وچوں یار چھٹ جائے
(میں لڈو بانٹتی ہوئی کچہری سے نکلوں اگر میرا یار ڈاکے کے الزام سے بری ہو جائے)

کتی مر جائے گوانڈنے تیری
نی بوہے کولوں یار موڑیا
(اے پڑوسن، خدا کرے تیری یہ کتیا مر جائے جس نے دروازے پر آئے ہوئے میرے یار کو لوٹا دیا)

حضرات توجہ! پنجابی شاعر کو دیکھا کہ بھینس کو کتنی اہمیت دیتا ہے، آپ اس سے پوچھیں،

عقل بڑی کہ بھینس؟ تو یقین سے کہنا مشکل ہے کہ کیا جواب دے گا، آپ خود ہی منصفی کر لیجئے، عقل والے در بدر ٹھوکر کھاتے دیکھے ہیں، بھینس دودھ دیتی ہے جس کے سو فائدے ہیں، خود پیجئے دوسروں کے ہاتھ پانی ڈال کر بیچئے، اس کو گوبر بھی بڑی کارآمد چیز ہے، بھینس کے آگے موسیقی کے بعض سازوں کو مشق بھی کی جا سکتی ہے، عقل کے سامنے ایسی کوئی بات آپ نہیں کر سکتے، پڑوسن کی کتیا یا بنیئے کی کتیا پنجابی شاعروں کی دلن ہے، حضرت بلھے شاہ نے بھی ایک عورت کی زبانی اسے بددعا دی ہے، ''ایہ کتی مرے کراڑ دی جھڑی چیوں چیوں نت کرے'' یہ اس لئے کہ اہل دل کے مراد پانے کی راہ میں حارج ہوتی ہے، پڑوسنوں پر بھی پنجابی شاعر اکثر نامہربان رہتا ہے، حضرت بلھے شاہ کے اسی گیت میں کتیا کے ساتھ ان کا کھن بھی پس گیا ہے'' اور یہ پڑوسنیں بھی اللہ کرے مر جائیں، جو نہ مریں ان کو تپ چڑھ جائے تا کہ پابند مسکن ہو جائیں، گھر سے باہر نہ نکلیں'' آخر میں سرور صاحب نے مختلف علاقوں کے لوگوں کی بولیوں کی نقل بھی اتاری، مسافر پشاور کے پشتو سنتا اور کانوں میں تیل ڈلواتا چلتا ہے، لاہوریوں کی خاص بولی بلکہ بنکار سنتا ہے، پھر پٹیالے کی بولی، دلی کی کرخنداری زبان، کلکتے کی بنگلہ اور آخر میں مدارس کی اگڑم بگڑم'' ہنستے ہنستے لوگوں کی پسلیاں دکھنے لگیں، ہم نے گھڑی دیکھی، آدھی رات کا عمل تھا، ٹیکسی کی مشکل کا خیال کر کے ہم نے بشیر خالد کو دامن سے کھینچ گھسیٹا اور ہوٹل اٹلانٹک کی راہ لی، یہ محفل جانے کب تک جاری رہی ہو گی، بہر حال اس نے بہت سا طبلہ مسافر کے دل کا دھڑ کا گرم رکھا عزیزم زندہ باشی۔

☆☆☆

انتیسویں قسط کا خلاصہ

شانزے کی ضد کے باعث کنیز غصے میں اسے اس کے حال پہ چھوڑتیں شوہر کے ہمراہ واپس دوبئی لوٹ جاتیں ہیں، جبکہ شانزے منیب چوہدری کے گھر واپس ڈیرے جمائی لیتی ہے، مذموم مقاصد کے ہمراہ۔

قدر کی فکر سلیمان کو راتوں کو جگائے رکھتی ہے، وہ ایک دم اس کی رخصتی کا فیصلہ کرتے ہیں، قدر یہ جان کر واویلا مچا دیتی ہے مگر سلیمان اپنے فیصلے پہ قائم ہیں، قدر کی بدگمانی کی پرواہ کیے بغیر۔

ایک بھولی بسری یاد حمدان کی ماں کے دل میں حمدان کی محبت جوش مارتی ہے اور وہ منیب چوہدری سے رابطہ بحال کر کے حمدان سے ملنے کا تقاضا کر ڈالتی ہے، منیب چوہدری اس تقاضے پہ پریشان ہو جاتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

تیسویں قسط

جاگتی رات کے ہونٹوں پہ فسانے جیسے
اک پل میں سمٹ آئے ہوں زمانے جیسے
عقل کہتی ہے بھلا دو جو نہیں مل پایا
دل وہ پاگل کہ کوئی بات نہ مانے جیسے
راستے ہیں وہی منظر ہیں پرانے اب تک
بس کمی ہے تو نہیں لوگ پرانے جیسے
آئینہ دیکھ کر احساس ہی ہوتا ہے
لے گیا وقت ہو عمروں کے خزانے جیسے
رات کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو شبنم
مخملیں گھاس پہ موتی کے ہوں دانے جیسے
بیٹھے ہیں شام کی دہلیز پہ اک آس لئے
کوئی آئے گا دیا اب بجھی بجھانے جیسے
ان کی بات بھی آنکھوں میں رقم ہے جیسے
اشک پلکوں میں چلے ہوں وہ چھپانے جیسے

آسمان کالے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، دبیز موٹے موٹے بادلوں کی تہیں صبح سے آسمان پہ چھائی صرف پہلے قطرے کی جرأت اظہار کی منتظر تھیں، اس نے ایک نظر کالے آسمان پہ ڈالی اور جھولے پہ آ بیٹھی، جھولے ہولے ہولے ہلنے لگا، ساتھ ساتھ اس کی سنہری مائل براؤن زلفیں بھی، جو گھٹاؤں جیسی گھنیری تھیں، کھلتی تھیں تو نازک پشت کو پورا ڈھانپ لیتیں، وہ گم صم تھی، یار کے لہجے کی سختی الفاظ کی بے حسی ذہن کے ہر حلیے پہ نقش تھی۔

''عمر کے اس حصے پہ آ کر یہ بے تابی عیاں کرنا کچھ بھاتا نہیں ہے، بیٹی کی شادی ہو رہی ہے اب تو...... کچھ تو خیال کریں۔''

انداز میں ملامت تھی زیادہ یا تاسف، وہ کیا سمجھتی، وہ کیا پرکھتی جس کا دل کرچی کرچی ہو گیا تھا، ٹوٹ کر بکھرا تھا تو وہ سمیٹنا بھول بیٹھی، اسے سب بھول گیا، اس ایک بات ایک احساس کے......

وہ بوڑھی ہو گئی ہے۔

وہ وحشت سے بھری آئینے کے سامنے آئی اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

آئینہ دیکھ کر احساس یہی ہوتا ہے
لے گیا وقت ہو عمروں کے خزانے جیسے

حسن و جمال ماند تھا، چہرا وحشتوں کا مظہر، وہ واقعی وہ نہ تھی آنکھیں، اس کی آنکھیں نہ تھیں، جو ہیروں کی کنی کی مانند دمکا کرتی تھیں، ہونٹ خشک، پپڑی زدہ، رخساروں کی ہڈیاں نمایاں...... وہ مریضہ لگتی تھی، بالکل زرد اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا، کبھی حسن اس کا غلام تھا، نزاکت اس کی باندی تھی اور تمکنت اس کی پہچان، اب اس کے پاس کچھ نہ تھا، کچھ بھی نہیں، خود کو تکتی اس عورت کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور غم کے باعث گلے میں پھندے سے پڑ رہے تھے وہ

حراساں و خوفزدہ سی اڑی رنگت کے ساتھ خود کو دیکھتی سوچتی تھی، اب جب بن سے سامنا ہوگا، صاحب کے روبرو آئے گی تو اس کی نگاہ کی کشش کو باندھ نہ سکے گی، قابو میں نہ لا سکے گی، کیا نقصان ہو گیا، بلکہ کیسے کیسے نقصان ہو گئے۔

ان کی بات بھی آنکھوں میں رقم ہے جیسے
اشک پلکوں میں چلے ہوں وہ چھپانے جیسے

اس نے ہچکی بھری، اپنی کوشش کی ناکامی پہ اس کے اندر وحشت کا جنگل اگ آیا تھا، خیال بھٹک گیا، ذہن کے پردے پہ فلم سی چلنے لگی تھی جیسے، اب محبوب سامنے بیٹھا تھا، مسکرتا ہوا، اس کے شنگرفی جمال سے مالا مال نظر آتا ہوا، متاثر محسوس ہوتا ہوا۔

''جب اس نے پہلی بار کہا، وہ اتنی حسین ہے کہ تم دیکھتے رہ جاؤ گے، تو مجھے بہت غصہ آیا تھا، میں نے اسے ڈانٹ دیا تھا، یہ کہہ کر کہ، میں کیوں دیکھتا رہ جاؤں، مگر جب میں تم سے ملا، تمہیں دیکھا تو مجھے یقین آیا، وہ سچ کہہ رہی تھی، میں تو واقعی تمہیں دیکھتا رہ گیا تھا۔''

یار ہنس رہا تھا، اس کی ہنسی کتنی خوبصورت تھی، وہ اس ہنسی میں کھونے سے خود کو کیسے روکتی، یہ کیفیت اس وقت ٹوٹی جب آسمان سے موٹا سا قطرہ، اس کے گال پہ پھسلتا چلا گیا پھر ٹپا ٹپ بارش نہیں برسی، اس کے آنسو بھی بے اختیار ہو گئے، وہ بے خودسی وہیں بیٹھی بھیگتی رہی۔

''بیٹی......!'' اس کے لب بے آواز ایسے ہلے، گویا کراہی ہو۔

''بیٹی کی شادی......''

وہ زار و قطار رونے لگی، پتا نہیں کیوں، بارش میں تیزی آ گئی، وہ پھر بھی نہیں اٹھی، وہیں بیٹھی بارش کے بلبلے بنتے دیکھتی رہی۔

بیٹھے ہیں شام کی دہلیز پہ اک آس لئے
کوئی آئے گا دیا اب بھی بجھانے جیسے

اس کے آنسوؤں میں برسنے والی بارش سے بھی زیادہ تیزی آ گئی تھی، اسے یار دلدار کے الفاظ پھر یاد آئے، ان لفظوں کے طلسم نے پھر اسے جکڑا۔

''میری جان! کیوں پریشان ہو جاتی ہو بھلا، تمہارا حسین چہرا تو میرے لئے تسکین کا باعث ہے، جو مجھ سے مصروف بندے کو بھی راستے کے پڑاؤ کا احساس اتنی شدت سے دلاتا ہے کہ پھر تمہارے سوا کچھ نہیں سوجھتا، کچھ یاد نہیں رہتا۔'' وہ ہچکیاں بھرنے لگی، سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا، بے بسی کا عالم انوکھا تھا، کیا کرے؟ ہجر کے راستے سے پلٹ آئے؟ جوگ کا طوق گلے سے اتار پھینکے؟ روگ دل سے کھرچ پھینکے؟ مگر کیسے؟ یہ اختیار میں کب تھا، یہ شمار میں کب تھا، اک جنوں تھا جو حشر اٹھاتا تھا، مطلق دھیان نہ دیتا تھا یار کتنا بے حس کتنا ستمگر کیسا لاپرواہ ہے، جنوں بس سر چڑھ کے بولتا تھا، دماغ پہ سوار ہوا جاتا تھا، کہتا تھا، اکساتا تھا، اپنی راہ لگاتا تھا۔

رقص کر رقص کہ یہ سوزش دیرینہ تھے
معبد جسم میں خواہش کی بھڑکتی آتش
ہجر کے سوگ میں روئی ہوئی آنکھوں کی جلن اور چبھن

پاؤں سے باندھی ہوئی رشتہ و بیاباں
کی مسافت کی تھکن کھول
کھول یہ بے سرو سامانی اور دیکھ
کیسی نایاب تمناؤں کے اجلے موسم
کاسنی رنگ میں بھیگے ہوئے خوابوں کے بدن
سانس گھٹ جانے سے پہلے ہی مرے جاتے ہیں
دیکھ تو خوشبوؤں اور محبتوں سے مہکتی ہوئی حیرانی کو
عشق کی تازہ فراوانی کو
جذب کر
خون میں اتار
اور روح میں بھر
رقص کر رقص
رقص کر رقص

☆☆☆

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ زندگی تیری زلفوں کی نرم چھاؤں میں
گزرنے پاتی تو شاداب بھی ہو سکتی تھی
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ یہ جو دل میں ہر سمت پھنسی پشیمانی ہے
جس کے ہر طاق پہ رکھی ہوئی حیرانی ہے
اس میں ہم چین سے آباد بھی ہو سکتے تھے
بخت سے صلح کی راہیں بھی نکل سکتی تھیں
وقت سے ان کا پیمان بھی ہو سکتا تھا
کیا ہوا، کیسے ہوا، کس نے کیا، کیسے کیا
وہ جو سیلاب بلا خیز تھا کیسے گزرا
وہ جو اک خیال دل آویز تھا کیسے گزرا
اب جو دیکھیں تو بہت صاف نظر آتے ہیں
سارے منظر بھی پس منظر بھی
لیکن اس دیر خیالی کا صلہ کیا ہوگا
یہ تو سب بعد کی باتیں میری جان انہیں
دیکھتے سوچتے رہنے سے بھلا کیا ہوگا

وہ جو ہونا تھا ہو بھی چکا
وقت کی لوح پہ لکھی ہوئی تحریر کے حرف
خط تنسیخ سے واقف ہی نہیں
بخت مکتب کے رجسٹر کی طرح ہوتا ہے
اپنے نمبر پہ جو لبیک نہیں کہہ پاتے
ان کا کچھ غور نہیں کچھ بھی فریاد نہیں
یہ وہ سائل ہیں جنہیں کوئی صدا یاد نہیں
لائنیں الجھی ہیں لفظ بد کنے کے سبب
کوئی تحریر مسلسل نہیں ہونے پائی
حاصل عمر یہی چند ادھورے خاکے
کوئی تصویر مکمل نہیں ہونے پائی

ڈھلتی شام کا فسوں چہار سو پھیل رہا تھا، عجیب سی فکر مندی کا عالم تھا ان کی ہر مصروفیات اس فکر مندی کی نظر ہوئی تھی، رات کا پہر، خراب موسم اور قدر کی گاڑی سے باہر نکلتا دراز قامت شخص، وہ کون تھا، وہ اس پہ سوچنا نہیں چاہتے تھے، ذہن بس تناؤ کی کیفیت میں تھا، اضطراب میں ڈوبا تھا، دماغ کثیف دھویں سے بھرتا جاتا تھا۔

ایک شکوہ از خود ذہن میں در آیا، دل پہ نقش ہوا، جو وہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔

کیا ضروری تھا، کیا ضروری تھا کہ وہ اپنی ماں پہ ہی جاتی۔

اگر وہ نہیں چھوڑ گئی تھی، دھوکہ دے گئی تھی، تو بیٹی کا دھوکہ دینا ضروری تھا۔

اس کی کسر ضرور تھی، ان کی آنکھوں سے خون ٹپکتا تھا، دل میں زخم ہو چلے تھے، کبھی یقین نہ کرتے اگر اپنے کانوں سے نہ سن لیتے۔

وہ جس سے فون پہ بات کر رہی تھی، وہ علی شیر کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔

''وہ ذلیل کمینہ انسان، کبھی طلاق نہیں دے گا، اتنا تو میں بھی جانتی ہوں، دے بھی کیوں...... اسے یہ سب کہاں ملے گا، دولت، عزت، شہرت، سب ایک ساتھ اعزاز مرتبہ قدر و قیمت، مگر میں بھی فیصلہ کر چکی ہوں، اپنا آپ اسے کبھی نہیں سونپوں گی، تم اپنی بات پہ قائم ہو تو بتاؤ مجھے، میں اب کچھ بھی کر گزروں تو اس سب کے ذمہ دار اور ملزم پپا ہوں گے، وہ ہوتے کون تھے میری مرضی کے بغیر مجھے ایک سطحی قسم کے انسان کے ساتھ زبردستی باندھنے والے......''

اس کے بعد وہ گھر سے جانے کا وقت وغیرہ طے کرنے لگی، سلیمان کے ضبط کی یہاں انتہا ہو گئی، وہ انہیں دو کوڑی کا کر کے رکھ رہی تھی، ان کی بیٹی ہو کر ان کی پشت میں خنجر گھونپ رہی تھی، کیسے برداشت کر لیتے، لحاظ اٹھا، ضبط بہہ گیا، زندگی میں پہلی بار ان کا ہاتھ اس پہ اٹھا تھا، قدر تو ان کی موجودگی ان کی آمد پہ ہی سکتے میں آ گئی تھی، اس شدید ہیجانی ردعمل پہ تھرا اٹھی، باہر بادل چھٹ گئے تھے، خوشگوار دھوپ چمک اٹھی تھی، مگر اس کے وجود میں روح میں غبار ہی غبار پھیل گیا، نفرت کا بدگمانی کا، اس کی آنکھیں یکلخت آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، گلا غم سے بھر گیا، یہ دھچکا سنبھلنے نہیں

دے رہا تھا، وہ ہراساں و خوفزدہ سی اڑی رنگت کے ساتھ انہیں تکنے لگی، زندگی کا پہلا تھپڑ اور وہ بھی جان لٹانے والے باپ کے ہاتھ سے۔

''کاش...... جس دن تم پیدا ہوئیں اسی دن تمہیں گلا گھونٹ کر مار ڈالتا تو آج تم ماں کے نقش قدم پہ چل کر میرا سر جھکانے کی سازش میں مبتلا نہ پائی جاتیں۔'' غم و غصہ رنج ہیجان شدید اشتعال، کیا کچھ نہ تھا ان کے چہرے پہ ان کی آواز میں ان کی آنکھوں میں کیسی حقارت بھری ہوئی تھی۔

''بتاؤ مجھے، کس چیز کی کمی تھی تمہیں، جو تم ایسی انتہا کا سوچنے لگیں۔'' توہین کے گہرے احساس سے ان کا سرخ و سفید چہرا بالکل سرخ ہو رہا تھا، اس پل وہ کیسے عذاب سے گزر رہے تھے، کہ آنکھیں انگاروں کی طرح جلنے لگی تھیں، تیور ایسے تھے گویا اسے جان سے بھی مار سکتے ہیں، قدر کا سکتہ ٹوٹا تو اس کی جگہ قہرہ غضب نے لے لی۔

''کیا ہے میرے پاس اور کیا نہیں ہے، یہ آپ کا ہیڈک تو کبھی نہیں تھا پپا۔'' وہ بھرائی ہوئی پھٹی ہوئی آواز میں بولنا بلکہ رونا شروع ہوئی آنسو موتیوں کی طرح پلکوں سے ٹوٹ کر بکھرنے لگے تھے۔

''میں بچپن سے رشتوں کو محبتوں کو ترستی رہی، آپ نے کبھی اس اہم نقطے پہ توجہ نہ کی، اب اب آپ نے اپنا گھر بسانے کی خاطر مجھے اپنی زندگی سے نکالنے کا بلکہ نکال پھینکنے کا فیصلہ کر لیا، دو بول پڑھوا کر اس گھر سے ہمیشہ کو دفعان کرنے کا منصوبہ بنا لیا، یہ سوچے جانے بنا کہ، میرا ایک دوست تھا، علی...... آپ نے اسے بھی مجھ سے چھین لیا، آج میں نے جانا، میرا باپ بھی نہیں ہے ماں کی طرح، ماں نہیں میں یہ سمجھتی رہی، آپ نے یہ کیا کہا، کیا کہا پپا؟ ماں ہے...... اس نے بھی آپ کو دھوکہ دیا؟ میں بھاگ رہی تھی تو کیا میری ماں بھی بھاگ گئی تھی؟'' بات مکمل کیے بغیر ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، آج بہت سارے، دکھوں کے ساتھ اس ایک دکھ کا بھی اضافہ ہوا تھا، سلیمان کے چہرے پہ عجیب سی کیفیت چھا گئی، کچھ دیر ہونٹ بھینچے اسے دیکھتے رہے پھر اسی کیفیت میں پلٹ کر وہاں سے چلے گئے، پیچھے وہ رہ گئی تھی، شاک اس صدمے میں مبتلا لمحہ ریزہ ریزہ ہوتی، ذہن پر چیز سے ہٹ کر اسی انکشاف کی سولی پہ لٹکا موت کا منظر تھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' وہ ششدر تھی، وحشت زدہ تھی۔

''ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔'' دل نفی کر رہا تھا پوری شدومد سے۔

''ڈیڈ میں کیا کمی تھی جو میری ماں ایسا ویسا قدم اٹھاتیں، وہ تو آج بھی لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہیں، سولہ سے پچاس سال کی خواتین پپا سے شادی کی خواہاں ہیں، سوشل میڈیا پہ ان کے فلووز کا انت شمار نہیں ان کے ایک جلسے میں جتھے کے جتھے اکٹھے ہو جاتے ہیں، واحد سیاست دان ہیں جن کے جلسوں میں خواتین کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔''

اسے یاد تھا ایک بار اس نے کچھ سال پہلے بہت ضد کی تھی، بہت شور مچایا تھا، اسے ماں چاہیے، پپا شادی کر لیں، تب سلیمان نے بات کو مذاق میں ڈال دیا تھا، اس کا دھیان بٹانا چاہا تھا۔

''اب تو آپ کے لئے سوچنا ہے ایسا بیٹے، ویسے بھی مجھے بڈھے سے اب کون شادی کرے

گا بھلا؟'' اور اس کے چہرے پہ چمکتی جوت ان کے ٹھنڈے ردعمل پہ یکدم بجھ گئی تھی، ہونٹ بسور لئے۔

''خبردار پپا! جو آپ نے خود کو بوڑھا کہا، رئیلی آپ تو بیس سال بعد بھی مجھ سے زیادہ ہی ینگ لگیں گے آئی سوئیر، اتنے ہی زبردست امپریسو بھی۔'' وہ کتنے فخر سے کہہ رہی تھی اور ہرگز مغالطہ بھی نہ تھا، جوان کی صحت اور فٹنس تھی یہ لگتا تھا، بچپن میں ایک بار اس نے ان کی عدم توجہی پہ رو رو کر آیا ماں کا ناک میں دم کر دیا تھا، ایک ہی ضد تھی کہ کھانا سلیمان کے ہاتھ سے ہی کھائے گی، جبکہ ٹمپریچر بہت شدید تھا، دوا لازمی دینا تھی اور سلیمان آفیشل ٹور پہ آؤٹ آف کنٹری تھے، تب آیا ماں نے کتنی مشکلوں سے اسے رام کیا تھا۔

''آپ کیا سمجھتی ہو قدر بیٹے کہ پپا آپ سے محبت نہیں کرتے، وہ آپ سے ساری دنیا کے باپوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں میری جان۔''

''تو پھر وہ میرے پاس کیوں نہیں ہوتے، میری ساری فرینڈز کے پپا تو ہر رات ان کے ساتھ گھر پہ ہوتے ہیں، پپا تو کبھی کبھی نظر آتے ہیں۔'' وہ بسورنے لگی تھی، بلکہ رونے لگی۔

''بیٹا آپ کی فرینڈز کے فادرز عام لوگ ہیں، ان کی ایکٹی ویٹی بھی عام سی ہے، جبکہ آپ کے پپا ہرگز عام انسان نہیں ہیں، وہ ایک لیڈر ہیں، قومی ہیرو ہیں، ایسی پرسنالٹی جن سے قوم کو بہت امیدیں وابستہ ہیں، جن پہ قوم کو فخر ہے، انہوں نے ساری زندگی ہی ملک و قوم کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتے گزری ہے، اس لئے میری ننھی پری ان کے لئے ایسے پوزیسو ہو کر مت سوچا کرو، میں جانتی ہوں آپ اکثر بہت ہرٹ ہوتی ہو کہ وہ آپ کو پراپر ٹائم نہیں دے پاتے مگر سویٹ ہارٹ وہ بہت نائس پرسن بہت سویٹ فادر ہیں ناٹ ڈاؤٹ، کیئرنگ اینڈ ہمبل۔''

گو کہ اسے بہت ساری باتوں کی سمجھ نہیں آتی، مگر وہ اتنا ضرور سمجھ گئی تھی اس کے پپا خاص ہیں، اہم ہیں، ان پہ لوگ فخر کرتے ہیں، وہ بھی کرنے لگی، نازاں ہوگئی کہ وہ ان کی بیٹی ہے، مگر کچھ عرصے سے یہ سارے امیج ایک ایک کر کے پتا نہیں کیوں ٹوٹتے چلے گئے تھے، اب تو اسے لگتا تھا اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا اس حوالے سے۔

ان کی جادوئی شخصیت کا سحر ٹوٹ گیا، طلسم بکھر گیا، لہجے میں جو ان کے حوالے سے بات کرتے مان فخر ہوتا، چہرا جیسے لو دیا کرتا، اب کچھ بھی باقی نہ رہا، سب خاک ہوا، سب راکھ ہوا، آنسو اس دل گرفتگی کی انتہا پہ رک نہیں سکے، بہہ پڑے بہتے رہے، شاید وہ آخری بار رو رہی تھی۔

☆☆☆

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے
پر اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
ہم راکھ لئے ہیں جھولی میں
اور سر پہ ساہوکار کھڑا

جب دھرتی صحرا صحرا تھی ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سرسنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ لفظ جنہیں معانی نہ ملیں
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ نیر شکستہ جانوں کے
کچھ پر پاگل پروانوں کے
پھر اپنی گھائل آنکھوں سے
خوش ہو کے لہو چھڑکایا تھا

وہ سڑک کنارے کھڑا تھا، کچے قصبے اور لہلہاتی فصلوں کو دیکھتا پژمردہ نظر آتا تھا، اگرچہ اب رات ہونے کو تھی اور قصبے کی فضاؤں میں ملگجی اندھیرا پھیل رہا تھا، کالج سے ریزائن کیے آج پندرہ دن ہونے کو آئے تھے کسی جانب سے ابھی دوسری جاب کا سبب بھی نہیں بن سکا، فراغت مزید اذیت دیتی تھی، وہ گہرا سانس بھرتا گھر کی جانب چل دیا۔

نیم تاریکی میں قصبے کے ملگجے خطوط دکھائی دیتے تھے، ایک گھر کی چمنی سے سفید دھوئیں کی بل کھاتی لکیر فضا میں تحلیل ہوئی دکھائی دیتی تھی، دھوپ جو سارا دن جلاتی رہی تھی، اب سورج غروب ہونے پہ بھی جیسے اپنا اثر فضاؤں کو سونپ کر گئی تھی، حبس سا پھیلا تھا، کسی کام سے کل وہ شہر گیا تو اچانک اس سے سامنا ہو گیا، جس سے بچنے کی خاطر ہی وہ بے روزگار ہوا تھا اور ابھی جانے کیا کیا کچھ ہونا باقی تھا، صبح جب وہ شہر جانے کو نکلا تو ہی سورج بھی طلوع ہوا تھا، پہلی کرن دریا کے پانی پر پڑی اور منعکس ہو کر پورے قصبے میں پھیل گئی، آج مطلع صاف تھا، بادلوں سے پاک نیلگوں آسمان چمک رہا تھا، اس کی گاڑی دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی رہی ساتھ ہی سورج بھی اپنا سفر طے کرتا رہا، جب اس کا اور دریا کا ساتھ چھوٹ رہا تھا تو بلند ہوتے سورج کی روشنی میں دریا کا پانی تیز دھوپ میں شیشے کی مانند چمک اٹھا تھا، دھوپ کی شدت کو دریا کے پانی کی کمی نے اپنے اندر جذب کر لیا تھا، شہر جانے والی پہلی بس تیار کھڑی تھی، کشادہ سڑک ک دونوں اطراف بلند درختوں کی قطاریں تھیں، ان سے پرے باغات اور کھیتوں کے سلسلے۔

دیہاتی کسان اپنے چھکڑوں پر دودھ کے کنستر اور سبزی کی ٹوکریاں لاد کر شہر جانے کی تیاری میں تھے، چھکڑوں کو پستہ قد موٹے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔

وہ اس سے دور رہنا چاہتا تھا جبھی کالج چھوڑ دیا، یعنی ملاقات کی ٹکراؤ کی ہر راہ بند کی مگر وہ اسے سر راہ مل گئی تھی۔

ہمارا یوں مل جانا ....

میری خواہش تھی حادثہ کب تھا

''آپ نظر ہی نہیں آتے۔'' وہ زبردستی راہ میں حائل ہوگئی، وہ کوفت زدہ اسے دیکھنے لگا۔

''تم دیکھنا ہی کیوں چاہتی ہو؟'' وہ بے زار تھا یا نظر آنا چاہتا تھا، وہ خود نہیں جانتا تھا۔

''یہ کیا سوال ہوا؟'' حجاب کو برا لگا، تبھی غصے سے استفسار کر گئی، عمر نے لاپرواہی سے کاندھے جھٹکے۔

''تو ایسے سوال نہ کرو تم۔'' شاید وہ اسے لاجواب کر دینا چاہتا تھا، شرمندہ کر دینے پہ تلا تھا، حجاب دکھی نظر آئی۔

''ایسے کیوں ہو رہے ہیں؟''

''کیا تمہیں نہیں پتا؟'' معصومیت بھرے اس سوال نے عمر کو شل کر دیا۔

''جو کچھ ہوا اس میں میرا کوئی قصور نہیں؟'' روہانسی ہوئی وہ وضاحت پیش کر رہی تھی، غیر محسوس انداز میں دونوں ہی ایک دوسرے پہ، اپنے اپنے راز عیاں کر گئے، یا شاید دونوں جانتے تھے، ان جذبوں کو الفاظ کی اظہار کی حاجت ہی نہ تھی۔

''لیکن پھر بھی تم خوش بھی نظر آتی ہو اور مطمئن بھی۔'' شکوہ زبان پہ آ گیا، یہ الگ بات اس شکوے نے اس کی آنکھیں بھگو ڈالیں۔

''میں اگر خوش نظر آتی ہوں آپ کو تو پھر کسی اور وضاحت کی ضرورت ہی نہیں، یہی ٹھیک ہے، یونہی ٹھیک ہے۔''

وہ کتنی جلدی بدگمان ہو گئی تھی، بھرائی ہوئی آواز میں کہتی پلٹ کر دور ہوتی چلی گئی، عمر یکدم اکیلا ہو گیا، بے تحاشا تھک گیا، اس کے پیچھے نہیں گیا، شاید ان دونوں کی خوشیاں سانجھی تھیں نہ دکھ، انہوں نے اکیلے اکیلے ہی رونا اور الگ الگ ہی ہنسنا تھا، پھر اس کوشش میں خود کو تھکانے کا فائدہ اس نے خود کو سمجھایا مگر وہ پھر بھی خود کو تھکاتا رہا، سارا دن آوارہ گردی کرتا رہا، سڑکیں ناپتا رہا، خون جلاتا رہا، یہاں تک کہ تاریکی بھی چھا گئی، وہ واپس گاڑی میں آ بیٹھا، گھر جانے کا ابھی بھی دل نہیں تھا، گاڑی کا رخ پھر واپس موڑ دیا، بے دلی سی بے دلی تھی، اس کے دماغ میں بھی تاریکی چھا رہی تھی، ویسی ہی جیسے باہر فضا میں چھائی تھی، کوئی موڑ آتا تو گاڑی کی روشنیاں پل بھر کے لئے سڑک سے جدا ہو کر کھیتوں میں پڑتیں اور پھر واپس آ جائیں، کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی انہی کھیتوں کے پار سے آتی سنائی دے رہی تھیں، معاً بادل گرجے اور بارش شروع ہو گئی، سڑک پہ مکمل تاریکی تھی، دور سے کوئی بس آتی تو بارش میں بھیگی سڑک روشنی میں جھلملانے لگتی، تھوڑی دیر میں چاند نکل آیا تو پورا ماحول چاندنی میں نہا گیا، بھیگے درخت اور بارش میں نہائی، سڑک کا حسن دوگنا ہوا تھا، اسے وہ جھلمل جھلمل کرتی لڑکی یاد آئی جسے وہ ہر صورت بھول جانا چاہتا تھا، مگر یہ ممکن تھا، یہ ہی تو ممکن نہ تھا۔

یہ جو پانی میں چلا آیا ہے سنہری سا غرور

اس نے دریا میں کہیں پاؤں اتارا ہو گا

اس کے ذہن میں از خود شعر در آیا تو اس اضمحلال کے باوجود ہونٹوں پہ مسکراہٹ در آئی تھی۔

ہمارا دل سویرے کا سنہرا جام ہو جائے
چراغوں کی طرح آنکھیں جلیں اور شام ہو جائے
مجھے معلوم ہے اس کا ٹھکانہ پھر کہاں ہو گا
پرندہ آسمان چھونے میں جب ناکام ہو جائے

انہوں نے گہرا سانس بھرا اور ختم ہوتے سگریٹ سے نیا سگریٹ سلگانے لگے، ان کے سامنے میز پہ موجود شیشے کا نازک ایش ٹرے ادھ جلے سگریٹ کے ٹکڑوں سے راکھ سے بھرتا جا رہا تھا۔

کمرے کی فضا میں تمباکو کی بو اور دھواں تیرتا تھا، گہرا کش لیتے انہوں نے سگریٹ ہونٹوں کے درمیان رہنے دیا اور نیم وا ہونٹوں سے دھواں خارج کرتے ہوئے جیب سے رومال نکالا کر عینک صاف کی اور دوبارہ لگالی، دراصل عینک نہیں ان کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں، کھلی کھڑکی سے باہر جہاں تک نظر جاتی تھی، دھوپ کی اجارہ داری قائم تھی، درختوں سے پرے مٹی کی دبیز دیواروں کے پیچھے خوب صورت کالونی تعمیر ہو رہی تھی، دلکش زیر تعمیر مکانات سرو کے درختوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے، شانزے واپس آ چکی تھی یہاں تو کنیز واپس دوبئ چلی گئی تھی، یونہی ان سے خفا کی خفا ہی، ان کے دل پہ ان دیکھا ان جانا بوجھ چھوڑ کر، وہ تو شانزے سے بھی ایسے شرمسار تھے کہ نظر نہ ملاتے تھے، ہاں البتہ اس کے پروٹوکول کو ضرور بڑھا دیا۔

یہ کیا کم تھا کہ ان کی بھانجی نے اپنے والدین کو تو چھوڑا مگر انہیں نہیں چھوڑا، ان کا مان اور دل بڑھانے کو یہی بات کافی تھا، وہ جیسے اپنی نظروں میں گر کر پھر سے اٹھے تھے، یہ شانزے ہی تھی جس نے انہیں معتبر کہ دیا تھا، اس جانب سے ابھی ڈھنگ سے ریلیکس بھی نہ ہو پائے تھے کہ بھولی بسری یاد نے سر اٹھا دیا، اس عورت کی فون کال اور بیٹے سے ملنے کی خواہش ایک شرارت ایک چابک تو ہو سکتی تھی تڑپ یا محبت نہیں، وہ تو عرصہ بعد اس کی آواز سن کر پہچان ہی نہ سکے تھے۔

"کیسے ہو منیب چوہدری! سنا ہے ترقی کے بڑے زینے تم بھی چڑھ گئے مگر ہٹ کے پکے نکلے ہو، گاؤں نہیں چھوڑا...... ضد کہیں اسے یا پھر کوئی خود سے انتقام۔" وہ ہنس رہی تھی، وہ شخص چونک گیا ٹھٹک گیا۔

"کون؟" سوال از خود ہونٹوں سے پھسلا اور اس کی ہنسی ایک بار پھر کنٹرول سے باہر ہوئی۔

"ہاں...... بوڑھے ہو گئے ہو نا، یہ سوال حق بنتا ہے تمہارا، ویسے میں پرانے نام سے پکارے جانا پسند نہیں کرتی، بس اتنا جان لو کہ نئی زندگی شروع کرنے لگی ہوں مگر اپنے خواب کی تعبیر پا رہی ہوں، ترقی کا وہ زینہ جو مجھے آسمان پہ پہنچا سکتا تھا مجھے مل گیا، میرے قدموں کے نیچے ہے، بس اک زرقند بھروں گی اور آسمان پہ پرواز کروں گی۔" وہ شخص اک لمحے میں پہچان کا مرحلہ طے کر گیا تو تنفر سے بھرنے لگا، پیشانی پہ ناگواری شکنوں کی صورت امڈی۔

"اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ مجھے تمہاری ذات یا تمہارے کسی امپورمنٹ سے دلچسپی ہے تو اس بھول سے تمہیں نکل آنا چاہئے، ویسے بھی اب عمر نہیں ہے تمہاری ایسی حرکتوں کی۔" طنز کے جواب میں

طنز حاضر تھا، وہ انجوائے کرتی کھلکھلانے لگی، آواز سے تو فریش اور نوجوان ہی لگتی تھی۔

''جتنی بھی نرمی کر گئے ہو تم، منیب چوہدری مگر مجھ سے کم تر درجے پہ تھے، ہو اور رہو گے اور یہ بات عنقریب میں تمہیں جتاؤں گی ضرور۔'' وہ ابھی تک وہی تھی، ذرا نہ بدلی تھی، متکبر اور سرکش، منیب چوہدری نے سر جھٹکا۔

''اگر انہی بے کار باتوں کے لئے زحمت کی ہے تو۔''

''بے کار نہیں، اہم بات کروں گی، اپنے بیٹے سے ملنا چاہتی ہوں اور تم مجھے روک نہیں سکتے۔'' مطالبہ سامنے آ گیا، منیب چوہدری یوں مسکرائے گویا بکری کو چھری تلے دم نہ لیتے پا کر قصائی کے چہرے پہ اطمینان اتر آتا ہے۔

''مقصد جانتا تھا میں تمہارا، لیکن کیا کرو گی تم اگر حمدان تم سے ملنے سے خود انکار کر دے۔'' وہ اسے چڑا رہے تھے، جلا رہے تھے، طیش دلا رہے تھے، وہ چڑی بھی جلی بھی طیش سے بھی بھر گئی۔

''مت بھولو کہ وہ صرف تمہارا بیٹا نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں پھنکار تھی، وہ شخص حظ لے کر مسکرایا۔

''تم بھی مت بھولو کہ تم اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں، مائیں ایسی نہیں ہوتیں۔'' انہوں نے جانے کب کا سنبھال کر رکھا ہوا طعنہ اس کے منہ پر مارا، وہ تلملا اٹھی۔

''اس کا مطلب تم میرے خلاف اس کے ذہن میں زہر بھر چکے ہو۔'' وہ تنک کر غرائی، اس شخص نے متاسفانہ گہرا سانس بھرا۔

''نہیں، میں نے اس کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی، کبھی تمہارا ذکر نہیں کیا، وہ از خود یہ سمجھ گیا کہ اگر ماں نہیں ہے تو مر گئی ہے، ماں کا اولاد کو اپنے نفس کی خاطر چھوڑ کر بھاگ جانے کا کوئی تصور اس کے معصوم ذہن میں نہیں ابھر سکا اور میں نے اس کا ذہن آلودہ بھی نہیں کیا۔'' اب کے وہ بہت تحمل سے وضاحت کر رہے تھے، دوسری جانب وہ جیسے شاک میں گھر گئی۔

''تم اتنا کیسے کر سکتے ہو؟ میں خود ملوں گی اپنے بیٹے سے، اسے بتاؤں گی کہ......''

''شوق سے مل لینا، اگر وہ ملنا چاہے تو۔'' انہوں نے ٹوک دیا، بات نپٹا دی، وہ پھر بھی غصے میں رہی۔

''مجھے اس کا کانٹیکٹ نمبر چاہیے، ورنہ تم سے بات کرنے کا شوق نہیں ہے مجھے۔'' اس نے چیخ کر کہا، وہ شخص عجیب انداز میں مسکرانے لگا۔

''یار من کل ویک اینڈ پہ چکر ضرور لگاتا ہے، یعنی کل آئے گا، تم اسی نمبر پہ اس سے رابطہ بحال کر سکتی ہو۔'' اس شخص نے رکھائی سے کہا اور کال خود ڈسکنیکٹ کر ڈالی، ابھی اس امر پہ کچھ سوچ بھی نہ پائے تھے، کہ ان کے سیل فون پہ وائبریشن ہونے لگی، انہوں نے چونک کر نگاہ پھیر کر دیکھا، حمدان کا نام اسکرین پہ چمک رہا تھا، وہ عجیب سی تشویش میں مبتلا ہو گئے، کہیں اس شاطر عورت نے یار من کو تو...... انہوں نے اپنی سوچ جھٹک ڈالی اور کال ریسو کی۔

''السلام علیکم پپا، کیسے ہیں؟'' اس کا انداز مخصوص تھا، کوئی غیر معمولی پن نہ پا کر وہ قدرے ریلیکس ہوئے مگر یہ اطمینان عارضی تھا، آخر وہ عورت کب تک بیٹے سے دور رہتی، ایک نہ ایک

دن......۔

''پپا آپ اسلام آباد کب چکر لگائیں گے؟'' رسمی سلام دعا کے بعد وہ بہت محتاط انداز میں سوال کر رہا تھا، بھلے نکاح کے معاملے پہ سلیمان کا حوالہ پا کر وہ پسپا ہو گئے تھے مگر اس سے سفارتی تعلقات ہنوز سرد تھے، اس سے بات کرتے تھے نہ اسے دیکھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ حمدان خود بھی بہت ریزرو ہو چکا تھا، ان کی ناراضگی ختم ہونے کا منتظر تھا، مگر اب سر سلیمان کی دعوت بھی رد کرنے والی نہ تھی۔

''فی الحال تو مجھے کوئی کام نہیں ہے، کیوں؟'' پرسوچ انداز میں جواب دیتے وہ آخر میں جانے کس خیال سے چونک گئے، جب کسی قیمتی چیز کے کھونے یا چھن جانے کا دھڑکا دل کو آ لگے تو معمولی باتیں بھی حادثوں اور سانحے کی مانند چونکانے سہمانے خوفزدہ کرنے کا باعث بن جایا کرتی ہیں، ان کا بھی یہی حال ہوا تھا۔

''سلیمان سر نے کھانے پہ انوائیٹ کیا ہے ود فیملی، آپ سے ملنے کا بالخصوص کہا تھا۔'' حمدان مدھم خائف انداز میں بتا رہا تھا، انہوں نے ہونٹ بھینچ لئے، کوئی اور وقت ہوتا تو تلخ ضرور ہوتے، طعنہ ضرور دیتے، اور کچھ نہیں تو تنفر سے یہی کہہ ڈالتے اگر نکاح میری موجودگی کے بغیر ہو گیا تو اب کیا ضرورت پڑ گئی۔

''کب...... کس دن کا کہا ہے؟'' ان کا انداز پھر پرسوچ ہوا، حمدان کو قدرے تسلی ہوئی ان کے نارمل رویہ پہ، نارمل سوال پہ۔

''کل...... لیکن اگر آپ کو کوئی پرابلم نہ ہو تو۔''

''ہوں۔'' وہ پھر کسی سوچ میں ڈوبے کچھ توقف کیا، حمدان پہ یہ لحات کتنے بھاری ہیں انہیں کیا معلوم۔

''ایسا ہے کہ تم آج ادھر ہی آ جاؤ، ہم کل ارلی مارننگ سب نکلیں گے اکٹھے، کیا کہتے ہو؟'' اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے اس کی اصلاح مانگی، وہ تابعداری سے سر ہلانے لگا۔

''ایز یو وش...... جو آپ کا حکم۔''

''میرا حکم۔'' ان کا لہجہ عجیب ہوا پھر اس سے بھی عجیب انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''چلیں کبھی دے کر دیکھیں گے یہ حکم اور اس کی اہمیت۔'' حمدان کے اندر غضب کے سوالات نے اودھم مچایا، ہلچل برپا کر دی، پوچھے کہاں نافرمانی یا گستاخی ہوئی، مگر ادب کے خلاف تھا یہ رویہ سوچ چپ سادھے رکھی، یہاں تک کہ وہ دوبارہ بھی خود ہی بولے تھے، خود ہی کلام کیا سوال کیا۔

''یار من! تمہیں کوئی فون تو نہیں آیا؟ میرا مطلب ہے کوئی بھی غیر معمولی کال؟'' ان کا انداز اس انداز کا سوال کبھی ہوا نہ تھا، اب نکاح ہوا تھا تو سوال بھی ہو گیا، حمدان کا فطری طور پہ دھیان اس سمت جانا تھا اور گیا بھی، جبھی نہ صرف ٹھٹکا بلکہ خائف بھی ہو گیا محتاط بھی ہو گیا۔

''میں سمجھا نہیں پپا، کس قسم کی کال؟'' اس کا لہجہ گریز پائی کا تھا، اس شخص نے زور سے سر جھٹکا۔

"چھوڑو...... کچھ نہیں، تم بتاؤ کب نکل رہے ہو؟"

"آن ڈیوٹی ہوں پپا، آف ہوتے ہی نکل آؤں گا۔"

"ٹائم پہ ہی آنا، ورنہ کل پہ رکھ دینا یہ پروگرام، ادھر کے راستوں کا معلوم ہی ہے تمہیں، سمجھ رہے ہو نا بات میری؟" ان کا مخصوص فکرمند انداز اور اپنائیت بھرا خیال، حمدان کو بہت اچھا محسوس ہوا۔

"ڈونٹ یووری پپا، میں خیال رکھوں گا۔" اب کے وہ مسکرایا تھا، ان کا فون بند ہوا تو وہ یوں گہرا سانس بھر کے کھل کر طمانیت سے مسکرانے لگا جیسے قفس کے بعد کھلی فضا میں آ گیا ہو۔

☆☆☆

سلوک ناروا پہ اس لئے شکوہ نہیں کرتا
کہ میں بھی تو کسی کی بات کی پرواہ نہیں کرتا
بہت چالاک ہوں اپنی لڑائی آپ لڑتا ہوں
میں دل کی بات کبھی دیوار پہ لکھا نہیں کرتا
زمیں پیروں کے نیچے سے دن میں کتنی بار نکلتی ہے
میں ایسے حادثوں سے دل مگر چھوٹا نہیں کرتا
تیرا اصرار سر آنکھوں پہ مجھ کو بھول جانے کا
میں کوشش کر کے دیکھوں گا مگر وعدہ نہیں کرتا

جس وقت وہ نکلا شام ڈھل رہی تھی، اس کا خیال تھا وہ وقت پہ گھر ضرور پہنچ جائے گا، شہر سے وہ نکل آیا تھا، سڑک اب بالکل سیدھی اور سپاٹ تھی، سہ پہر کی گرم ہوا کو چیرتی گاڑی چھوٹے بچوں کی طرح غوں غوں کرتی جاتی تھی، مرکزی چوک کے وسط میں سپاہی ٹریفک کنٹرول کرنے کے بجائے زمین پر بیٹھا تربوز کھانے میں مشغول تھا، دھوپ کی شدت میں کمی واقع ہو چکی تھی مگر تپش کا احساس ہنوز باقی تھا۔

اس کا ذہن الجھ رہا تھا، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی، پپا نے آخر اسے کیوں بلوایا؟ جبکہ آگے ویک اینڈ بھی نہیں تھا، انہیں اس کی ذمہ داریوں اور فرائض کے متعلق خود بہت خیال رہا کرتا تھا، یقیناً کوئی خاص بات تھی کیا؟ یہی سمجھنے سے قاصر تھا اور خدشات کے ہمراہ دھڑکتا دل مختلف قیاس آرائیاں کرتا جاتا تھا۔

اب سڑک کے دونوں اطراف پھولوں کے تختے اور سرسبز چناروں کی قطاریں تھیں، وہ اس پر پیچ سڑک پہ جیسے ہی کوئی موڑ مڑنے لگتا تو ایسا محسوس ہوتا گویا گھنے چناران کا راستہ روک لیں گے ان کی شاخیں عین سڑک کے اوپر آپس میں یوں گھسی ہوئی تھیں کہ سبزے اور خنکی کی ایک سرنگ بن گئی تھی۔

وہ کچھ کھائے پیئے بغیر یونہی نکل آیا تھا، اب پیٹ میں بھوک پیاس کے احساس سمیت عجیب سی اینٹھن ہو رہی تھی، اس نے کچھ اور آگے جا کر سڑک کی نکڑ پہ گاڑی روکی اور نیچے آبادی میں اترتی کچھ کچی سیڑھیاں طے کر کے دریا کے کنارے واقع ریسٹوران میں آ گیا، بلند درختوں میں

خوشگوار خنک ہوا کی سرسراہٹ اور ساتھ دریا کے شور میں زندگی کی لہر تھی، سامنے ایک چھوٹا سا پسماندہ سا بازار اسی دھند لے غبار میں ڈوبا نظر آرہا تھا، یکدم خنک ہوا کا ایک جھونکا آیا پھر دوسرا، وہ کپکپا گیا، مچھلی کے ساتھ چاول آرڈر کرتے اس نے چائے کا بھی کہہ دیا، کچھ دیر میں ہوٹل کا چھوٹو اس کے آگے کھانا چن رہا تھا، یکدم تیز اور یخ ہوا چلنے لگی، سیٹیاں بجاتی ہوئی تند ہوا کا شور کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگتا تھا، سڑک کنارے مٹی کا بنا ایک بوسیدہ قہوہ خانہ بھی تھا، جس کے باہر چند ٹوٹے ہوئے پرانے بینچوں پہ زیادہ تر ڈرائیوروں کا رش تھا، سورج غروب ہو چکا تھا اور ہر طرف تاریکی چھا گئی تھی، اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا، دھند اور نارنجی سرخی میں ڈوبے اونچے اونچے سرمئی پہاڑوں کے پار رہ جانے والے اسلام آباد شہر کے کسی شاندار گھر میں، وہ لڑکی یقیناً اس کی منتظر نہیں ہوگی، وہ لڑکی...... جو ایک حسین شہزادی کی طرح مغرور اور اپنے حسن پہ نازاں تھی مگر وہ اس نوجوان دیہاتی گھبرو جوان کی طرح تھا جو کسی طرح بھی شہزادوں سے کم حسن و جمال نہیں رکھتا تھا مگر اس میں تکبر نام کو نہیں، وہ کھانا کھا کر اٹھ گیا، چائے اس نے ڈسپوزبل مگ میں ساتھ لے لی تھی کہ ہوا کچھ اور تیز ہو چلی تھی اور ساتھ مٹی بھی اڑ رہی تھی، کانٹے دار جھاڑیاں، غباروں کی طرح ادھر ادھر اچھل رہی تھیں، اس کی گاڑی کے بند شیشوں سے ہوا سر ٹکراتی اور بے بس ہو کر لوٹ جاتی، تھوڑی دیر میں ہی ساری فضا گرد آلود ہو چکی تھی، بہتا پانی گرد اور تیز ہوا میں اڑتی جھاڑیاں، وہ جلد از جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا، جانتا تھا ایسا موسم ایسا طوفان یہیں ہوگا بس۔

جلدی جلدی کرتے بھی اسے عشاء کی اذان راستے میں ہو گئی تھی، جب گھر پہنچا تو دروازے پہ انتظار میں ٹہلتے اس شخص نے اسے دیکھ کر گہرا متاسفانہ سانس بھرا، ایسا سانس جس میں بہرحال اس کے خیریت سے پہنچنے کا اطمینان چھپا تھا۔

''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے آج کل کی نوجوان نسل کو، بات سننا ماننا تو جیسے اپنی توہین سمجھتے ہیں، بھلا بتاؤ اگر تم دو گھنٹے پہلے نکل آتے تو یہاں ہماری جان تو تب تک ہوا نہ ہوتی رہتی۔'' خفگی اس پہ ظاہر کرتے سر جھٹکتے بغیر اس سے کلام کیے بڑبڑاتے اندر مڑ گئے، حمدان نے گہرا سانس بھر کے غانیہ کی سمت دیکھا جوان کے منظر سے ہٹنے کی ہی منتظر تھیں جیسے، لپک کر قریب آئیں گلے لگایا، ماتھا چوما، انداز میں اک عجیب سا والہانہ پن تھا۔

''بیٹے خیال رکھا کرو، اب آپ کا تعلق صرف ہمارے ساتھ نہیں کسی اور کو بھی اپنا پابند اور منتظر کر چھوڑا ہے تم نے۔'' وہ مسکرا رہی تھیں، یہ مسکراہٹ گواہ تھیں وہ کتنی شانت ہیں اس کی زندگی میں در آنے والی ایسی تبدیلی سے، حمدان کے چہرے پہ البتہ ایک رنگ آ کر گزرا۔

(کاش واقعی ایسا ہوتا والدہ، وہ میری پابند اور منتظر ہی ہوتی)۔

''ٹائم پہ نکلا تھا اماں، بس راستے میں تاخیر ہو گئی، باقی سب کہاں ہیں۔'' اس کی نظریں ماں سے ملتے ادھر ادھر بہنوں کی تلاش میں بھٹکیں۔

''کس کو پوچھ رہے ہیں، قدر بھابھی کو؟'' حجاب اگلے لمحے آن دھمکی تھی، چہرے پہ شریر مسکان کا بسیرا تھا، حمدان نے جواباً اسے شرارتی نظروں سے دیکھا۔

''بھابھی...... ڈونٹ کال می بھابھی۔'' اس نے قدر کے لہجے کی نقل کی تو دونوں ہنس دیئے

تھے، غانیہ نے یہ منظر ٹھہر کر مسکرا کر دیکھا اور بڑی مطمئن ہو کر کمرے سے نکلیں، ارادہ اس کے لئے کھانے کی ٹرے تیار کرنے کا تھا، وہ جب بھی آتا اس کا ہر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی وہ خود اپنے ہاتھ سے انجام دیا کرتیں، حجاب اور حرم کو صاف منع کرتے ہوئے کہ انہیں بیٹے سے لگاؤ اور محبت ہی ایسی تھی، اس کے کام سرانجام دے کر ایسی روحانی خوشی حاصل ہوتی کہ بیان سے باہر، اس شخص کے بعد اس کے بیٹے سے ہی تو عشق کیا تھا انہوں نے، صد شکر کہ بیٹا باپ پہ نہ تھا، فرمانبرداری سعادت مندی اور مودبانہ انداز جو غانیہ کے لئے تھا حمدان کے پاس وہ تو اس شخص کے لئے بھی نہیں تھا اور یہ بالکل تصنع نہیں تھا، بناوٹ نہیں تھا، بالکل نیچرل تھا۔

''یہ لو بیٹے کھانا کھاؤ، پھر پہلی فرصت میں اپنے پپا کے پاس جانا، منتظر ہوں گے تمہارے میں تب تک چائے بنا لاؤں۔'' وہ نہا کر نکلا تو غانیہ بھی ٹرے سمیت گئیں، حجاب وہیں تھی، حمدان کے جوتے ریک میں رکھ کر سلیپر نکال دیئے تھے، چھوٹے موٹے دیگر کام نپٹاتی باتوں میں مشغول تھی، غانیہ کی بات سن کر شرارتی انداز میں ہنسنے لگی۔

''ہاں جی، بنا لائیں بنا لائیں، چند ایک بار جو بنانی ہے، پھر تو ہماری بھابھی صاحبہ کیا کریں گی یہ ساری خدمتیں، کیوں بھائی؟'' وہ گویا اسے چھیڑ رہی تھی، حمدان محض کھنکارا اور تبصرہ محفوظ کر لیا، ہیئر برش رکھا اور کھانے کی سمت متوجہ ہو گیا، غانیہ جا چکی تھیں، حجاب نے اپنی شرارت کو طول دیا۔

''کیوں بھائی بتائیں وہ کرے گی یہ ساری خدمتیں، اتنے بڑے باپ کی نخریلی اور نازک مزاج بیٹی۔''

''بیوی بنے گی تو سب کرنا پڑے گا، بی کوز بیوی وہ بہت ایک آفیسر کی ہوگی نہ لین لارڈ کی، اس لئے ضروری ہے۔'' اس کی سنجیدگی عود کر آئی، حجاب اب کے کچھ نہ بولی، حمدان نے کھانا ختم کیا اور رومال سے ہاتھ پونچھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں پپا کے پاس ہوں، مما سے کہنا چائے وہیں لے آئیں۔'' حجاب نے سر ہلایا اور برتنوں کی ٹرے اٹھا لی، حمدان کمرے سے نکل کر منیب کے کمرے کی جانب آ رہا تھا، جب برآمدے کے سرے پہ اس سے ٹکراؤ ہوتے ہوتے بچا، وہ تو جیسے شانزے کو روبرو پا کر ہی ششدر ہوا تھا، اس کی یہاں موجودگی اس کے لئے کسی دھچکے سے کم نہ تھی۔

''وفاداری کی شرط ہوتی ہے مستقل مزاجی اور ٹھہراؤ، مگر تم کیا جانو حمدان منصف، ایسی باتیں جس نے ایسی ماں کے بطن سے جنم لیا جو چھوڑ کر بھاگ نکلی تھی، شوہر کو بھی، بیٹے کو بھی۔'' وہ بولی کیا تھی، زہر اگلا تھا اور زہر کے اثرات کبھی بہتر نتائج ظاہر نہیں کرتے، حمدان کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا، تاثرات میں پتھریلا پن ابھر آیا، آنکھیں شعلے اگلنے لگیں تھیں۔

☆☆☆

''شٹ اپ...... جسٹ شٹ اپ۔'' وہ دھاڑا، اس کی دھاڑ اس شخص کے کمرے کی طرف گئی، ان تک پہنچی، انہوں نے اچنبھے سے ناگواری سے بھنوؤں کو جنبش دی اور کتاب بند کر کے سائیڈ پہ رکھ دی۔

''بہتر ہوگا کہ تم اگر لوٹ بھی آئی ہو تو میرے منہ نہ لگو، تم سے ہر تعلق ختم ہو چکا تھا میرا۔'' وہ پھنکارا اور کھل کر اپنی نفرت اس پہ عیاں کی، وہ شخص آ کر کھڑکی میں کھڑا ہوا، گویا سب کچھ سنا ہی نہیں دیکھا بھی۔

''ایک تم ہی تو ہو، منصف حمدان جس کے منہ بھی لگنے کو دل کرتا ہے، تم سے نفرت تم سے ہی محبت ہے، تمہیں کیسے چھوڑ دوں کہ ہر تعلق تم سے استوار ہے۔'' اس نے کھڑکی میں منیب کی جھلک دیکھ لی تھی، سوتسو ے بہانے تو اب لازم وملزوم تھے، حمدان مزید قہر سے بھرا۔

''اس درجہ نفس پرست ہو تو ایسی ہی گفتگو کی جا سکتی ہے، مجھ سے تمہیں کبھی بھی کچھ ملنے والا نہیں، راستہ چھوڑ دو اب میرا۔'' وہ دانت پیس کر بول رہا تھا، چہرے کے ہر تاثر سے برہمی واضح تھی، شانزے مسکرائی، ادا سے سر جھٹکا اور اٹھلا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

''تمہارے راستے کھلے ہوئے ہیں منصف حمدان، اڑ لو جتنا اڑنا ہے، بھاگ لو جس قدر بھاگنا ہے، اب میں نہیں تم آؤ گے میرے پاس...... یہ طے ہے۔''

وہ کتنے زعم سے بولی تھی، کیسے گھمنڈ سے بات کرتی تھی، حمدان نے دل میں لاحول ولاقوۃ الاباللہ پڑھا تھا اور اب کی بار اسے نظر انداز کیے آگے بڑھ گیا، وہ شخص سرعت سے پیچھے ہوا اور سگریٹ سلگانے کے بہانے چہرا جھکاتا کتابوں کے ریک کے پاس ٹھہر گیا، حمدان کی دستک کا جواب بھی توقف سے دیا تھا۔

''بیٹھو...... کیوں کھڑے ہو؟'' انہوں نے کش لے کر دھواں پھیلاتے اسے ٹوکا، حمدان بھی ابھی تک اضطرابی کیفیت سے چھٹکارا نہ پا سکا تھا، گہرا سانس بھرا صوفے پہ ٹک گیا۔

''آپ مصروف تو نہیں تھے پپا!'' وہ پتا نہیں کیوں اتنا متکلف ہو رہا تھا، انہوں نے بغور اسے دیکھا، وہ جیسے ہنوز کسی الجھن میں مبتلا تھا، غیر حاضر تھا، انہوں نے تفکر کی نگاہ سے اس کا یہ استغراق دیکھا، محسوس کیا۔

''جس عمر میں پہنچا ہوا ہوں، یہاں والدین اولاد کی مصروفیت ترک ہونے اور اپنی طرف متوجہ ہونے کے منتظر ہوا کرتے ہیں بیٹے۔'' جواب ایسا تھا کہ حمدان کی ہر کیفیت کو ہوا برد کر گیا، اسے بھونچکا کر گیا، خود ترسی اور یہ شخص...... کوئی میل جول نہ تھا اور اس کا ٹھٹھہ اور دھڑلہ تو ہنوز قائم تھا، پھر ایسی بات کا مطلب وہ سمجھنے سے قاصر ہی رہ سکتا تھا۔

''آئی ایم سوری پپا! اگر آپ کو کچھ برا لگا تو۔''

کوئی غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندگی اس کے اعصاب پہ سوار ہوئی تھی۔

''جو کچھ ہوا اس کے بعد اس بچی سے معذرت تو بنتی تھی آپ کی لعنت ملامت نہیں، بہر حال...... آپ خود سمجھدار ہیں۔'' ان کی ناراضگی کی وجہ بالآخر عیاں ہو گئی، حمدان کے تناؤ کا شکار اعصاب مزید تناؤ میں مبتلا ہوئے، اس نے ہونٹ بھینچے کچھ کہنے سے گریز برتنا جانتا تھا لاحاصل

ہے۔

''آپ کو میں نے آپ کے بچپن میں ہی سنہری تتلیوں کے پیچھے بھاگنے سے منع کیا تھا، یاد ہو تو...... طے ہوا حمدان آپ شروع سے میری ضد پہ قائم رہے ہیں۔'' ان کے لہجے میں عجیب سا سرد پن اور تفکر ایک وقت میں نظر آیا تھا، سرد پن کی سمجھ آئی تھی، تفکر کی وجہ کیا ہو سکتی تھی، وہ کچھ نہیں بولا، یہ نظر اندازی نہیں احترام تھا، اس شخص کو پھر بھی نہ بھایا۔

''کیا تمہارے ذاتی طور پہ خاں صاحب سے تعلقات تھے کہ انہوں نے تم پہ اتنا بھروسہ کرلیا، اتنا بڑا قدم اٹھانے سے گریز نہ برتا، یا پھر ان کی بیٹی کے ساتھ کوئی انوالومنٹ تھی۔'' انہوں نے جانے کیا سوچ کر فقرہ ادھورا چھوڑا، اس کی وجہ ہرگز بھی حمدان کا رنگ چھوڑتا چہرا نہیں ہو سکتا تھا۔

''سر سے میری کبھی کبھار ہونے والی ملاقات کے پیچھے ان کی پرسنالٹی سے متعلق انسپاریشن کے علاوہ کوئی جذبہ کار فرما نہیں تھا پپا، بچپن کی اس کشش کو میں یکسر بھلا چکا تھا، جوان کی بیٹی کے حوالے سے محسوس کرکے آپ نے نصیحت کی تھی۔'' صفائی یا وضاحت دیتا وہ انہیں بہت معصوم اور سچا لگا، مگر کیا کرتے یقین کرنے کی پوزیشن میں نہ تھے، ان کی بھی کچھ مجبوریاں کچھ تحفظات تھے۔

''سمجھ سے باہر ہے، انہوں نے اتنا بڑا فیصلہ اتنا اچانک کیونکر کرلیا، آیا وجہ اس کے پیچھے ان کی بیٹی کے کردار کی کمزوری ہے یا پھر وہ اپنی زندگی کے اہم فیصلے سے قبل سارے ہتھیار کند کر دینا چاہتے ہیں۔''

ان کا انداز خود کلامی کا تھا، حمدان نے گہرا سانس بھرا، وہ بھی کن الجھنوں میں پڑ رہے تھے اور یہ ساری باتیں اب کیوں سوچ رہے تھے، اب جبکہ اس فیصلے پہ عمل درآمد کو بھی اتنے دن بیت گئے، اس کی سمجھ سے یہ ساری مشقت باہر تھی۔

''قدر کی شادی خاندان میں ہی طے تھی پپا! کچھ چپقلش کی وجہ سے انہیں یہ رشتہ منسوخ کرنا پڑا۔'' اسے وضاحت ضروری لگی تھی، وہ شخص عجیب انداز میں مسکرایا، پھر یکدم اسے بہت دھیان سے دیکھنے لگے تھا۔

''بالفرض یار من...... کبھی ایسا ہو کہ تمہارا کوئی اور دعوے دار اٹھ کھڑا ہو تو کیا تم ایسا دعویٰ کرنے والے کا خیر مقدم کرو گے، جبکہ اس کے دل میں تمہاری محبت ہو نہ ضرورت...... یہ بس ایک انتقامی کاروائی کے علاوہ کچھ نہ ہو؟''

حمدان کا تو منہ کھل گیا، اس کے گمان تلک بھی نہ تھا باپ کبھی ایسی پہیلیاں بھی بجھوا سکتا ہے، کوڈ ورڈ میں ہونے والی یہ ساری باتیں یا سوال اس کے سر کے اوپر سے اتنا بھی نہ گزرتے اگر بیک وقت وہ اتنے محاذوں پہ اکیلا نہ لڑ رہا ہوتا، قدر کا برپا کیا طوفان کیا کم تھا کہ شانزے بھی اپنی نحوست سمیت آن دھمکی تھی، اس پہ پپا کی مخمصے میں ڈال دینے والی باتیں۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں پپا، پلیز کھل کر بات کریں۔'' وہ کنپٹی کھجاتا بے بس نظر آیا، انہوں نے اک نظر اندر داخل ہوتی غانیہ کو دیکھا اور بہت اطمینان سے وہ دھماکا کر ڈالا، جو غانیہ اور حمدان کے لئے کسی بلاسٹ سے کیا ہی کم تھا۔

''تمہاری نام نہاد ماں، تم سے ملنا چاہتی ہے، آج بات کرے گی تم سے تمہارا جواب چاہئے

کے لئے۔'' چائے کا مگ غانیہ کے ہاتھ میں لرزا، رنگ بالکل فق ہو گیا، پوری بات تو وہ بھی نہ سمجھی مگر جتنا سمجھی وہ اسے سرد کر دینے کو کافی تھی۔

''جس عورت نے لفظ ماں اور اس کے ہر احساس سے مجھے آشنائی بخشی وہ عورت سامنے کھڑی ہے پپا، اس کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا، نہ جاننا چاہتا ہوں، تو پھر بات کرنے کی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی، اگر اس سلسلے میں کوئی آپ سے رابطہ بحال کرنا چاہے تو بلا تخفیف آپ یہ جواب پہنچا سکتے ہیں۔'' ماں کو اک نظر دیکھتا اٹھ کر انہیں سہارا دے کر خود سے لگاتا وہ کتنے مضبوط کتنے اٹل انداز میں گویا ہوا تھا کہ صرف غانیہ ہی نہیں اس شخص کے بھی اعصاب آسودگی و سکون کی سمت مائل ہوئے تھے، حمدان اس سے چائے کا مگ لے کر ٹیبل پہ رکھ چکا تو غانیہ ایک دم اس کے بازو سے لگ کر سسک اٹھی تھیں، وہ ان کی فیلنگز سمجھتا تھا، جبھی بہت نرمی اور محبت سے انہیں بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔

''شانزے سے معذرت بنتی ہے، معذرت ہونی چاہیے۔'' کچھ وقت مزید گزار کر جب وہ وہاں سے اٹھ رہا تھا تو اس شخص نے انداز بدلتے پھر آرڈر کیا، حمدان کے چہرے پہ شدید اختلاف ابھرا پھر بے بسی مگر انکار پھر بھی نہیں کیا، سر ہلایا اور دروازے سے نکل گیا۔

''کچھ لوگوں کے بخت بہت زور آور ہوتے ہیں، جیسے تمہارے، وہ تمہارا سگا بیٹا بھی نہیں مگر......'' غانیہ حمدان کا خالی کیا ہوا مگ اٹھا رہی تھیں جب ان کی عجیب سی آواز سنی، گہرا سانس بھرا، مسکرا دی۔

''ضروری تھوڑی ہے وکیل صاحب! محبت اور خدمت وفا اور خلوص ہر بار رائیگاں چلا جائے، اگر اسے کسی پتھر پہ ضائع نہیں کیا جا رہا تو بدل تو آئے گا، یہ قانون قدرت ہے۔'' سالہا سال بیت گئے خامشی کے ردا اوڑھے، عرصہ بعد جواب ملا تھا اور ایسا ملا تھا کہ وہ لاجواب بھی ہوئے اور خفت سے بھی بھر گئے، رنگ جیسے سرخ پڑ گیا، جانے کیوں انہیں کہیں پڑھی اقتباس یاد آئی۔

''بیٹے کے جوان ہوتے ہی عورت شوہر سے زیادہ بیٹے سے توقعات باندھ لیتی ہے، سب خوابوں کا مرکز بھی وہی ٹھہرتا ہے۔'' انہیں عجیب سا نقصان عجیب سی توہین کا احساس دامن گیر ہوا۔

''زیادہ اونچا اڑنے کی کوشش بھی مت کرو غانیہ بیگم! مت بھولنا کہ تمہاری ڈور ابھی بھی میرے ہاتھ میں ہے۔'' وہ شخص جیسے غرایا تھا، غانیہ دروازے سے نکلتی نکلتی ٹھٹک گئیں۔

''آپ کو ایسے کیوں لگا وکیل صاحب کہ میں آپ کی حدود سے نکل جاؤں گی، میں تو آج بھی وہی غانیہ ہوں جسے تمام تر اختیارات کے باوجود آپ کی ذات تک محدود ہونا آپ کے دائروں میں قید رہنا پسند تھا، سو بالکل فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ میں وہ چڑیا نہیں تھی جس کے پر آپ نے کاٹے تھے، بلکہ میں وہ پرندہ تھی جس کو صیاد پسند آیا تھا، جس نے شکاری پہ جان دیتے ہوئے اپنے پر خود اپنے دانتوں سے کتر کتر کر پھینکے تھے۔''

بہت اطمینان سے اپنی بات مکمل کرتیں وہ پلٹ کر باہر نکل گئیں، وہ شخص جو واقعی پتھر ہو چکا تھا جس پہ کوئی جذبہ کوئی احساس اثر نہ دکھاتا تھا، وہ اس بات ان الفاظ میں ایسا کیا پا چکا تھا کہ گم صم بیٹھا رہ گیا تھا، ادھر غانیہ دل گرفتہ تھیں، آنسو پونچھتی تھیں۔

اے روگ پرانے عمراں دے
اے نال سدا ہن رہنے اے
جند دکھاں دے وچ مک جانی
کسے حال نمانا نئیں پچھنا
اینج رل جانا اسی ککھاں وانگ
تیری یاد نے سانوں ٹک جانا
خورے سکھ دا ساہ وی آنا ایں
یا دکھ سیندیاں مر جانا

☆☆☆

دن نکلے سوچ الگ شام ڈھلے وجدان الگ
امید الگ سکون الگ آس الگ طوفان الگ
تشبیہ دوں کس سے تیرے حسن کا ہر رنگ
نیلم الگ زمرد الگ یاقوت الگ مرجان الگ
تیری الفت کے انداز میں سبھی عجیب تھے
اقرار الگ تکرار الگ تعظیم الگ فرمان الگ
گر ساتھ نہیں اب دے سکتے تو بانٹ دو یکجان لمحے
مسرور الگ نڈھال الگ پرکیف الگ پریشان الگ
وقت رخصت الوداع کا لفظ جب کہنے لگے
آنسو الگ مسکان الگ بے تابی الگ ہیجان الگ
جب چھوڑ گیا تب دیکھا اپنی آنکھوں کا رنگ
حیران الگ پریشان الگ سنسان الگ بیابان الگ

وہ چیختے ہوئے بھاگ رہی تھی کہ پگڈنڈی پہ پاؤں پھسلا اور وہ اوندھے منہ جا گری، کربناک چیخوں کا لامتناہی سلسلہ اس کے ہونٹوں سے پھوٹ نکلا، آنکھیں آسمان سے برستی بارش کی طرح بے اختیار بہتی تھیں۔

''سلیمان!'' وہ کراہی، تڑپ کر ہاتھ اٹھاتی دور ہوتے بلند ہیولے کو پکڑنے کی کوشش میں ناکام ہو کر پھر سسکنے لگی۔

''مت جاؤ سلیمان! خدارا مت جاؤ۔'' وہ کیسے بلک رہی تھی، ہجر کی ماری کیسے فریاد کرتی تھی، کیسے نہ کرتی، یار کے مہکتے لمس اسے چین نہیں لینے دیتے تھے، معطر سانسوں کی مہکار کی طلب بے قرار کرتی تھی۔

''معاف کر دو، ایک بار معاف کر دو، لوٹ آؤ، صاحب لوٹ آؤ۔'' بے قرار خواب ٹوٹ گیا، وہ مگر ہنوز غنودگی میں تھی، بڑبڑا رہی تھی، معاً زوردار کڑک گونجی اور بارش اور اولے ایک ساتھ کھڑکی کا شیشہ تاڑ تاڑ بجانے لگے، اس کی آنکھ کھل گئی۔

اضطراب بڑھ گیا، اندھیرا کمرا، قبر جیسا، وحشت تنہائی، ہولناک موسم، اس کے اندر دکھ رونے لگا، وہ خود رونے لگی، تنہائی، جان لیوا تنہائی اس کا نصیب کیوں بن گئی تھی، ایک وقت تھا جب تنہائی بھلا کرتی تھی، لمحے مہکا کرتے تھے، خیال اس کا دامن جکڑ گیا، یار کے پہلے لمس نے بدن پہ سلگن اور مہک کا احساس قوی کیا، جب پاؤں اکھڑنے سے وہ گر جاتی، یار نے بالکل غیر ارادی طور پہ غیر شعوری طور پہ گرتی لڑکی کو سہارا دیا تھا اور لمحے امر ہو گئے تھے، ثبت ہو گئے تھے، اس کے دل پہ اس کے دماغ پہ۔

اس لمحے اس خیال کا سر کچل کر دوسرا خیال دماغ میں بجلی بن کر کوندا، جب بجن نے شعوری اور ارادی طور پہ خود اپنی خواہش سے اس کا ہاتھ تھاما تھا، چوما تھا۔

''بہت خوب صورت ہو، مگر بہت ضدی بھی ہو۔''

''ضد تو خوب صورتی کا گہنا ہے۔'' وہ مسکرائی تھی، ناز سے اٹھلا کر سلیمان سر نفی میں ہلانے لگا۔

''ضد کا صرف ایک ہی رزلٹ ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے نقصان۔'' اس کی آنکھوں کی سرخی اور آنسو یکلخت بڑھ گئے، قطار کی صورت بہنے لگے۔

''آپ ٹھیک تھے صاحب! کاش میں ضد پہ قائم نہ رہتی۔'' ملال ایک بار پھر سر چڑھ آیا۔

☆☆☆

ایسے ہے آج اداس سر شام زندگی
جیسے کسی کی آنکھ کا الزام زندگی
اپنے جہاں میں دیکھا تیرے بعد کچھ نہ تھا
ہم نے لگا دی آج تیرے نام زندگی

جس کے بنا یہ سانس مجھے ڈوبتی لگے
جا کر اسے بھی ڈھونڈ کسی شام زندگی
یہ پیار درد بن نہ سکے جس کے نشے میں
پلا دے مجھے آج وہی جام زندگی
اب دوستوں کے ہاتھ میرے ہاتھ میں نہیں
گرنے لگا ہوں آج مجھے تھام زندگی

انہیں اس سے گفتگو ترک کیے آج چوتھا دن تھا، وہ بس روتی تھی اور سوتی تھی اور کوئی کام نہ تھا جیسے آج صبح ہی آپا ماں اسے اس کے سسرالیوں کی آمد کے متعلق بتا کر تیار ہونے کا کہہ گئی تھیں، یہ پیغام سلیمان نے بجھوایا تھا، ظاہر ہے اسے ڈنگ بن کر لگا، اور رو کر حال مزید خراب کیا، صبح سے آسمان پہ گہرے بادل موجود تھے، اب تو ہلکی پھلکی رم جھم بھی پڑنے لگی تھی، ظہر کے بعد اس نے کمرے کی کھڑکی سے جھانکا تو گہرے بادل جوں کے توں موجود تھے مگر بارش نہیں تھی، آسمان کے شمالی حصے کی جانب بجلی کوندی اور بادل گرجنے کی آواز آئی، ہلکی ہلکی بارش سے ہی لان میں کیچڑ اور

پھسلن ہو چکی تھی، ملازماؤں نے صفائی کر دی تھی مگر بارش کا زور ٹوٹ نہیں سکا، پرہول سناٹے میں باہر گرتی بوندوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی، معاً گیٹ پہ گاڑی کا ہارن سنائی دیا، یہ گاڑی سلیمان کی نہیں تھی، اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا جیسے، سرعت سے اٹھ کر کھڑکی میں آئی، خدشہ درست تھا، وہ لوگ آ چکے تھے، استقبال کو ملازم تو موجود تھے ہی مگر ساتھ میں بانفس نفیس سلیمان خان بھی اور ایسا تو کبھی منظر اس کی آنکھ نے نہ دیکھا تھا، جبھی روح جل کر خاک ایسے ہوئی کہ کھڑی نہ رہ سکی، دھاڑ سے کھڑکی بند کرتی جا کر پھر بستر پہ بیٹھ گئی، آنکھیں ایک بار پھر بھیگ گئیں۔

''آپ تیار نہیں ہوئیں قدر بیٹا! مہمان تو آ بھی گئے، صاحب بیٹا کتنے خفا ہوں گے آپ کو اندازہ ہوگا آپ کی اس تاخیر پہ۔'' اس کے خدشے کے عین مطابق آیا ماں چند لمحوں بعد حاضر تھیں، اس نے سلگتی بھڑکتی نظروں سے انہیں دیکھا، ہونٹ چبائے۔

''اٹھو میری جان، ایسے ضد نہیں کرتے۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر کمر سہلائی، پیار سے پچکارا۔

''مجھے یہ شادی کسی قیمت پہ نہیں کرنی، میں کیوں پپا کی بات مانوں؟'' وہ زاروقطار رو پڑی، آیا ماں نے سرد آہ بھری۔

''ایسے ضد نہیں کرتے بچے، اچھے بچے تو بالکل نہیں، پپا کو پریشان نہ کرو بیٹے۔'' بہلا پھسلا کر انہوں نے اسے تیار کروا ہی لیا، اسے ہمراہ لے کر ہی باہر آئی تھیں، مہمان تعارف کا مرحلہ نپٹا کر اب خوش گپیوں میں مصروف تھے، چائے کے کپ ہاتھوں میں تھے، سلیمان حمدان کے والد کے روپ میں اس شخص کو روبرو پا کے خاصے مسرور بیٹھے تھے۔

''ینگ مین آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں، کہ آپ منیب صاحب کے بیٹے ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کر ٹوکا تھا اس سے قبل کہ کوئی کچھ بولتا وہ پھر زہر پھانکنے لگی کہ اسی مقصد سے تو ساتھ آئی تھی۔

''شاید اس لئے محترم، کہ انہیں والد کا حوالہ اور لاحقہ گوارا نہیں، یہ اپنی الگ شناخت سے زیادہ مطمئن رہتے ہیں۔'' کمرے میں یکدم سناٹا چھا گیا، بات کا تاثر قائم رہنے والا تھا سو رہا، سلیمان خان کی نگاہوں میں الجھن اتری مگر انہوں نے کوئی تاثر مزید نہیں دیا، آیا ماں کے ہمراہ روٹھا سا چہرا خفا خفا تاثرات لئے اندر آئی قدر اپنے ہی دوپٹے میں الجھ کر گرتے بچی، سبھی اس کی سمت متوجہ ہوئے تو ماحول میں ہلچل مچ گئی، سب سے پرتپاک انداز غانیہ کا تھا، اٹھ کر گلے لگایا پیار کیا، حمدان جواب تک فکر مند نظر آ رہا تھا، اب مطمئن اور پرسکون ہونے کے ساتھ سرشار بھی نظر آنے لگا، سامنے ہی صوفے پہ وہ اپنی پرکشش شخصیت کے ہمراہ سوبر انداز میں بیٹھا تھا، شانزے کی نظروں سے اسے ٹپکنے والی ستائش پہ رقابت کا غلبہ تھا، جیسے حمدان نے صاف محسوس کیا، قدر کا انداز لیا دیا تھا، باپ اور حمدان کو بالخصوص اس نے نگاہ بھر کے دیکھنا گوارا نہ کیا، سلیمان نے بھی پرواہ نہ کی، البتہ حمدان شانزے کی طنزیہ نظروں کے باعث کچھ خفیف نظر آ رہا تھا، بارش ہنوز برس رہی تھی، بلکہ ڈرائنگ روم کی گلاس وال لان میں تابڑ توڑ برستی بارش کا منظر بھی واضح دکھلاتی تھی، اچانک باہر بجلی چمکی اور زوردار گرج نے گھر کے در و دیوار کو ہلا دیا، قدر بے اختیار چیخ مار اٹھی، صرف چیخی نہیں ساتھ بیٹھی غانیہ کے پہلو سے بھی چپک گئی، وہ تھر تھر کانپ رہی تھی، رونے کا تو بہانہ چاہیے تھا

گویا سوال گیا۔

"ارے رے میری پیاری سی گڑیا، ڈر گئی ہے شاید؟" غانیہ نے بے اختیار اسے ننھی بچی کی طرح بازوؤں میں بھر لیا، حمدان کی اُمڈ نے والی مسکان بڑی بے اختیار تھی، اسے جانے کیا کچھ یاد آیا تھا، شانزے کی روح یہ سب دیکھتے سلگ اٹھی، باقی سب مسکرا رہے تھے۔

(میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں، برباد کر دوں گی)

اس کی خونخوار نظروں کا مرکز حمدان کا متبسم چہرا تھا، باہر موسلا دھار بارش برس رہی تھی، دروازہ ہوا کے جھونکوں سے بار بار کھل جاتا، بجلی کوندتی رہی، بادل گرجتے رہے، کھانے کے دوران بھی وہ روٹھی روٹھی ناراض لگتی تھی، غانیہ اور بچیوں نے ساتھ لائے تحائف اسے دیئے مگر اس کا رسپانس پھر بھی سامنے نہیں آسکا، وہ بہت خاموش بہت خفا تھی۔

"تم بھی خوش نہیں لگتیں، ہے نا؟" شانزے نے بہت دیر سے ایسے موقع کی تاک میں تھی، ملتے ہی اس کے پاس آ بیٹھی، وہ جو کافی کے مگ سے اٹھتی بھاپ پر نظریں جمائے بیٹھی تھی اس نے اس پہ توجہ دی نہ اس کا چبھتے سوال سنا، اس کی سماعتوں میں باہر تسلسل سے ہوتی بارش کے شور کے سوا کچھ نہ تھا، وہ ان سب سے کٹی ہوئی تھی اور کٹی رہنا چاہتی تھی، حالانکہ بارش اور اس کے بیچ بند کھڑکی حائل تھی، اسے اندازہ نہ ہوا اس چنڈال کے اس سوال نے آس پاس کتنے لوگوں کو مضطرب اور بے چین کر دیا ہے، حمدان کو غانیہ اور اس کی بیٹیوں کو، سب سے بڑھ کر سلیمان خان کو۔

"ہیلو مس آپ سن رہی ہیں میری بات؟" اب کے ڈھٹائی سے اپنا سوال دہرا دیا تھا، جس کے جواب میں قدر کے چہرے پہ سرد تاثر پھیل گیا، آس پاس سناٹا در آیا، ماحول یکدم گمبھیرتا سمیٹ لایا تھا، سلیمان خان نے ہونٹ بھینچ لئے، غانیہ کا دل تھم تھم کر دھڑکنے لگا، حمدان کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جاتا تھا۔

"آپ کون ہیں؟ میرا آپ سے انٹروڈکشن نہیں، ان کی سسٹر سے؟" اس نے جواباً سرد نظروں سے دیکھتے ہاتھ سے حمدان کی جانب اشارہ کیا، اگر شانزے کا رنگ اڑا، وہ بلبلائی تو حجاب اور حرم کی مسکراہٹ بے ساختہ بے اختیار تھی۔

"صد شکر کہ ایسا نہیں ہے۔" شانزے خود کو سنبھال کر نخوت سے بولی تو قدر کا اب تک سنبھالا ہوا قہر یکدم امڈ آیا۔

"تو پھر آپ کون ہیں؟ کس حیثیت سے مجھ سے یہ سوال کر رہی ہیں، دوسرے لفظوں میں ہاؤ ڈیئر یو؟" اس کا دیا ہوا جلال اس پہ نکل گیا شانزے کو کہاں توقع تھی، وہ تو ہل کر رہ گئی، قدر اب مزید لحاظ کی قائل نہ تھی، جھٹکے سے اٹھی اور باہر نکل گئی، پیچھے ہنوز سناٹا اور معنی خیزی طاری تھی۔

☆☆☆

پیغام وفا اور ہے سامان جفا اور
اس قصۂ دوراں نے کہا اور کیا اور
تیور الگ انداز جدا ان کی ادا اور

دیکھیں تو ذرا ہم بھی اسے اے ہمہ خوبی
ہم جیسا وفا دار ذرا ڈھونڈ کے لا اور

وہ ساری رات جاگا، حالانکہ بے چین بھی نہ تھا، رہ رہ کے مسکان ہونٹوں پہ مچل جاتی تو زبان پہ اشعار در آئے، اگلے دن چھٹی تھی، بارش کے بعد آسمان بہت نکھرا نکھرا لگ رہا تھا، جیسے اس پر کبھی بادل آتے ہی نہیں تھے، ساری رات کہیں دور سے جھینگروں کے بولنے اور مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازیں آتی رہی تھیں، جوں جوں ان کی گاڑی سلیمان کے گھر سے دور ہوتی گئی تھی، رات اپنے اندھیرے کے ساتھ جوان ہوتی جا رہی تھی، اکثر گھروں میں روشنیاں جل اٹھی تھیں، گاڑی بھیگتے اسلام آباد کی سڑکوں سے ہوتی آفیسر کالونی کی جانب بڑھ رہی تھی، گاڑی میں خاموشی تھی اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود بس ونڈ اسکرین اور کھڑکیوں کے شیشوں پہ گرتی بوندیں ردھم جگاتی تھیں، وہ سب شاید شانزے کے لحاظ میں خاموش تھے، ایسے کہ کسی نے بھی اسے شادی کی تاریخ طے ہونے کی مبارک باد نہ دی۔

''ڈیٹ فکس ہو جانے کی خوشی میں اوقات نہیں بھول جانا منصف حمدان! ایسے میری بھی شادی طے ہوئی تھی مگر ہو نہ پائی، یہ بھی طے ہی ہوئی ہے، ہو نہیں پائے گی۔''

اس کی دشمنی اس کی نفرت اس کا بغض وعناد چھپائے نہ چھپتا تھا، حمدان کچھ نہ بولا، ترحم آمیز نظروں سے بس اسے دیکھے گیا تھا۔

''بہت خوش ہو رہے ہو نا، بہت بڑا تیر مار لیا، اتنا پتا نہیں تمہیں برباد ہو گے انشاء اللہ، میری بد دعائیں میرے ساتھ کیا گیا تمہارا برا سلوک تمہیں کبھی آباد نہ ہونے دے گا دیکھ لینا۔'' وہ پھپھک پھپھک کر بولی تھی، ایسے کہ گلے کی رگیں پھولی جاتی تھیں، اس کے ساتھ بیٹھی حجاب کا کلیجہ منہ کو آنے لگا ایسی بد دعاؤں پہ۔

''کچھ تو خوف خدا کرو، جو کچھ بھی ہوا تمہارے ساتھ اس میں بھائی کا کہیں قصور نہیں نکلتا، پھر اس تنفر کی وجہ؟ اپنے جذبات کنٹرول کرنا سیکھو۔''

جواب کم کسی کا لحاظ کیا کرتی تھی، اس کا تو پھر بھی بہت کر گئی، شانزے کو تو جیسے تیل چھڑک کر آگ لگائی ہو۔

''تم مت بولو، اپنی خیر مناؤ، ایسا عبرتناک انجام ہونے والا ہے تمہارا کہ پانی تک نہ مانگو گی دیکھ لینا۔''

اس کی توپوں کا رخ اس کی جانب سیدھا ہوا، حمدان نے آنکھ کے اشارے سے حجاب کو وہاں سے ہٹایا خود بھی اپنے کمرے میں آ گیا، شانزے کی باتوں کا اثر لینے والا نہ تھا، جبھی تھکاوٹ سے ٹوٹتے وجود کو بستر کے سپرد کیا تو نیند میں کھوتے دیر نہ لگی اور آفت کے ٹلنے کی منتظر تاریخ طے ہونے کی خوشی منانے کی آس لیے اس کے کمرے کی سمت آئیں حرم اور حجاب گہرا سانس بھرتیں واپس ہوئیں اور اس کے موبائل پہ میسج میں وش کرنے پہ اکتفا کیا تھا۔

☆☆☆

دعائیں مستجاب ہوتی ہیں
حنا بشریٰ

''مروان جلدی اٹھیئے نا۔'' وردہ نے قدرے جھنجھوڑنے والے انداز میں اسے جگاتے ہوئے آواز دی، مروان نے نیند سے بوجھل آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر پڑے کلینڈر کو دیکھا اور دوسری نگاہ وردہ پہ ڈالی۔

''آج سنڈے ہے محترمہ!'' مروان نے قدرے شپٹاتے ہوئے کہا اور دوبارہ سے تکیہ چہرے پر رکھالیا۔

''مجھے پتہ ہے آج سنڈے ہے مگر موت و حادثات وغیرہ بھلا کب دیکھتے ہیں کہ آج چھٹی کا دن ہے انہیں تو حکم ملتا ہے کہ فلاں گھر میں فلاں بندے کی طرف روانہ ہونا ہے اور وہ روانہ ہو جاتے ہیں۔'' وردہ دکھ سے بولی۔

اب کے وردہ کے لہجے میں نمایاں دکھ محسوس ہوا تو اس نے سرعت سے تکیہ چہرے پے ہٹایا اور وردہ کی جانب نگاہ کی جہاں کرب والم محو رقص دکھائی دیا۔

''کیا ہوا سب خیریت ہے نا صبح صبح لیکچرار صاحبہ کا اتنا دکھ بھرا فلسفہ خطرے کی گھنٹی بجارہا ہے اور وہ بھی چھٹی والے دن۔'' مروان اب مکمل سنجیدہ سا دکھائی دیا۔

''مروان!'' وردہ محض اتنا ہی کہہ پائی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''کیا ہوا وردہ، رو کیوں رہی ہو، تمہاری نانی جان تو ٹھیک ہیں۔'' مروان نے اسے یوں بے تحاشہ روتے ہوئے دیکھا تو پریشان ہوا تھا۔

''نانی جان تو ٹھیک ہیں مگر۔'' وردہ بدستور روتے ہوئے بمشکل بولی۔

''تو پھر کیا ہو گیا ہے جو اس قدر روئے جا رہی ہو، تمہاری نانی جان کا تو بچ بچاؤ ہو گیا مگر تمہاری اتنی گریہ زاری دیکھ کر لگتا ہے میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔'' مروان وردہ کے وجہ بتائے

مکمل ناول

بغیر رونے پر چڑ سا گیا۔

''مروان، میری فرینڈ کی امی آئی سی یو میں ہیں، وہ وہاں تنہا بہت پریشان ہے، پلیز مجھے ہاسپٹل چھوڑ آئیں۔'' وردہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''انہیں بھی لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے آج چھٹی کا دن ہی ملا تھا، بندہ کوئی ورکنگ ڈے رکھ لیتا ہے۔'' مروان چھٹی کا مزہ کرکرا ہونے پر بدمزہ ہوتے ہوئے بستر سے اتر آیا۔

''مروان! وہ میری بیسٹ فرینڈ ہے ماں کے سوا اس کا کوئی نہیں ہے اگر میں اس کی مشکل گھڑی میں کام نہ آسکی تو میں کبھی خود کو معاف نہیں کرسکوں گی۔'' وردہ ہنوز غمزدہ تھی۔

''اچھا بابا! رونا تو بند کرو، جانتی بھی ہو کہ تمہاری آنکھوں میں اک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا۔'' مروان محبت پاش لہجے میں بولتا ہوا اسے تسلی دینے لگا۔

وردہ جانتی تھی کہ مروان اس سے کس قدر محبت کرتا تھا اس کی ذرا سی تکلیف پہ تڑپ جایا کرتا تھا، شادی کے تین سال بعد بھی وہ وردہ کے یوں ناز نخرے اٹھاتا جیسے وہ نئی نویلی دلہن ہو، وردہ اپنی قسمت پر رشک کرتی تھی کہ آج کے دور میں جب ہر دوسری عورت مرد کی بے وفائی کا رونا رو رہی ہے، وہاں مروان کی محبت خدا کی طرف سے خاص نعمت تھی۔

☆☆☆

مروان اسے ہاسپٹل چھوڑ کر واپس گھر چلا گیا تھا، وردہ بھیگی نگاہوں سے مناہل کو ڈھونڈ رہی تھی، ایک کونے میں روتی بلکتی مناہل نظر آئی تو وردہ اس کی جانب لپکی۔

''مناہل! آنٹی کیسی ہیں اب، ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں۔'' وردہ بے تابی سے بولی، مناہل بس روتی جا رہی تھی، اس سے پہلے کہ مناہل کچھ بول پاتی، ڈاکٹر ان کی جانب آتا دکھائی دیا۔

''ڈاکٹر صاحب! سب ٹھیک تو ہے؟'' وردہ جلدی سے بولی۔

''آئی ایم سوری، ہم مریض کو نہیں بچا سکے۔'' الفاظ تھے کہ دھماکہ تھے کہ مناہل کی دنیا تاریک کر گئے ممتا کا سورج ڈوب گیا، ہر طرف تیرگی چھا گئی راستے گم ہو گئے ہر آنکھ اجنبی سی ہو گئی، مناہل کی آہیں اور سسکیاں ہاسپٹل کے در و بام ہلانے لگے، وردہ کا دل غم سے پھٹا جا رہا تھا، وہ مناہل کو سینے سے لگائے حوصلہ دینے کی ناکام سعی کرنے لگی، اتنا قیمتی رشتہ منوں مٹی تلے چلا گیا تھا اب مناہل کہاں سے حوصلہ لاتی۔

''خود کو سنبھالو مناہل، تمہیں ہمت سے کام لینا ہے، خود کو اکیلا نہ سمجھو میں زندگی کے ہر موڑ پر تمہارا ساتھ دوں گی۔'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر بمشکل وردہ کے منہ سے نکلے تھے، مناہل غم سے نڈھال تھی اور وردہ اس کے غم میں نڈھال تھی مستقبل کا بھیانک نقشہ آنکھوں کے سامنے وحشیانہ رقص کر رہا تھا، ایک جوان لڑکی کا یوں تنہا زندگی گزارنا کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔

☆☆☆

رات اپنی سیاہ چادر میں کائنات کو چھپانے لگی، وحشت و سوگواریت بڑھنے لگی تو وردہ کی آنکھوں سے بھی نیند غائب ہونے لگی، چاندنی چھن چھن کرتی کھڑکی سے اندر آ رہی تھی، وہ بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے مناہل کے بارے میں سوچ رہی تھی وردہ کا دل لہولہان ہو رہا تھا، اس نے آنکھیں بند کر لیں تو یاد ماضی مثل مگس کے اس کے اردگرد بھنبھنانے لگی جوں جوں آواز بڑھنے لگی تو بے چینی میں بھی اضافہ ہونے لگا، اس نے بے قرار سا ہو کر ماضی کے دروازوں کو

کھول دیا اور دوڑ کر اندر داخل ہو گئی، تا حد نگاہ سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیا۔

وہ ڈری سہمی تنہا لان میں کھڑی تھی، کالج کا پہلا دن تھا ہلا گلا گہما گہمی اپنے عروج پر تھی، سینئرز کی نیو کمر کے ساتھ چھیڑ چھاڑ جاری تھی، کہیں یونیفارم پہ نیلی روشنائی گرائی جاتی و کہیں ٹھنڈے پانی کی شرارت، کہیں کوئی غلط گائیڈ کرتے ہوئے کلاس روم کی بجائے واش روم پہنچا دیا جاتا تو عقب سے کتنے ہی قہقہے اور نعرے بلند ہوتے۔

''الو بنایا، الو بنایا۔'' اور الو بننے والا شرمندہ سا ہو جاتا، شوخی و شرارت تو ینگ جنریشن کا خاصہ ہوتی ہے اگر وہ یہ نہ کریں تو انہیں نئی نسل کون کہے گا۔

وہ ڈری سہمی درخت تلے سنگی بینچ پہ بیٹھی تھی مگر ایک ٹولے کے ہتھے چڑھ ہی گئی، یونیفارم نیل و نیل ہو چکا تھا، اس کا بیگ درخت کی اونچی شاخ پہ بندھا تھا کہ وہ پکڑ بھی نہیں سکتی تھی بے بسی کے احساس نے اس کی آنکھوں کو نم کر دیا تو وہ چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''شرم آنی چاہیے آپ لوگوں کو، ہلکی پھلکی شرارت کے بجائے آپ حد سے گزر رہے ہیں میں آپ لوگوں کی شکایت ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کو کروں گی۔'' وہ جو کوئی بھی تھی بے حد حسین اور دلکش آواز کی مالک تھی اس کے گرجتے برسنے پر وہ ٹولہ سوری کہہ کر غائب ہو چکا تھا۔

وردہ اس اجنبی لڑکی کو ہنوز حیرت سے دیکھے جا رہی تھی قدرت کے صناعی کا حسین شاہکار تھی وہ سرخ و سفید رنگت یاقوتی لب، ستارہ آنکھیں، ناگن جیسی موٹی چوٹی جو سفید یونیفارم میں بے حد نمایاں ہو رہی تھی۔

''Now are you ok?'' وہ اجنبی لڑکی میٹھے لہجے میں بولی۔

''فائن!'' وردہ نے آنسو پونچھے۔

وردہ دل ہی دل میں اس کی خاص مشکور ہو رہی تھی مگر تھینک یو نہ بول پائی۔

''مذاق کرنے کی بھی کوئی لمٹ ہوتی ہے یہ نہیں کہ ہر حد پار کر لی جائے۔'' وہ لڑکی کرسی پہ چڑھ کر وردہ کا بیگ اتارتے ہوئے بڑبڑائی، چند لمحوں کی تگ و دو کے بعد وہ بیگ اتارنے میں کامیاب ہو گئی۔

''اس بے چارے کو خواہ مخواہ ہی پھانسی دے رکھی تھی۔'' اس نے بیگ وردہ کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تھینک...... یو!'' وردہ بمشکل کہہ پائی۔

''My dear friend no say thanks۔'' وہ اپنائیت سے کہتی ہوئی اس کے پاس بیٹھ گئی۔

''اوہ...... آپ کا تو یونیفارم بھی سارا خراب ہو گیا ہے انک کے داغ تو آسانی سے نہیں چھوٹتے کیا آپ کے پاس دوسرا یونیفارم ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی، وردہ نے نظریں جھکاتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

نانی جان نے بہت مشکلوں سے پیسے جمع کر کے بنوایا تھا ورنہ ممانی جان نے تو اس کا قتل کر دینا تھا، اب نانی جان دیکھیں گی تو بہت پریشان ہوں گی، دل ہی دل میں سوچتی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''Oh very sad۔'' وہ لڑکی افسوس سے بولی۔

''تمہارا نام کیا ہے؟'' وہ لڑکی اچانک بولی۔

''وردہ آصف!'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میرا نام مناہل عرفان ہے۔'' وہ دوستانہ مسکراہٹ بولی اور اپنا ہاتھ وردہ کی جانب بڑھا

دیا، وردہ شرمندہ سی ہوگئی کہ اپنی محسن کا نام بھی پوچھ نہ سکی تھی۔
"Don,t you worry about your uniform i have an idea please come with me۔" وہ وردہ کو تسلی دیتے ہوئے بولی، کالج کی کینٹین پہ پہنچ کر اس نے پیسے نکالے اور ادا کر کے وردہ کے پاس آ کر بولی۔
"Your new uniform۔" وہ محبت سے بولی، تو وردہ پیکٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔
"نہیں نہیں...... میں یہ نہیں لے سکتی۔" وردہ نے انکار کیا، اپنی عزت کا احساس ایکدم ہی بڑھ گیا تھا۔
"لیکن وردہ کیوں؟" مناہل حیران ہوئی۔
"نانی جان غصہ ہوں گی کہ میں نے ایک اجنبی لڑکی سے کیوں مدد لی۔" وردہ شرمندگی سے بولی۔
"ارے...... نانی جان کو تم پر نہیں ان بدتمیز لڑکیوں پر غصہ ہونا چاہیے جنہوں نے تمہارا یونیفارم برباد کر ڈالا۔" مناہل مسکراتے ہوئے بولی، مسکراتے ہوئے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، اس کے مزاج میں ذرا بھی بناوٹ اور غرور نہ تھا۔
"ارے رکھ لو دوستی کا پہلا تحفہ سمجھ کر۔" مناہل نے زبردستی پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھمایا تھا وہ انکار نہ کر سکی۔
"اچھا کچھ کھاتے ہیں بھوک سے پیٹ میں چوہے "لیفٹ رائیٹ" کر رہے ہیں۔" وہ اپنائیت بھری مسکراہٹ سے بولی۔
وردہ اس کے پر انداز پر حیران سی ہوتی رہی، آج کل کے دور میں کم لوگ ہوتے ہیں اتنے مخلص اور ہمدرد۔
"تھینک یو مناہل!" وردہ دل کی گہرائیوں سے بولی۔
"پاگل لڑکی تمہارے تھینک یو کے چکر میں یہ چائے اور سموسے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" مناہل نے اس کی توجہ دلائی۔

☆☆☆

نانی جان نے وردہ کا یونیفارم دیکھا تو سر پکڑ لیا، پھر وردہ کے تمام قصہ بتانے پر وہ ناراض ہونے لگیں۔
"تمہیں اس لڑکی کا احسان نہیں لینا چاہیے۔" نانی جان جو بے حد خود دار طبیعت کی مالک تھیں اور وردہ کو بھی اسی کا درس دیتی تھیں۔
"نانی جان میں نے بہت منع کیا مگر اس نے کہا کہ دوستی کا پہلا تحفہ سمجھ کر رکھ لو میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔" وردہ آئینے کے سامنے کھڑی یونیفارم کا سائز چیک کرتے ہوئے بولی۔
"وردہ دوستی ہمیشہ اپنے برابر کے لوگوں سے کرنی چاہیے وہ کھاتے پیتے گھرانے کی بچی لگتی ہے، جو یوں کھڑے کھڑے تمہیں یونیفارم لے دیا۔" نانی جان ہنوز فکرمند تھیں۔
"نانی جان وہ بہت اچھی ہے۔" وردہ تو مناہل کی دیوانی ہو رہی تھی۔
"تم کل اس کو یونیفارم کے پیسے ادا کرو گی۔" نانی جان نے پان دان کے نیچے چھپے ہوئے نوٹ نکالے تو وردہ انکار نہ کر سکی۔
"وردہ میں نے تم پر کوئی احسان تو نہیں کیا تمہیں گفٹ دیا تھا، کیا گفٹ کے بدلے میں دوست کو اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔" مناہل دکھ بھرے لہجے میں بولی۔
"سوری مناہل! مجھے نانی جان نے کہا تھا ایسا کرنے کو۔" مناہل کا اداس چہرہ دیکھ کر وردہ کا

دل بوجھل سا ہونے لگا۔

''ٹھیک ہے تم ان پیسوں کو اپنے پاس رکھ لو میری امانت سمجھ کر، اگر کبھی مجھے ضرورت پڑی تو میں تم سے خود مانگ لوں گی، اب تو ٹھیک ہے نا۔'' مناہل نے ایک بار پھر فیاضی دیکھائی تو وردہ دنگ رہ گئی۔

سمندر سے بھی بڑا دل تھا اس کا، ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ وہ باطنی حسن کی بھی مالک تھی وردہ تو اس کی خوبیوں کی گرویدہ ہوگئی، ہر پل ہر لمحے وہ مناہل کے ہی گن گانے لگی، نانی جان کے سامنے اس کی تعریفوں کے پل باندھتی رہتی، مناہل بھی اس کے ساتھ محبت اور بھلائی میں مگن رہتی کبھی اس کی فیس جمع کروا دیتی تو کبھی کوئی ضروری بک لے دیتی، اس کی اسائنمنٹ بنا کر دے دیتی غیر حاضری میں اس کی درخواست دے دیتی، دونوں کی دوستی دن بدن گہری ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

مناہل کو ڈاکٹر بننے کا شوق تھا اسی لئے اس نے ایف ایس سی کا انتخاب کیا تھا اور وردہ کو لیکچرار بننے کا شوق انگلش لٹریچر کی طرف لے آیا، مناہل جہاں خوبصورت تھی وہاں بے حد ذہین بھی تھی، ہر وقت کتابی کیڑا بنی رہتی، پارٹ فرسٹ میں اس نے صوبے بھر میں ٹاپ کیا تو پورے کالج میں اس کی قابلیت کی دھوم مچ گئی، یہ پہلا موقع تھا کہ وردہ کے دل میں اس کے لئے حسد پیدا ہوا، کیونکہ وردہ کے مارکس انتہائی کم تھے جس کا اسے شدید ملال تھا، پہلی بار اس نے سوچا کہ مناہل کو دنیا کی ہر نعمت حاصل ہے دولت، حسن، قابلیت اور محبت وستائش یہ وہ باتیں تھیں جن سے وردہ کے دل و دماغ میں منفی جذبات پیدا ہونے لگے، کلاس کی کچھ باقی لڑکیاں بھی وردہ کی ہم خیال تھیں انہیں بھی مناہل کی خوبیوں پر جلن کا احساس ہوتا۔

وردہ رفتہ رفتہ مناہل سے دور ہونے لگی، مگر یہ تبدیلی مناہل کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی، مناہل اس کی دوری کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتی مگر وردہ کچھ نہ بتاتی۔

''وردہ! تم نے جن لڑکیوں سے دوستی کر رکھی ہے وہ کالج میں کوئی اچھا امیج نہیں رکھتی اور ان کے ساتھ وقت گزاری تمہاری تعلیم کو متاثر کرے گی۔'' مناہل ناصحانہ انداز میں کہتی۔

''مناہل تمہیں تو اپنے علاوہ کوئی اچھا نہیں لگتا، بس دنیا کی ساری خوبیاں صرف تمہارے اندر ہیں، باقی لوگ تو تمہارے آگے گندگی کا ڈھیر ہیں۔'' وردہ تنفر سے کہتی تو مناہل حیران رہ جاتی۔

وہ وردہ کی بھلائی چاہتی تھی اسی لئے ہر پل اس کے لئے اچھا سوچتی، مگر وردہ کیسے بتاتی کہ حسد کے جذبے نے اس کو اندھا کر دیا ہے اب مناہل کی ہر خوبی صرف برائی نظر آتی ہے، نانی جان وردہ کی تبدیلی کے بارے میں پوچھتی تو وردہ پروں پر پانی نہ پڑنے دیتی، وہ کیا بتاتی کیونکہ چور تو اس کے دل میں تھا وہ نانی کو کیسے بتاتی کہ وہ مناہل سے حسد کرنے لگی ہے، اب وہ پہلے کی طرح مناہل کے گن بھی نہ گاتی نہ ہی اس کے لئے اپنی پاکٹ منی بچا کر رکھتی۔

''اچھی خاصی کھاتی پیتی ہے اسے کس چیز کی کمی ہے جو میں اس پر کچھ لٹاؤں۔'' وہ تنفر سے سوچتی اور اس لمحے میں وہ مناہل کے ہر احسان کو فراموش کر دیتی۔

''ارے بیٹا! خلیفہ چہارم فرماتے ہیں کہ انسان کی ساٹھ سالہ زندگی میں اگر ایک دوست بھی مل جائے تو وہ اس کی پوری زندگی کے لئے کافی ہوتا ہے، بجائے کہ بے فیض دوستوں کا

ٹوکرا بھرا ہوا اور مشکل کے وقت کوئی بھی کام نہ آئے۔'' نانی جان اکثر اسے سمجھاتی تو وہ جل کڑھ کر رہ جاتی، اب اسے کسی کے منہ سے مناہل کی حمایت اچھی نہ لگتی تھی، موسم نے پلٹا کھایا تو گرمی کی شدت نے دم توڑا اور خنکی و ٹھنڈک حاوی ہونے لگی، موسم کی تبدیلی کے باعث وردہ کو بخار نے آلیا، طبیعت کی خرابی کے باعث وہ ہفتہ بھر کالج نہ جاسکی، اس دوران مناہل کے متعدد بار میسجز اور فون کال آتیں مگر حسد کی ماری وردہ کوئی جواب نہ دیتی، کافی دنوں کے بعد وہ کالج پہنچی تو نوٹس بورڈ پر لگی خبر پڑھ کر اس کے پیروں تلے زمین ہی نکل گئی۔

''آج فیس جمع کروانے کی آخری ڈیٹ ہے اور مجھے کسی نے اطلاع تک نہ دی۔'' وردہ روہانسی ہوگئی۔

''یہ لو تمہاری فیس سلپ۔'' وردہ جو اپنی پریشانی کی کڑی دھوپ میں جل رہی تھی کہ کسی مہربان دوست نے ٹھنڈی چھاؤں میں لا کھڑا کیا۔

''میں نے تمہاری فیس جمع کروادی ہے۔'' مناہل کے چہرے پہ وہی مہربان مسکراہٹ تھی، وردہ کو ڈھیروں شرمندگی نے گھیر لیا، اس کے پاس شکریہ کہنے کو بھی الفاظ نہیں تھے حسد کے جذبے پہ ندامت کے آنسو گرے تو آئینہ دل کا سارا زنگ اترنے لگا۔

''تھینک یو مناہل!'' وردہ آہستگی سے بولی۔

''کوئی ضرورت نہیں اس تھینک یو کی۔'' مناہل مسکرائی۔

''مناہل میں تمہارا احسان کبھی نہیں اتار سکتی۔'' وردہ ممنونیت سے بولی۔

''اتار سکتی ہو، صرف ایک پیاری سی مسکراہٹ دے کر۔'' مناہل شوخی سے بولی، مناہل جانے کے لئے پلٹی تو وردہ نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا، مناہل اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی، وردہ کا پچھلے دنوں کا رویہ اسے ہرٹ کر چکا تھا۔

''مناہل مجھے معاف کر دو، میں نے تمہارے خلوص کی قدر نہیں کی بلکہ تمہارے بارے میں منفی انداز میں سوچا، میں بہت شرمندہ ہوں۔'' وردہ دیر تک اس کے ساتھ لگی آنسو بہاتی رہی اپنی غلطیوں کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور آئندہ کے لئے عزم باندھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے دوستی کے انمول رشتے کو کبھی بے مول نہیں ہونے دے گی۔

☆☆☆

دل صاف ہوا تو وردہ کا دل مناہل کا پہلے کی طرح گرویدہ ہونے لگا، مناہل کی سحر انگیز شخصیت پھر سے جادو جگانے لگی۔

''مناہل میری دعا ہے کہ ہم زندگی بھر ساتھ رہیں اور کبھی جدا نہ ہوں۔'' وردہ نے شدت سے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو مناہل کے چہرے پہ حسین مسکراہٹ بکھر گئی۔

وردہ نے آسمان کی جانب نگاہ کی جہاں کچھ دیر پہلے کالی بدلیوں نے بارش برسائی تھی اب کہیں کہیں نرم چمکیلی دھوپ پاؤں میں گھنگھرو باندھ کر ناچنے لگی، چند لمحوں بعد پھر سے پھوار پڑنے لگی۔

''تم جانتی ہو مناہل! جب دھوپ میں پھوار پڑ رہی ہو تو جو دعا کرو قبول ہوتی ہے۔'' وردہ بولی۔

''اچھا...... واقعی۔'' مناہل کے لہجے میں لاعلمی کا اظہار تھا۔

''ہاں سچ میں، سرورِ کون و مکان حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی قبولیت کے اوقات میں سے ایک ذکر اس گھڑی کا بھی کیا ہے۔" وردہ نے کہتے ہوئے سر پہ دوپٹہ رکھا اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگی، اس دوران اس کی نگاہ مناہل پہ پڑی جو سفید دوپٹہ اوڑھے آنکھیں بند کیے دعا مانگ رہی تھی اس کے چہرے پہ بے حد تقدس تھا گلابی لب آہستگی سے لرز رہے تھے۔

"کیا دعا مانگی؟" وردہ تجسس سے بولی۔

"کیوں بتاؤں، ماما کہتی ہیں کہ دعائیں بتا دینے سے قبول نہیں ہوتی۔" مناہل نے مسکراتے ہوئے اپنی دعاؤں کو صیغہ راز میں رکھا۔

"بھئی میں تو یقین نہیں رکھتی اس بات پہ، تمہیں پتا ہے مناہل میں نے کیا دعا مانگی؟" وردہ کی آنکھوں میں انوکھی چمک تھی۔

"کیا دعا مانگی؟" مناہل پوچھنے لگی۔

"میں نے دعا کی ہے کہ میں اور مناہل کبھی جدا نہ ہوں، بلکہ ہم دونوں کی شادی بھی ایک بندے سے ہو۔" وردہ نے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"وردہ تم بالکل پاگل ہو، سیانے کہتے ہیں کہ ایسی دعائیں ہرگز نہیں مانگنی چاہیے کہ جو کسی آزمائش کو دعوت دیتی ہوں اور جب وہ آزمائش انسان پہ آن پڑے تو انسان بوکھلا کر اللہ سے شکوے شکایت کر بیٹھے۔" مناہل کے لہجے میں فکر مندی نمایاں تھی۔

"بس اب تو کر دی میں نے دعا جو مجھے ٹھیک لگی، اس میں آزمائش والی کون سی بات ہے میری جان ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔" وردہ نے کہتے ہوئے اسے بانہوں میں لے کر شدت سے بھینچ لیا۔

☆☆☆

وہ اکثر بیشتر وردہ قبولیت کے مختلف اوقات میں یہی دعا کرنے لگی، یہ دعا اس کے حواسوں پہ کسی آسیب کی طرح چھا گئی تھی، کبھی مرغ کی اذان سن کر تو کبھی رات اور دن مل رہے ہوتے وہ یہی دعا کرتی، نانی جان اکثر اسے ٹوکتی مگر وہ باز نہ آتی اسے لگتا کہ مناہل کی دوستی اس کے لئے خدا کی طرف سے انمول تحفہ ہے بہت کم خوش نصیب لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں مخلص اور اچھا دوست نصیب ہوتا ہے۔

"وردہ تو بالکل باؤلی ہوگئی ہے کبھی اس سے نفرت میں انتہا کو پہنچ گئی ہے اور اب محبت و دوستی میں جنونی ہونے لگی ہے۔" تسبیح کے دانے گراتے ہوئے نانی جان نے ناقدانہ انداز سے کہا۔

"نانی جان محبت پہ کسی کا اختیار نہیں ہوتا، یہ تو اللہ کی طرف سے دلوں میں اتاری جاتی ہے، ویسے بھی اچھا انسان توجہ اور محبت خود بخود حاصل کر لیتا ہے وہ مجھے دنیا میں بہت عزیز ہے، اسے نہ دیکھوں تو اداسی ہونے لگتی ہے بس اسی لئے دعا کرتی ہوں کہ ہم دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں اور کبھی جدا نہ ہوں۔" جوش محبت میں اس کا لہجہ بھیگنے لگا۔

"وردہ تیری تو منطق ہی نرالی ہے جوان جہان اپنے منہ سے اپنی شادی کا ذکر کرتے ہوئے کتنی بے شرم لگتی ہے اور اوپر سے یہ دعا کہ میری سہیلی میری سوتن بنے۔" نانی جان خوفزدہ ہو کر کانوں کو ہاتھ لگاتیں جیسے وردہ نے کوئی کفریہ کلمہ منہ سے ادا کر دیا ہو مگر وردہ کو اپنے الفاظ کی سنگینی کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔

☆☆☆

وقت حکم ربی کی منشاء کے مطابق چل رہا تھا، وقت کے ساتھ دوستی کا یہ جذبہ بڑھتا گیا، کالج کا دور ختم ہوا تو وردہ یونیورسٹی پہنچ گئی اور مناہل میڈیکل کی سٹوڈنٹ بن گئی۔

مناہل اب بھی اس کی کوئی نہ کوئی مدد کرتی رہتی تو نانی جان کے دل سے ڈھیروں دعائیں نکلتیں، وردہ دل ہی دل میں اس کی احسان مند ہونے کے ساتھ ساتھ عزم باندھتی کہ وہ بھی ان احسانوں کا بدلہ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پہ ضرور دے گی، وقت نے پلٹا کھایا تو مناہل کے والد کو شدید بیماری نے اپنے بے رحم پنجوں میں دبوچ لیا، اس افتاد ناگہانی پہ مناہل نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر تقدیر نے اس کی ہر تدبیر الٹ کر رکھ دی، وہ اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت کرنے پر مجبور ہوگئی، پھر مناہل حالات کے بھنور میں پھنستی چلی گئی، وردہ کی زندگی میں مروان ٹھنڈی ہوا کا خوشگوار جھونکا بن کر داخل ہوا، وہ زندگی کے سفر پر مروان کے سنگ سنگ چلنے لگی، مگر دونوں کی دوستی میں کوئی کمی نہ آئی تھی، پے در پے صدمات کی وجہ سے مناہل کی والدہ بیمار رہنے لگیں، شدید حالت میں ہوسپٹل میں ایڈمٹ کروانے کی وجہ سے وہ وردہ کی شادی میں بھی شریک نہیں ہوسکی تھی، جس کا اسے بے حد قلق تھا۔

☆☆☆

دور مساجد سے اذان سحر بلند ہوئی تو یاد ماضی تھک ہار کر رخصت ہونے لگی، دکھ کے مارے اسے یہ بھی احساس نہ ہوسکا کہ وہ پل بھر کے لئے بھی سو نہ پائی تھی، وضو کر کے خدا کے حضور سجدہ ریز ہوگئی، مناہل کے دکھ و تکالیف دیر تک اس کے آنچل کو بھگوتے رہے۔

''یا اللہ مناہل زندگی کے ہر موڑ پر میرے کام آئی ہے اب مجھے توفیق دے کہ میں اس کا سہارا بنوں۔'' اس نے لرزتے لبوں یہ دعائیں مانگی تھیں۔

''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری، کیا رات بھر جاگتی رہی ہو؟'' ناشتے کی ٹیبل پہ مروان کی نظر وردہ کے ستے ہوئے چہرے پر پڑی تو متورم آنکھیں رت جگے کا فسانہ سنانے لگیں۔

''مروان میں اپنی دوست مناہل کی وجہ سے پریشان ہوں اسی لئے سو نہیں پائی۔'' وردہ دلگرفتگی سے بولی۔

''پھر وہی مناہل نامہ، بھئی میں تو آفس چلا۔'' مروان کو مناہل کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، مروان اپنا والٹ اور گاڑی کی چابی پکڑ کر جانے لگا۔

''مروان! آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' وردہ ہچکچا کر بولی۔

''ہاں بولو، اس میں اتنا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔'' مروان نے کہتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مروان آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟'' وردہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

''وردہ! کیا بات ہے؟'' مروان کے لہجے میں اب کی بار تشویش تھی۔

''مروان! اگر آپ اجازت دیں تو میں مناہل کو اپنے گھر لے آؤں۔'' وردہ ڈرتے ہوئے بولی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا وردہ، جانتے ہوئے بھی کہ میں تمہارے معاملے کتنا پوزیسو ہوں پھر بھی تم نے ایسا سوچا، ہماری اپنی لائف کتنی ڈسٹرب ہوگی، تمہارے لئے الگ گھر لیا تاکہ کوئی بھی ہماری پراویسی میں مخل نہ ہو اور تم ایک دوست کی خاطر اتنی جذباتی ہو رہی ہو۔'' مروان بھڑک اٹھا۔

''مروان! میں آپ کے جذبات سے واقف ہوں، مگر مناہل کو اس وقت میری ضرورت ہے، ایک غیر شادی شدہ لڑکی کا تنہا اس

معاشرے میں رہنا کس قدر مشکل ہے۔'' وردہ کا لہجہ بھیگنے لگا۔

''وردہ مجھ سے اس معاملے میں بحث مت کرو۔'' مروان نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا، اپنے والٹ سے کچھ رقم نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

''یہ لو، اپنی دوست کی مدد کر دینا مگر میرے گھر لانے کی بات نہ کرنا۔'' مروان نے کہتے ہوئے ایک تلخ نگاہ وردہ کے اداس چہرے پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔

مروان کے جاتے ہی وردہ ضبط نہ کر سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی، مرد کس قدر آزاد اور خود مختار ہوتے ہیں جو دل چاہتا ہے کرتے ہیں مگر عورت اگر خود سے کوئی کام کرے یا سوچ بھی لے تو مرد اسے بے وقوفانہ جذباتی اور ناسمجھ قرار دے دیتا ہے، اپنا دل چاہے تو والدین سے الگ ہو کر بھی رہ لیتے ہیں مگر یہی مطالبہ عورت کرے کہ وہ الگ گھر میں رہنا چاہتی ہے تو اسے فوراً جہنمی ہونے کا طعنہ مل جاتا ہے۔

وردہ کا دل غم سے بوجھل ہوا جا رہا تھا، چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا، وہ دوست جو زندگی کے ہر موڑ پر کام آئی آج وہ خود بے سہارا تھی، وردہ اسے سہارا دینا چاہتی تھی، مگر مروان کی ضد کے آگے مجبور و بے بس ہو گئی تھی، اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا، مناہل کے لئے محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

''نانی جان پلیز میری خاطر مناہل کو اپنی چھت تلے پناہ دے دیں، وہ بہت ضرورت مند ہے۔'' وردہ کو اپنی نانی کا ہی خیال آیا تھا۔

''بیٹا مجھے کوئی اعتراض نہیں، اس کے احسانات میں کیسے بھول سکتی ہوں، کتنی بار تمہارا تعلیمی سلسلہ ٹوٹنے سے بچایا، چوری چھپے تمہاری فیس ادا کرتی تھی آج معاشرے میں تمہارا جو نام و مقام ہے اسی کی بدولت ہے، مجھے خوشی ہے کہ ہم بھی اس کے کسی کام آئیں، بس تمہاری ممانی کا مسئلہ ہے اس کی فطرت تو تم جانتی ہو وہ تو میرا وجود نہ جانے کیسے برداشت کرتی ہے۔'' نانی جان کے لہجے میں افسردگی تھی۔

''نانی جان! وہ آپ لوگوں پر بالکل بوجھ نہیں بنے گی وہ بہت خوددار لڑکی ہے، وہ جاب کرتی ہے اپنا بوجھ خود اٹھا سکتی ہے بس والدین کی وفات کے بعد اکیلی رہ گئی ہے عزیز رشتے داروں نے منہ پھیر لیا ہے وہ کیسے تنہا اس معاشرے میں زندگی گزارے جہاں درندے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔'' وردہ بھیگے لہجے میں بولی۔

''وردہ تمہارا اپنا گھر ہے اتنا ہی نیکی کرنے کا جوش چڑھ رہا ہے تو اپنی دوست کو اپنے گھر میں پناہ دے دو ہم نے کوئی دار الامان کھول رکھا ہے۔'' عظمیٰ جو کافی دیر سے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں بھڑک کر بولیں۔

''ممانی جان! یہی تو سارا مسئلہ ہے مروان بالکل نہیں مان رہے ایک جوان جہان لڑکی کو اپنے گھر میں رکھنے کو ورنہ آپ لوگوں کو تکلیف نہ دیتی میں نے تو اپنی تعلیم کے سلسلے میں بھی کبھی آپ لوگوں کو کوئی زحمت نہیں دی۔'' وردہ بولی۔

''ہاں جی، یہ طعنہ تو ہمیں قبر تک ملے گا، بی بی پڑھنے کا جنون بھی تمہارا تھا تو پاپڑ بھی تو خود ہی بیلنے تھے ہم سے کیوں شکایتیں کی جا رہی ہیں۔'' عظمیٰ بیگم کو سچ کڑوا لگا تو سلگ کر رہ گئیں۔

''ممانی جان! وہ آپ کو کرایہ ادا کر دیا کرے گی، بس وہ یہاں رہے گی تو مجھے اطمینان رہے گا کہ وہ محفوظ ہے یہاں، آپ کو اس کے آنے سے فائدہ ہی ہو گا، پلیز ممانی جان میں

نے آپ لوگوں سے کبھی کچھ نہیں مانگا، یہ پہلی اور آخری خواہش پوری کر دیں پھر تنگ نہیں کروں گی۔" وردہ انتہائی عاجزی سے بولی کہ نانی جان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"اری عظمٰی کیوں ظالم فرعون بنی ہوئی ہے، اتنی پتھر دل نہ بن، کبھی تجھے خدا نے بیٹی جیسی رحمت سے محروم رکھا ہے۔" نانی جان وردہ کی حمایت میں بولیں، آخر عظمٰی بیگم مان ہی گئی، تھوڑی بہت رقم ہاتھ آنے کی بھی خوشی ہو رہی تھی۔

مناہل کو عظمٰی بیگم کے گھر چھوڑ کر وردہ پر سکون ہو گئی تھی، مناہل وردہ کی احسان مند تھی، اپنوں کے بغیر زندگی کتنی دشوار ہو جاتی ہے، یہ حقیقت اب اس پر آشکار ہوئی تھی، وہ جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی تھی خوب ناز و نعم سے پلی تھی، زندگی کی تلخیوں سے ناواقف تھی، دو انمول رشتے قبر میں جا سوئے تو وہ گویا عرش سے فرش پہ آ گئی، ساری زندگی جن رشتے داروں کو نوازا تھا، وہ منہ پھیر کر چلے گئے، خون کے رشتوں پہ سے اعتبار اٹھ چکا تھا، مشکل میں صرف وردہ کام آئی تھی، جس سے دوستی کا رشتہ تھا جو خون کے رشتوں سے بڑھ کر تھا، وردہ کے ساتھ کی گئی ہر بھلائی اس کے کام آ گئی تھی، اسے وردہ کی محبت پہ ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے تمہارا موڈ ابھی تک آف ہے؟" مروان پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"نہیں۔" وردہ نے جواب دیتے ہوئے کروٹ بدل لی۔

"مگر میرا دل تو یہی بتا رہا ہے کہ مروان تمہارے دل کا مکین یعنی ملکہ عالیہ وردہ مروان تم سے خفا ہیں۔" مروان نے اس کو بازو سے تھام کر رخ اپنی جانب کرتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"مروان مجھے نیند آ رہی ہے، صبح کالج جانا ہے مجھے سونے دیں۔" وردہ ہنوز ناراضگی سے بولی۔

"مجھے آئیڈیا ہے وردہ کہ تمہاری دوست کے معاملے میں خاصا روڈ ہو گیا تھا مگر تم اسے میری محبت کی شدت سمجھو کہ تم مجھ سے زیادہ اسے توجہ دے رہی ہو، میں جیلس فیل کرنے لگا ہوں اس ان دیکھی لڑکی سے۔" مروان نے اس کا رخ اپنی جانب کرتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

وردہ اس کی شدتوں سے واقف تھی یونیورسٹی سے لے کر اب تک مروان کی محبت ویسی کی ویسی تھی، وہ اپنی قسمت پہ نازاں تھی کہ کوئی اسے اتنی شدتوں سے چاہتا ہے۔

"مروان! میری دوست مصیبت میں تھی اگر آپ تھوڑا دل بڑا کر لیتے تو مجھے یہ دکھ اور اذیت نہ ہوتی۔" اس نے شکوہ کناں آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"وردہ! یعنی تم دنیا میں سب سے زیادہ اسی سے محبت کرتی ہو۔" مروان مصنوعی خفگی سے بولا۔

"مروان! آپ بیکار میں اس بے چاری سے جیلس ہو رہے ہیں، وہ میری دوست ہے میری محسن، آپ میری محبت ہیں میرے شوہر ہیں، آپ کی محبت ہر محبت پہ حاوی ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ نانی جان کے بعد میری دوست دنیا میں میرے لئے بہت خاص ہے وہ میری دوست ہی نہیں میری بہن بھی ہے، آج میں جو کچھ بھی ہوں اس کے احسانات کی وجہ سے ہوں خدا نے اسے میرے لئے فرشتہ بنا کر بھیجا تھا۔" وردہ جذب سے بولی۔

''اچھا بابا...... آئندہ تمہاری دوست کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا، تم جو اس کی مدد کرنا چاہو کرو، مگر......'' مروان نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر اپنی پرشوق نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر جما دیں۔

''مگر کیا؟'' وہ حیران ہوئی۔

''مگر یہ کہ اسے گھر لانے کی بات نہ کرنا ورنہ میرا میٹر پھر سے گھوم جائے گا۔'' مروان کے لہجے میں محبت بھری دھونس تھی، وردہ مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

☆☆☆

عظمیٰ بیگم نے مناہل کے وجود کو برداشت تو کر لیا مگر دل میں جگہ نہ دے سکیں، جمیلہ بیگم سے چھپ کر وہ اکثر طنز کے تیر برساتیں۔

''بی بی اتنی مہنگائی کے دور میں تمہیں اپنے گھر میں رکھا ہے، بلوں کو دیکھو آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔'' عظمیٰ بیگم ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ جتاتیں کہ تم کمرے میں پنکھا اور بلب بھی استعمال کرتی ہو، اس کا حساب کب دو گی۔

''عظمیٰ آنٹی میں آپ لوگوں کی بہت احسان مند ہوں کبھی آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف نہیں ہوگی۔'' مناہل نے کہتے ہوئے پانچ ہزار کا نوٹ عظمیٰ بیگم کو پکڑایا تو ان کی باچھیں ہی کھل گئیں۔

''عظمیٰ آنٹی! میری آپ سے ایک گزارش ہے کہ آپ وردہ کے سامنے کبھی کوئی بات نہیں کریں گی۔'' مناہل بولی۔

''کیسی گزارش!'' گول گول آنکھیں گھما کر وہ بولیں۔

''کوئی بھی تلخ بات، جس سے اس کا دل برا ہو، میں چاہتی ہوں کہ وہ مطمئن رہے کہ میں یہاں بہت خوش ہوں۔'' مناہل عاجزی سے بولی۔

''ہاں ہاں بے فکر رہو، تمہارا یہ راز اپنے سینے میں محفوظ رکھوں گی بس تم اپنا کام کرتی جانا اور میں اپنا۔'' عظمیٰ بیگم کے لہجے میں لالچ تھی۔

''اچھا سنو، ایک بات کرنی تھی کہ میں نے کام والی کی چھٹی کروا دی ہے بھئی جب گھر میں جوان جہان لڑکی موجود ہے تو پھر ان کام والیوں کے منہ میں پیسے کیوں دوں، آفس جانے سے پہلے کام کر لیا کرنا اور......'' عظمیٰ بیگم ایکدم چپ ہو گئیں۔

''اور کیا؟'' ان کے انداز پر مناہل دہل سی گئی۔

''اور یہ کہ یہ کمرہ میرے بیٹے عاصم کا ہے جو اگلے ہفتے کینیڈا سے آرہا ہے جب تک وہ نہیں آتا تم یہاں رہ سکتی ہو، بعد میں غور کرنا پڑے گا کہ تمہارا بوریا بستر کہاں لگاؤں؟'' عظمیٰ بیگم ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھ کر یوں بولیں جیسے بہت بڑا مسئلہ درپیش ہو۔

''عظمیٰ آنٹی! آپ بے فکر رہیں، میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، آپ لوگ میرے محسن ہیں۔'' مناہل نے دھیمے سروں میں بات مکمل کی۔

''اچھا بی بی یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ تم کتنا ہمارا احسان یاد رکھتی ہو، ہم نے تو ہمیشہ بھلائی کی ہے مگر ہمیں بھلائی کا بدلہ برائی سے ہی ملا ہے۔'' تنفر سے اسے دیکھتی ہوئی چلی گئیں مگر یہ بھول گئیں کہ ہر چیز کی قیمت وصول کر کے وہ مناہل پر کون سا احسان کر رہی تھیں، مناہل کی حیثیت تو کرائے دار کی تھی جو اپنا کرایہ ادا کر رہی تھی اور یہ احسان تو نہیں تھا سودے بازی تھی۔

☆☆☆

مناہل منہ اندھیرے اٹھ کر گھر کا سارا کام

کرتی، سب کے لئے ناشتہ بناتی اور خود بھوکی آفس کے لئے نکل جاتی۔

''پتہ نہیں، بچی ناشتہ بھی کر کے جاتی ہے یا نہیں؟'' جمیلہ بیگم مناہل پر غور کرتے ہوئے بولیں۔

''اماں! پتہ تو ہے آپ کو آج کی لڑکیوں کو ڈائٹنگ کا بھوت سوار رہتا ہے بس اسی لئے ناشتے سے بھاگتی ہیں، میں تو بہت دفعہ کہتی ہوں کہ ناشتہ کر کے جاؤ مگر یہ لڑکی تو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوتی ہے صبح سویرے۔'' عظمیٰ بیگم ناشتے سے مکمل انصاف کرتے ہوئے بولیں۔

''ایک چائے کا کپ تو تم مجھے صبح کی نماز کے بعد پوچھتی تک نہیں ہو، اس پرائی بچی سے خاک ناشتہ پوچھتی ہو گی۔'' جمیلہ بیگم عظمیٰ کے سفید جھوٹ پر تلملا کر بولیں۔

''اماں بی! آپ کو تو میری ہر عادت بری لگتی ہے ہر بات جھوٹ لگتی ہے بس سارے جہاں کے عیب تو میرے اندر ہی ہیں۔'' عظمیٰ بیگم جو چند ثانیے پہلے ناشتے سے لطف اندوز ہو رہی تھی بدمزہ ہو کر بولیں۔

مناہل کے حوالے سے وردہ اب پرسکون تھی، وہ اکثر اس سے ملنے جاتی اسے تسلی دیتی کوئی نہ کوئی مدد کرتی رہتی، گردش ایام نے زندگی کو کیسے اپنی لپیٹ میں لیا تھا کہ مناہل اور وردہ نے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ اپنے پرائے ہر ایک کو پرکھ لیا تھا مگر برے وقت کے بعد اچھا وقت آتا ہے یہی نظام فطرت ہے۔

''میری جان! کبھی بھی وقت ایک سا نہیں رہتا، تم نے حالات کا مقابلہ ڈٹ کر کرنا ہے میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں خود کو کبھی اکیلا نہ سمجھنا۔'' وردہ خلوص دل سے اپنائیت کا مظاہرہ کرتی تو مناہل کو لگتا کہ تپتے صحرا میں بھٹکتے ہوئے وہ کسی سایہ دار درخت تلے آ گئی ہو، زندگی کے دکھوں میں مخلص دوست ایک سایہ دار درخت کی طرح ہوتا ہے، وردہ کی محبت پہ مناہل کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔

''ارے پگلی! میں تم پر کوئی احسان تو نہیں کر رہی یہ تو تمہاری ان بھلائیوں کا قرض ہے جو تم نے مشکل وقت میں میرے ساتھ کیں، آج میرا فرض ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس قابل کر دیا ہے تو میں اس قرض کو احسن طریقے سے اتاروں۔'' وردہ جانتی تھی کہ حالات نے مناہل کو مجبور کر دیا ورنہ مناہل بے حد خوددار لڑکی تھی۔

''تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟'' وردہ نے مناہل کے بھیگے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''مناہل! ممانی جان کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟'' وردہ بے یقین سی تھی۔

''مجھے یہاں بہت پیار ملا ہے تم بالکل فکر نہ کرو، ویسے بھی تم سب میرے محسن ہو میرے تو اپنے میرے کام نہ آئے مگر یہاں سب بہت اچھے ہیں ویسے بھی وردہ عظمیٰ آنٹی دل کی بہت اچھی ہیں۔'' مناہل نے عظمیٰ بیگم کی بدزبانی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہا، تو وردہ اس کی اعلیٰ ظرفی کی قائل ہو گئی تھی ورنہ وردہ تو خود عظمیٰ ممانی سے ہمیشہ خائف رہی تھی۔

''مناہل میری بات غور سے سنو، اس دنیا میں تمہیں اچھے برے ہر طرح کے لوگ ملیں گے بس ہوشیاری اور سمجھداری سے زندگی کے اس مشکل وقت کو گزارنا ہوگا، آنکھ بند کر کے ہر شخص پہ یقین نہ کر لینا، لڑکی کی عزت کانچ سے بھی زیادہ نازک ہوتی ہے، کسی بھی جگہ غافل نہ رہنا،

اپنا پہرہ تمہیں خود دینا ہے کسی چوکیدار کی طرح، تمہیں یہاں رکھنا میری مجبوری تھی ورنہ عاصم بھائی......!'' وردہ جانے کیا کہنے والی تھی کہ عظمٰی بیگم کی اچانک آمد پر خاموش ہوگئی اور چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجاتے ہوئے موضوع بدلنے میں ہی عافیت جانی مگر مناہل اس کے لفظوں پر گہرائی سے غور کرتی رہی۔

☆☆☆

''وردہ، تمہاری دوست دور رہ کر بھی ہمارے درمیان ہی رہتی ہے، تم مجھے اگنور کرنے لگی ہو، اگر تمہاری وابستگی کا یہی عالم رہا تو پھر میں اپنا دل بہلانے کے لئے کوئی اور راستہ نکال لوں گا پھر کوئی گلہ نہ کرنا۔'' مروان کافی دیر سے وردہ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا گلابی ساڑھی میں ملبوس اس کے چہرے پر اداسی کا راج تھا جو اس بات کا غماز تھا کہ سوچ کا پرندہ کسی اور جہاں محو پرواز ہے۔

''مثلاً، ذرا وضاحت کریں کہ دل بہلانے اور مجھے جلانے کے لئے کس چیز کا سہارا لیں گے۔'' مروان کی بات پر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، آئینے میں دیکھتے ہوئے کاجل لگاتے ہوئے بولی، مروان جو مصنوعی خفگی سے اسے بلیک میل کر رہا تھا، جھیل سی گہری آنکھوں میں ڈوبنے کو بے قرار ہوگیا۔

''مثلاً کسی لڑکی سے افیئر چلاؤں گا۔'' اپنے ڈوبتے وجود کو سنبھالتے ہوئے بظاہر لاپروائی سے بولا۔

''جان لے لوں گی آپ کی بھی اور اس لڑکی کی بھی۔'' ڈریسنگ ٹیبل سے کٹر پکڑ کر جارحانہ تیوروں کے ساتھ مڑی تو مروان قہقہہ لگا کر ہنس پڑا، کافی دنوں کے بعد اس کا محبت سے بھرپور انداز دیکھنے کو ملا تھا ورنہ اسے وہم ہونے لگا تھا کہ وردہ کو اپنی دوست کے علاوہ کسی کی فکر نہیں ہے بس یہی سوچ اس کے اندر چڑچڑاہٹ پیدا کر رہی تھی۔

''تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی ہو وردہ، تمہاری جگہ کوئی اور لے یہ ممکن نہیں ہے۔'' مروان نے نرمی سے اسے بانہوں میں تھامتے ہوئے کہا تو اس کے حسین چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

''دو دن تک میرا پوتا عاصم واپس آجائے گا تو تم میرے ساتھ کمرے میں رہ لیا کرنا، کیونکہ عظمٰی کو تو بس کوئی موقع ملے تو وہ اپنی بدزبانی دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی، اور بدزبان انسان کو تو موقع ہی نہیں دینا چاہیے کہ وہ آپ کے ساتھ بدسلوکی کرے۔'' نانی جان مناہل کو پیار سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

ویسے تو یہاں رہتے ہوئے اس کو ایک ماہ ہوگیا تھا کوئی پریشانی نہ تھی مگر عاصم نام پر اس کی چھٹی حس بیدار ہو جاتی تھی وردہ نے بھی اس کا ادھورا ساذکر کیا تھا۔

''اے اللہ تو ہی میری حفاظت فرمانا۔'' گلابی لبوں پہ دعا تھی۔

دو دن پل بھر کی طرح گزر گئے، مناہل کے ذہن سے عاصم کا خیال ہی نکل گیا تھا، رات کے نا جانے کس پہر اس کے بیڈ پر کوئی دھپ سے بیٹھا تو مناہل ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

''کون؟'' مناہل لرزتی آواز میں بولی۔

اسی وقت اس انجانے وجود نے کمرے کی لائٹ آن کر دی، وہ ستائیس سالہ انتہائی خوبرو نوجوان تھا جس کی آنکھوں میں اتنی ہی حیرت تھی جتنی مناہل کی آنکھوں میں، رات کے اس پہر کمرے میں اجنبی نوجوان دیکھ کر مناہل لرز کر رہ

گئی، دوپٹے کی تلاش میں اِدھر اُدھر کی نظر اس نوجوان پر پڑی جو مسکراتی نگاہوں سے اس کی گھبراہٹ کا مزہ لے رہا تھا۔

''آپ کون ہیں اور اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟'' مناہل غصے سے بولی۔

''محترمہ یہی سوال میرا ہے کہ آپ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' مقابل کے لہجے میں شوخی نمایاں تھی۔

''میں وردہ کی فرینڈ ہوں مناہل۔'' مناہل جلدی سے بولی۔

''اوہ تو آپ وردہ کی فرینڈ ہیں۔'' وہ نوجوان بے تکلفی سے بولا۔

''اور میں...... میں عاصم ابراہیم، وردہ کا کزن۔'' وہ بولا اور دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا، مناہل کی تو گویا جان ہی نکل گئی تھی اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتی وہ دروازے کی طرف لپکی تو اس نوجوان نے شرارت سے راستہ روک لیا۔

''کیا میں آپ کو بھوت لگ رہا ہوں جو آپ مجھے دیکھ کر اتنی ہراساں ہو رہی ہیں۔'' عاصم نے بظاہر سادگی سے کہا تھا مگر مناہل مزید خوفزدہ ہوگئی۔

''چھوڑیئے میرا راستہ۔'' مناہل اس دھکیل کر باہر نکل گئی وہ اب بھی خوفزدہ تھی، سانس دھوکنی کی طرح چل رہا تھا، عاصم کی اچانک آمد اسے خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھی جمیلہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ لرز رہی تھی، ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ گئی، اب اسے صبح کے اجالے کا انتظار تھا جو تاریکی کے ہر خوف کو معدوم کر دیتا ہے۔

☆☆☆

آفس میں سارا دن بہت مصروفیت رہی تھی، شام گہری ہونے لگی تو مناہل تھکی ہاری گھر پہنچی اور سیدھی کچن میں گھس گئی، فریج سے پانی نکال کر اپنے خشک حلق کو تر کیا تھا کہ وہ نوجوان پھر سے اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا، مناہل کو اس کی شوخ نگاہوں کی بے باکی پر بہت غصہ آیا تو ایک تنفر بھری نگاہ ڈال کر وہ باہر جانے لگی تو وہ نوجوان پھر سے راستے میں حائل ہو گیا۔

''مجھے بھی پیاس لگی ہے۔'' وہ ذومعنی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

مناہل اس کی جرأت و ہمت پر سٹپٹا کر رہ گئی، خاموشی سے فریج سے پانی نکال کر دینے لگی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر بوتل پکڑ کر منہ سے لگا لی اور غٹا غٹ پینے لگا، پانی اس کی شرٹ بھگو رہا تھا، مناہل نے ناگواری سے اسے دیکھا اور جانے لگی۔

''ابھی اور پیاس لگی ہے۔'' عاصم ڈھٹائی سے بولا۔

''اگر اتنی پیاس لگی ہے جو بجھنے میں نہیں آ رہی تو کسی سمندر پہ چلے جائیں اور اس سے منہ لگا لیں۔'' مناہل کا غصے سے برا حال تھا۔

''سمندر جب اتنا قریب ہو تو مجھے اتنا دور جا کر کشٹ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔'' عاصم کے الفاظ ذومعنی تھے، مناہل نے گہری نگاہ اس پر ڈالی تو عاصم کی نگاہوں میں ہوس کی پہلو نمایاں تھا، مناہل کو صرف لمحہ لگا تھا بات کو سمجھنے میں، اجنبی لڑکی نے ذومعنی گفتگو کرنا اور بات بات پہ راستہ روک روکنا...... مناہل کو وردہ کی آدھی ادھوری بات کا مطلب سمجھ آ گیا تھا، عاصم ماں باپ کی اکلوتی بگڑی ہوئی اولاد تھی، جو اتنے سال کینیڈا میں تعلیم کے سلسلے میں رہا مگر کوئی تہذیب و تمیز نہ آئی۔

☆☆☆

عاصم کی آمد سے مناہل کو گھٹن سی ہونے لگی تھی، آزادی سلب ہو کر رہ گئی تھی، آفس سے آ کر زیادہ وقت نانی جان کے کمرے میں ڈری سہمی گزارتی، ہر لمحہ ہر پل ہوشیار رہنا تھا۔

"جاگتے رہو۔" یہ صدا ہر پل کانوں میں گونجتی۔

عاصم بھی اس کی گھبراہٹ کا بھرپور مزہ لیتا، بہانے بہانے سے مخاطب کرتا، کسی چیز کی تلاش کا بہانہ کر کے جمیلہ بیگم کے کمرے میں آتا اور ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتا اور نگاہیں مناہل کے چہرے پہ جمی رہتی، مناہل اس کی موجودگی میں بے حد مضطرب سی رہتی۔

"دادی جان! کیا میں اب خوبصورت نہیں رہا، کیا آپ کو میری شکل دیکھ کر خوف آتا ہے۔" وہ بات تو جمیلہ بیگم سے کرتا مگر نگاہیں مناہل کے خوفزدہ چہرے پہ ہوتیں۔

"ارے میرا شہزادہ تو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گیا ہے۔" وہ دلار بھرے انداز میں اس کا ماتھا چومتی تو عاصم کے چہرے پہ چھایا فخر و غرور مناہل کی جان جلا دیتا، مناہل کا دل چاہتا کہ ایسی جگہ جا کر چھپ جائے جہاں عاصم کی بے باک نگاہوں سے سامنا نہیں ہوگا۔

عاصم ابراہیم بہت عرصہ باہر رہا، بہت سی گوریوں کے ساتھ ٹائم پاس کیا مگر کوئی بھی دل تک رسائی حاصل نہ کر سکی تھی، مناہل پہلی نظر میں اسے گھائل کر گئی تھی، اس سے بات کرنا، اسے دیکھنا اچھا لگتا ہے، وہ اکثر اس کی خوفزدہ نگاہوں کو دیکھ کر وہ حیران رہ جاتا تھا، اس کی من موہنی سی صورت نے آنکھوں کی نیند چرالی تھی، دل ہر دم اس کے دیدار کی طلب کرتا، رات گہری ہو رہی تھی، مگر نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ بے قرار سا ہو کر آنگن میں آ گیا، چاندنی چار سو پھیلی تھی، موتیا کے پھول کی خوشبو سے سارا گھر مہک رہا تھا، جس چہرے کو دیکھنے کی چاہ تھی وہ حسن بے خبر سامنے ہی جھولے پر سویا ہوا نظر آیا۔

سفید کرتا پاجامہ میں وہ آسمانی حور لگ رہی تھی، ملیح چہرے سے گویا کرنیں پھوٹ رہی تھیں، یاقوتی لب آپس میں ملے ہوئے تھے، عاصم بے خودی میں اس کی طرف بڑھ گیا، وہ اسے محبت پاش نگاہوں سے تک رہا تھا، دوزانو بیٹھتے ہوئے اس کی نظر دودھیا پاؤں میں پڑی چاندی کی پازیب پہ جا ٹھہری، عاصم نے دھیرے سے اس کی پازیب چھوئی تو مناہل کسی انجانے وجود کے لمس سے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"عاصم بھائی! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ جو اس کے گھر میں غیر موجودگی کی وجہ سے یہاں سو گئی تھی ایکدم اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا سی گئی۔

"قدرت کا حسین شاہکار دیکھنے چلا آیا تھا۔" عاصم کا لہجہ خمار آلود تھا، وہ جو اس کی آمد پر گھبرا رہی تھی اس کی بات سن کر کانپ اٹھی، گھبرا کر جانے لگی تھی کہ عاصم نے اس کی مومی کلائی تھام لی۔

"چھوڑیئے میرا ہاتھ۔" وہ خوفزدہ ہرنی کی طرح چلائی، مناہل نے چیخ کر نانی جان کو بلانا چاہا تھا مگر خوف کے مارے آواز حلق میں دب کر رہ گئی۔

"اتنا کیوں گھبراتی ہو مناہل مجھ سے؟" عاصم مخمور لہجے میں کہتا ہوا جھٹکے سے اسے قریب کر چکا تھا، عاصم کی گندی نظریں اس کے چاند چہرے پر تھیں، مناہل اس کی گرفت میں بے بس چڑیا کی طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔

"عاصم! یہ کیا ہو رہا ہے؟" ابراہیم صاحب کی کرخت آواز عاصم کی سماعت سے ٹکرائی، اس

کی گرفت کمزور پڑنے پر مناہل نے خود کو اس سے دور کیا۔

''ابو...... وہ...... دراصل......!'' موقع پر پکڑے جانے کی وجہ سے وہ اپنی صفائی میں کچھ نہ کہہ پایا۔

''ذلیل...... ناہنجار...... دفع ہو جا میری نظروں کے سامنے سے۔'' ابراہیم صاحب غصے سے دھاڑے، مناہل منہ چھپائے روئے جا رہی تھی۔

''مت رو میری بچی۔'' ابراہیم صاحب کا شفقت بھرا ہاتھ اس کے سر پر تھا۔

''یقین کریں انکل! مجھے میرے مرحوم ماں باپ کی قسم ہے میں نے کچھ نہیں کیا؟'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی اور روتے ہوئے اندر بھاگ گئی، ابراہیم صاحب کے چہرے پر دکھ اور پریشانی کے آثار تھے۔

☆☆☆

مناہل گھر والوں سے سامنا کرنے سے کترا رہی تھی، بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ پریشان تھی، عاصم کی حرکتوں کی وجہ سے اس کو یہ محفوظ پناہ گاہ اب غیر محفوظ لگنے لگی تھی، کاش وہ بھی اپنے والدین کے پاس چلی جائے تاکہ اس ظالم دنیا کے بھیڑیوں سے محفوظ ہو جائے، وہ لڑکی کتنی بے بس و مجبور ہوتی ہے جو والدین کے سائے سے محروم ہو، باپ بیٹیوں کے لئے کسی فولادی قلعے کی طرح ہوتا ہے جس میں بیٹی ہر خوف سے آزاد ہوتی ہے، تکیہ اس کے آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا، وہ بے آواز روئے چلے جا رہی تھی ایکدم کمرے کی لائٹ آن ہوئی۔

''انکل آپ!'' ابراہیم صاحب کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی، ابراہیم صاحب کا ہاتھ اس کے سر پر تھا اور وہ آنسو بہاتی جا رہی تھی، اس کی سرخ ہوتی آنکھیں اندرونی کرب کی غماز تھی کہ وہ اتنی سی عمر میں ہی دنیا سے تنگ آ گئی ہے، ندامت اور پشیمانی نے ابراہیم صاحب کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

''بیٹا! میں عاصم کے اس فعل کی وجہ سے بہت نادم ہوں۔'' فسوں خیز خاموشی کے بعد آخر کار وہ بولے۔

''نہیں انکل، اس میں آپ کو شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، میری قسمت ہی خراب ہے۔'' مناہل کے لہجے میں صدیوں کی تھکاوٹ تھی۔

''نہیں بیٹا، تقدیر کو برا نہیں کہتے وہ اچھی ہو یا بری ہمیں اس کو ماننا پڑتا ہے، ویسے بھی انسان ہی ایک دوسرے کے لئے تکلیف کا باعث بنتے رہتے ہیں اور ہم تقدیر کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔'' ابراہیم صاحب شفقت سے بولے۔

''انکل میں کسی دار الامان میں چلی جاتی ہوں میں نہیں چاہتی کہ میری ذات سے آپ لوگوں کی زندگی میں کوئی طوفان آئے، آپ لوگوں نے مجھے سہارا دیا ہے میں آپ لوگوں کے لئے اذیت کا باعث نہیں بننا چاہتی۔'' مناہل بولی تو ابراہیم صاحب سناٹے میں آ گئے۔

''نہیں بیٹا! تم کہیں نہیں جاؤ گی، وردہ نے تمہیں اپنی امانت کی طرح ہمیں سونپا ہے ہمارا فرض ہے کہ تمہاری حفاظت کریں میری کوتاہی کہ میں عاصم کی فطرت سے واقف ہونے کے باوجود نظر نہ رکھ سکا جس کا مجھے بہت افسوس ہے، تم ہر پر بوجھ نہیں ہو، تم تو اپنے رہنے تک کا معاوضہ ادا کرتی ہوں۔'' ابراہیم صاحب تاسف سے بولے، مناہل کی نگاہوں میں حیرانی تھی۔

''ہاں میں جانتا ہوں عظمیٰ کو اچھی طرح سے وہ بغیر فائدے اور مطلب کے تمہیں ہرگز

www.urdusoftbooks.com

اپنے گھر میں جگہ نہ دیتی۔'' ابراہیم صاحب بولے۔

''نہیں نہیں ابراہیم انکل میں وہ روپے آنٹی کو خود خوشی سے دیتی ہوں۔'' وہ ابراہیم صاحب کو شرمندہ نہ دیکھ پائی۔

''اور وہ جو منہ اندھیرے سارے گھر کا کام کرتی ہو، کھانا پکاتی ہو، کپڑے دھوتی ہو وہ بھی تم اپنی خوشی سے کرتی ہو؟'' وہ اچانک بولے کہ مناہل نے نظریں جھکالیں۔

''بے دام کی ملازمہ مل گئی ہے عظمیٰ کو جسے تنخواہ دینے کی بجائے اس سے رقم وصول کی جاتی ہے اور پھر یہ طعنہ کہ گھر میں پناہ دی ہے۔'' ان کے لہجے میں تلخی تھی۔

''بیٹا تم نے تو خدمت کر کے اس کی عادتیں خراب کر ڈالی ہیں وہ تمہیں ایسے کیسے جانے دے گی۔'' ابراہیم صاحب کے لہجے میں طنز تھا۔

''مگر انکل! میں یہاں اب نہیں رہ سکتی، عاصم بھائی سے مجھے بہت خوف آتا ہے۔'' مناہل کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں تھیں۔

''نہیں بیٹا، اب وہ ذلیل انسان تمہیں ہاتھ لگا کر دیکھے تو اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا، بس یہ ایک بات کا اپنی بیٹی سے وعدہ ہے، تمہارے سامنے ایک التجاء ہے کہ اس بات کا ذکر اماں بی اور ورده سے نہ کرنا وہ تمہارے معاملے میں بہت حساس ہیں۔'' ابراہیم صاحب نے کہتے ہوئے عاجزی سے ہاتھ جوڑے تو مناہل تڑپ اٹھی۔

''انکل! مجھے شرمندہ مت کریں۔'' مناہل تو روتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لئے۔

☆☆☆

باپ کی سرزنش کی وجہ سے عاصم کو اپنی بے باکیوں کو لگام دینا پڑی تو وہ بے کل ہو گیا، مناہل نے اس کے سامنے آنا بالکل ترک کر دیا تو وہ زچ ہوا تھا، مناہل کا ساتھ پانے کی خواہش سر اٹھانے لگی تو وہ دل کی بات زبان پہ لے آیا۔

''امی میں مناہل سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ کسی تمہید کے بغیر بولا۔

''کیا؟'' عظمیٰ بیگم حیرت سے بولیں۔

''کیوں کیا ہوا؟'' عاصم ناگواری سے بولا۔

''وہ بھوکی ننگی تو خود ہمارے آسرے پہ پڑی ہے، عظمیٰ کی بہو بنے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔'' عظمیٰ بیگم کا سکتہ ٹوٹا۔

''امی! میں مناہل سے محبت کرتا ہوں۔'' عاصم بولا۔

''خبردار اگر کوئی انتہائی قدم اٹھایا اور ہاں محبت کرتے ہو اس لاوارث سے، جس کے آگے پیچھے کوئی نہیں، اگر تم نے اس بھکارن سے شادی کرنے کا سوچا تو میں زہر کھا کر جان دے دوں گی۔'' عظمیٰ بیگم نے دھمکی دے ڈالی۔

☆☆☆

مناہل کی بے رخی اس کی جان جلانے لگی تھی، اس کی ایک جھلک دیکھنے کو ترس گیا تھا، بڑھی شیو، بکھرے بال دکھا کر جہاں وہ گھر والوں کو بلیک میل کر رہا تھا، وہیں مناہل کو بھی اپنے جذبوں کی صداقت کا یقین دلانا چاہتا تھا حسن اتفاق سے مناہل تنہا نظر آئی تو وہ رہ نہیں پایا۔

''مناہل کیوں دور رہتی ہو مجھ سے، محبت کرنے لگا ہوں تم سے اور وہ بھی سچی محبت، پلیز مجھے اپنا لو میں تمہارے بغیر رہ نہیں پاؤں گا۔'' عاصم کہتے ہوئے اس کے قدموں میں بیٹھا تو مناہل جھٹکے سے دور ہوئی۔

''روتے ہوئے مرد پہ کبھی اعتبار نہ کرنا۔'' مناہل کو ماں کی کہی بات یاد آئی۔

''عاصم بھائی، محبت کا مطلب بھی معلوم

ہے آپ کو؟'' مناہل طنزیہ انداز میں بولی، وہ عاصم کا اس رات والا رویہ بھول نہیں پائی تھی۔

''میرا یقین کرو مناہل، میں واقعی تم سے محبت کرنے لگا ہوں، محبت میں انسان کس قدر ٹوٹ جاتا ہے یہ حقیقت پہلی بار آشکار ہوئی ہے مجھ پر۔'' عاصم جذباتی انداز سے بولا۔

''مسٹر عاصم! سچی ہو تو اپنا آپ خود ظاہر کر دیتی ہے، اس کی خاطر ایک مرد کو یوں آہ و بکا نہیں کرنی پڑتی، آپ کو محبت نہیں بلکہ اپنی شکست رلا رہی ہے کہ ایک لڑکی کو اپنی ضد کے آگے قربان نہیں کر سکے، میرے لئے آپ کی نگاہوں کی گندگی سمجھنا ہرگز مشکل نہیں ہے، آپ کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہیے کہ میں ہرگز پکے ہوئے پھل کی طرح آپ کی گود میں نہیں گروں گی۔'' مناہل کا لہجہ تلخ تھا۔

وہ جانتی تھی کہ مرد انتہائی مکار ہوتے ہیں، جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو اسے ٹیڑھا کر لیتے ہیں۔

''تو تم ہی بتاؤ، میں تمہیں اپنی محبت کا یقین کس طرح دلاؤں، اگر میرے دل میں تمہاری محبت نہ ہوتی تو تم سے شادی کا ارادہ ہرگز نہ کرتا۔'' عاصم اسے قائل کرنے والے انداز میں بولا۔

''اپنی اس سو کالڈ محبت کا ذکر عظمیٰ آنٹی کے سامنے کر کے دیکھئے وہ ہرگز ایک لاوارث لڑکی کو اپنی بہو بنانے پر راضی نہیں ہوں گی عاصم صاحب!'' مناہل نے گہری طنزیہ نگاہ ڈالی اور چلی گئی۔

☆☆☆

مناہل کی باتوں پہ عاصم ابراہیم کا دماغ ابھی تک کھول رہا تھا، مناہل واقعی اسے بہت اچھی لگی تھی اور وہ اسے ٹھکرا رہی تھی، اسے یقین تھا کہ محفوظ چھت اس کی اشد ضرورت تھی وہ اس کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا مگر مناہل نے اس کے پرپوزل کو بھی ٹھوکر مار دی تھی، اس قدر ذلت وہ بھی اس دو ٹکے کی لڑکی سے عاصم ابراہیم سچ مچ دنگ رہ گیا تھا۔

''مناہل عرفان! میں نے آج تک کبھی ہار نہیں مانی، میں نے کبھی کسی لڑکی کے لئے آنسو نہیں بہائے ہاں دوسروں کی آنکھوں میں آنسو ضرور بھرے ہیں، تمہیں اس کا حساب تو دینا ہوگا اپنے ایک ایک آنسو کا بدلہ ضرور لوں گا، چاہے کچھ بھی ہو جائے، آج تم میری محبت کو ٹھکرا رہی ہو مگر کل تم ہی میری محبت کی بھیک مانگو گی اور میں تمہیں ٹھوکر مار کر آگے بڑھ جاؤں گا، تمہاری حیثیت میرے نزدیک صرف ایک معمولی ٹشو پیپر جیسی ہوگی، جسے استعمال کر کے پھینک دیا جاتا ہے اور وہ کسی دوسرے کے بھی قابل نہیں رہتا۔'' عاصم کے دل میں انتقام و نفرت کا لاوا ابل رہا تھا، ایک معمولی لڑکی کی جرأت اسے انسان سے درندہ بننے پر مجبور کر رہی تھی۔

☆☆☆

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، وردہ کا دل کافی دنوں سے مضطرب سا تھا، مناہل کے حوالے سے کچھ ایسا تھا جو اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دیتا تھا، راتوں کو اکثر برے خواب اس کے حوالے سے دیکھتی تو ڈر جاتی۔

''یا اللہ تو ہی مناہل کی حفاظت فرما۔'' عاصم کے حوالے سے اس کے دل میں ہزاروں خدشات تھے۔

''تم ٹھیک تو ہو مناہل، دیکھو مجھ سے کچھ نہ چھپانا، میں کافی دنوں سے تمہارے بارے میں پریشان کن خواب دیکھ رہی ہوں۔'' مناہل کو فون پر بھی وردہ کی فکر محسوس ہو رہی تھی۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، عاصم کی طرف سے ملنے والا خوف کا ایک ایک پل وردہ کو بتا ڈالے، مگر ابراہیم انکل سے کیا وعدہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

''اوہو محترمہ وردہ صاحبہ اللہ والی ہو گئی ہیں، جن کو الہام ہونے لگا ہے۔'' کتنے ہی آنسو ضبط کرتے ہوئے کتنی ہی سسکیاں حلق میں دباتے ہوئے وہ بظاہر شوخی سے بولی۔

''جو دل میں رہتے ہیں مناہل ان کے حوالے سے ہر فکر و پریشانی سے خدا باخبر کر دیتا ہے، تم جانتی ہو کہ تم میرے لئے کتنی اہم ہو، دل چاہتا ہے تمہیں ہر لمحہ اپنی نظروں کے سامنے رکھوں، یا دل میں چھپا لوں، کانٹا تمہیں چبھے تو تکلیف مجھے ہوتی ہے، سنگ تمہیں لگے زخم مجھے آتا ہے مناہل۔'' وردہ خلوص دل سے بولی۔

''ارے ارے، دل میں مجھے رکھو گی تو مروان بھائی کو کہاں رکھو گی، وہ تو تمہارے اور اپنے درمیان کسی تیسرے کو برداشت نہیں کر سکتے۔'' مناہل قدرے شوخی سے بولی۔

تو وردہ کے بے چین دل کو قرار نصیب ہوا، مگر دل میں اک کسک سی ابھی باقی تھی۔

''وردہ آر یو اوکے۔'' وردہ کی کولیگ نے اسے کالج میں گم صم دیکھا تو پوچھ بیٹھی، وردہ نہ رہ پائی تو مناہل کے بارے میں اسے بتانے لگی اور یہ بھی کہ شوہر کی وجہ سے اپنے گھر بھی نہیں رکھ سکتی۔

''وردہ اس کا تو بہت آسان حل ہے تم اپنی دوست کی شادی اپنے شوہر سے کروا دو، تمہاری پریشانی بھی دور ہو جائے گی اور فلم ''سوتن میری سہیلی'' کی یاد بھی تازہ ہو جائے گی۔'' اس نے کہتے ہوئے قہقہہ لگایا اس نے تو مذاق کیا تھا، وردہ سنجیدگی سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی کہ بعض لوگ کتنی بڑی بات کتنی آسانی سے کر دیتے ہیں کہ دکھی دل مزید دکھ جاتا ہے، اس لیے وہ برسوں پہلے اپنی کی جانے والی دعا کو بھول گئی تھی۔

☆☆☆

عاصم اور مناہل کے درمیان ایک پراسراری خاموشی تھی، عاصم یوں نظریں جھکائے گزر جاتا ہے جیسے جانتا بھی نہ ہو اور مناہل تو اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی، اس کی خاموشی کو ہی عافیت جان رہی تھی، ایسا طوفان جو شاید تھم گیا تھا، اس کے لئے یہی کافی تھا شاید وردہ کی دعائیں اسے لگ گئی تھیں، مگر یہ اس کی بھول تھی کمینہ شخص وقتی طور پر چپ تو ہو سکتا ہے مگر اپنی کمینگی سے باز آ جائے یہ ممکن نہیں، وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی کہ باہر اٹھنے والے شور و غل نے اس کو دہلا کر رکھ دیا، وہ ہڑبڑا کر باہر بھاگی تو باہر کا منظر اوسان خطا کر گیا۔

عظمیٰ بیگم زیورات کا خالی ڈبہ پکڑے گریہ زاری کر رہی تھیں۔

''آنٹی کیا ہوا ہے؟'' مناہل تیزی سے آگے بڑھی، مگر عظمیٰ تو دردناک انداز میں روئے چلی جا رہی تھی۔

''نانی جان کیا ہو گیا ہے؟'' مناہل نے جمیلہ بیگم سے پوچھا۔

''بیٹا! عظمیٰ کا زیور چوری ہو گیا ہے۔'' جمیلہ بیگم کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے۔

''مگر یہ کیسے ہوا، کس نے چوری کیا ہے۔'' مناہل ناسمجھی سے بولی۔

''یہی تو مسئلہ ہم جاننے کی کوشش کر رہے ہیں، کہ یہ سب کیسے ہوا؟'' ابراہیم صاحب خود پریشان تھے۔

''نا جانے کس کی نیت میں فتور تھا کہ امی کے زیورات پہ ہاتھ صاف کیا ہے۔'' عاصم جو

خاموش تھا مناہل کو دیکھ کر عجیب سے انداز میں بولا، مناہل کو عاصم کا لہجہ چونکا گیا تھا۔

''ابو میں تو کہتا ہوں کہ اس چوری کی اطلاع پولیس کو کر دیتے ہیں پھر وہ جانے اور چور جانے، آخر لاکھوں کا زیور ہے۔'' عاصم نے ایک غصیلی نگاہ مناہل پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں، پولیس کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں، تم ایک بار پھر سے سارے گھر کی تلاشی لو۔'' ابراہیم صاحب معاملے کو سنبھالتے ہوئے بولے۔

''ابو میں پورا گھر چھان چکا ہوں بس، مناہل کا سامان باقی رہ گیا ہے۔'' عاصم ذومعنی انداز میں بولا۔

''اگر آپ لوگوں کو مجھ پر شک ہے تو آپ بخوشی میرے سامان کی تلاشی لے سکتے ہیں۔'' مناہل نے کہتے ہوئے عاصم کی آنکھوں میں جھانکا جہاں تمسخر نمایاں تھا، اجازت ملتے ہی عاصم مناہل کے کمرے میں جا پہنچا، یہ تو صرف بہانہ تھا اصل میں وہ تلاشی صرف مناہل کے سامان کی لینا چاہتا تھا، چند لمحوں بعد وہ آیا تو اس کے ہاتھ میں مناہل کا ہینڈ بیگ تھا۔

''مناہل کے بیگ میں زیورات ہیں۔'' عاصم کی کاٹ دار نظریں مناہل کے چہرے پر تھیں۔

''نہیں...... ہرگز نہیں، یہ جھوٹ ہے میں نے زیورات نہیں چرائے۔'' مناہل چلائی۔

''کمرہ آپ کا، بیگ آپ کا، ابھی بھی یہ اصرار کہ چوری آپ نے نہیں کی۔'' عاصم پولیس والوں کے انداز میں انکوائری کرتے ہوئے بولا۔

''نانی جان، میں نے کوئی چوری نہیں کی، یہ مجھ پر الزام ہے۔'' مناہل زارو قطار روتے ہوئے بولی۔

''آئے ہائے، کیسا زمانہ آگیا ہے، سیانے صحیح کہتے ہیں جس پر احسان کرو اس کے شر سے بچو، ہم نے رہنے کو چھت دی اور تو نے ہمارے گھر میں ہی نقب لگا دی، واہ بی بی واہ، بڑا اچھا بدلہ دیا ہے ہمارے احسانوں کا۔'' عظمیٰ بیگم کہتے ہوئے چیل کی طرح مناہل پہ جھپٹی تو ابراہیم صاحب نے انہیں روکا۔

''عظمیٰ آپ کا زیور مل چکا ہے تو پھر کس بات کا واویلا مچایا جا رہا ہے خواہ مخواہ گھر میں تماشا لگانے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں یہ حرکت مناہل کی نہیں ہے یہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔'' ابراہیم صاحب نے خشمگیں نگاہوں سے عاصم کو گھورتے ہوئے کہا۔

''ابو لیکن پولیس کو بلانے میں کیا حرج ہے۔'' عاصم مناہل کی بے بسی کا مزید تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔

''میں نے کہا نا کہ اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں مال برآمد ہو گیا، مقصد تو پورا ہو گیا نا تو اب کس بات کا شور ہے۔'' ابراہیم صاحب کی کاٹ دار نگاہوں کا مفہوم عاصم بخوبی سمجھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی، آج زیور چوری ہوا ہے کل کو کوئی بڑا نقصان ہو گیا تو کون ذمہ دار ہو گا۔'' عاصم نے ایک نظر مناہل کی حالت پہ ڈالی اور دل ہی دل میں مسکراتا ہوا چلا گیا۔

ابھی مناہل اس واقعے کے اثر سے نہیں نکلی تھی کہ اگلے دنوں میں ہونے والے واقعات کتاب زیست میں دکھ رقم کرنے لگے تھے۔

''مناہل یہ ایک لڑکا دے گیا ہے۔'' عظمیٰ بیگم استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے پھول اور کارڈ پکڑایا۔

''وجاہت عالم، تمہاری توجہ کا طلبگار۔''

کارڈ پر لکھا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' مناہل نے خود کلامی کی۔

''بھئی ہم کیا جانیں، کون کون سے لوگ تمہیں جانتے ہیں۔'' عظمیٰ بیگم طنزیہ بولیں۔

پھر یہ روز کا معمول بن گیا، اب گھر والوں کی نظر میں سوالات تھے۔

''اچھا تو محترمہ کی آنکھ کہیں اور تھی تبھی ہماری محبت کو یوں بے رحمی سے روند ڈالا۔'' عاصم کا لہجہ زہر خند تھا۔

''بھولی صورت اور یہ کرتوت۔'' عظمیٰ بیگم نخوت سے کہتیں۔

اب تو ابراہیم صاحب کی نظروں میں بہت سے سوالات پنہاں تھے، بلکہ جمیلہ بیگم کے رویے میں ایک کھچاؤ سا آ گیا تھا۔

''لڑکی...... اگر وہ لڑکا تمہیں پسند کرتا ہے تو اسے کہو سیدھے طریقے سے رشتہ بھیجے ہم تمہیں سادگی سے رخصت کر دیں گے یوں ہمارا محلے میں تماشا تو نہ بنوائے۔'' جمیلہ بیگم کا لہجہ غیریت سے بھرپور تھا۔

''نانی جان میں اس نام کے کسی بندے کو نہیں جانتی، میرا یقین کریں۔'' مگر جمیلہ بیگم کے چہرے پر بے یقینی ہی رہتی۔

''کون ہے یہ شخص آخر کیا چاہتا ہے جس نے مجھے گھر بھر میں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے، اتنا عرصہ رہی اپنے کردار پر آنچ نہیں آنے دی مگر۔''

حالات نے ایک بار پھر سے اسے بے گھر کرنے کا پروگرام بنا ڈالا تھا، وہ پھر سے کھلے آسمان تلے کھڑی ہو گئی تھی، یہ قصہ وردہ تک بھی پہنچ گیا۔

''کون ہے یہ وجاہت عالم، تمہارا آفس کولیگ ہے یا کوئی رشتے دار۔'' وردہ نے ایک سانس میں کئی سوالات کر ڈالے، مناہل روئے چلی جا رہی تھی، وردہ اس کے آنسو دیکھ کر چونک گئی۔

''وردہ کیا تم بھی مجھے غلط لڑکی سمجھنے لگی ہو؟'' مناہل کی نم آواز ابھری۔

''ارے نہیں میری جان، مجھے تمہارے کردار پر پورا بھروسہ ہے۔'' وردہ نے کہتے ہوئے اسے گلے لگایا تو مناہل کے دل کو ڈھارس ملی۔

''مناہل نا جانے کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ یہ حرکت عاصم بھائی نے کی ہے۔'' وردہ اچانک بولی۔

وردہ کے کہنے پر مناہل ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی، عاصم کی طرف تو اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

''نہیں نہیں عاصم بھائی ایسی گھٹیا حرکت کیوں کریں گے بھلا۔'' مناہل کمزور سے لہجے سے بولی۔

''نہیں مناہل، عاصم بھائی بہت گھٹیا انسان ہیں۔'' وردہ اپنی بات پہ قائم تھی۔

''یہ تمہارا وہم ہے۔'' مناہل نے نگاہیں چرائیں۔

ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر دنیا کو بتائے کہ یہ عاصم ابراہیم کی ہی حرکت ہے جو مجھے نیچا دکھانے کے لئے کسی حد تک بھی گر سکتا ہے۔

''مناہل تم عاصم بھائی کی طرف سے غافل نہ رہنا، بہت بے رحم انسان ہے، انسان کے روپ میں زہریلا سانپ ہے، اس کی نظر میں تو میرے لئے عزت نہیں تھی تم تو پھر غیر ہو اور انتہائی خوبصورت بھی۔'' وردہ مناہل کو ہوشیار کرتے ہوئے بولی۔

''نانی جان، کم از کم مجھے آپ سے ایسی امید نہیں تھی، کہ آپ مناہل کو غلط کردار کی لڑکی سمجھیں گی، کیا آپ اسے جانتی نہیں ہیں۔'' وردہ

مناہل کی حمایت میں بولی۔

''ہمیں کیا پتہ زندگی کی تلخیوں نے اسے سیدھے راستے سے بھٹکا دیا ہو۔'' جمیلہ بیگم کے تیکھے تیور ناگواری کے غماز تھے۔

وردہ انہیں افسوس بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، آخر عظمیٰ ممانی کی باتوں نے ان کا دل بھی میلا کر دیا تھا، کاش مروان آپ ہی دل میں کچھ گنجائش پیدا کر لیتے تو یہ سب نہ ہوتا، وہ دل ہی دل میں دکھی ہو رہی تھی۔

☆☆☆

زندگی ایک بار پھر تکلیف دہ نہج پہ آ گئی تھی، نہ کوئی سایہ تھا اور نہ کوئی سائبان، بس اسٹاپ پہ بھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی، کہ بس کے ہارن پر متوجہ ہوئی، شکستہ قدموں کے ساتھ آفس پہنچی، تو وہاں ایک نئی آزمائش منہ کھولے کھڑی تھی، ہر آنکھ بدلی بدلی سی تھی، ہر نظر میں تمسخر تھا، کہیں طنز ونفرت کی جھلک تھی، وہ ابھی غور ہی کر رہی تھی کہ پیون نے (Resignation notice) پکڑایا تو وہ لرز کر رہ گئی۔

''سر آخر میرا قصور کیا ہے، مجھے کس وجہ سے آفس سے نکالا جا رہا ہے۔'' حیرت وکرب سے وہ بمشکل بولی۔

''مناہل کل آپ کے سابقہ شوہر آفس آئے تھے، انہوں نے کچھ غیر مردوں کے ساتھ انتہائی بیہودہ تصاویر دکھائیں، جن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ روپے پیسے لے کر کسی حد تک بھی گر سکتی ہیں، مس مناہل ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کر دیتی ہے، میں آپ کو مزید اپنے آفس میں رکھ کر یہاں کا ماحول نہیں خراب کر سکتا، یہ میری شرافت ہے کہ میں نے وہ تصاویر اوپن نہیں کیں ورنہ آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتی۔'' باس نے کہتے ہوئے وہ تصاویر اسے تھمائیں تو انہیں دیکھ کر مناہل شرم سے زمین میں گڑھنے لگی، آنسو تھے کہ ضبط کے باوجود بہتے چلے جا رہے تھے۔

''سر! آپ میرا یقین کریں میں ایسی لڑکی نہیں ہوں، یہ میرے خلاف سازش ہے۔'' مناہل ہاتھ جوڑتے ہوئے رونے لگی۔

''دیکھیں، مناہل اگر کوئی انجان بندہ یہ تصاویر لا کر دیتا تو شاید میں کبھی یقین نہ کرتا اور نہ ہی آپ کے کردار کے بارے میں کچھ غلط سوچتا، مگر آپ کے سابقہ شوہر عاصم ابراہیم خود میرے پاس آئے تھے، انہوں نے خود مجھے بتایا ہے کہ آپ کی بے راہ روی کے باعث آپ دونوں میں طلاق ہوئی۔'' باس کیا بولتے جا رہے تھے وہ کچھ نہیں سن رہی تھی، وہ اپنے حواسوں میں نہ رہی تھی۔

''مس مناہل، اپنی سیلری اور واجبات تو وصول کرتی جائیں۔'' اس کے تعاقب میں چند آوازا ابھریں مگر کانوں میں ایک نام کا ہی اتنا شور تھا کہ کچھ اور سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''عاصم ابراہیم!'' مناہل کو لگ رہا تھا کہ اس شور سے اس کی دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی، مگر نہیں پل پل گزرتا جا رہا تھا وہ زندگی کی قید سے رہائی نہ پا سکی، موت نے بھی اسے اپنے دامن میں پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

''ابھی زندگی کے ترکش میں اور بھی تیر ہیں، میں مقررہ وقت سے پہلے نہیں آ سکتی۔'' موت سیاہ لبادہ اوڑھے اس کی بے بسی پہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اگر تم نہیں آ سکتی تو میں خود تمہارے پاس آ جاتی ہوں۔'' مناہل گڑگڑائی۔

''حرام موت، مرنے والے کو دوسرے جہاں میں بھی سکون نہیں ملتا، صبر سے زندگی کے

امتحانات سے گزرو، صابر پن کو ہی بہترین انعامات کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔" موت نے اس کو نصیحت کی اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئی، ہر طرف اندھیرا پھیل گیا، عاصم نے انتقام کے نشے میں چور ہو کر اس پر بدکرداری کا الزام لگایا اور اسے نوکری سے نکلوا دیا، مردہ قدموں کے ساتھ وہ گھر میں داخل ہوئی تو سب کو اپنا منتظر پایا۔

"بیٹا! رات کے گیارہ بج رہے ہیں تم اب تک کہاں تھی؟" ابراہیم صاحب بولے۔

"بی بی کن چکروں میں رہنے لگی ہو، کوئی شرم و حیا بھی باقی ہے یا نہیں۔" عظمیٰ بیگم گویا انگارے چبا کر بولیں۔

"مناہل، کیوں ہماری عزت بھی داؤ پہ لگانے لگی ہو، ہمارے احسانوں اور ہماری شرافت کا یوں تو بدلہ نہ دو۔" جمیلہ بیگم غصے سے بولیں۔

مگر مناہل کچھ نہیں سن رہی تھی نہ کوئی بات کر پا رہی تھی، صرف ایک شور تھا۔

"عاصم ابراہیم، آپ کا سابقہ شوہر۔" اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر روئے مگر جانتی تھی کہ کوئی فائدہ نہیں، یہاں تو سب عاصم کے اپنے ہیں میرا تو کوئی بھی نہیں کوئی میری بات کا یقین نہیں کرے گا، کہ عاصم نے میرا جینا حرام کر دیا ہے، آنسو نکلنے کو بے تاب ہونے لگے تو وہ خاموشی سے کمرے میں آ گئی، دل زخم زخم ہو رہا تھا، کمرے میں اندھیرا جو تمام سسکیوں کو اپنے اندر جذب کر رہا تھا، نا جانے کب تک یونہی بے حس و حرکت ماتم کرتی رہی، یکا یک کوئی کمرے میں داخل ہوا تھا اور دروازہ بند کر دیا۔

"کون؟" اندھیرے کے باعث وہ دیکھ نہ پائی۔

آنے والا بالکل چپ تھا، اس سے پہلے کہ وہ لائٹ آن کرتی کسی ان دیکھے وجود نے اسے بانہوں میں جکڑ لیا تھا، اسے سمجھنے میں صرف ایک پل لگا تھا، شراب کے ناگوار بھبکے، وہ عاصم ابراہیم تھا۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ بے بسی سے اس کی گرفت سے پھڑ پھڑانے لگی۔

"تم نے مجھے ہر موڑ پر ٹھکرایا، میری تذلیل کی، تم نے جو بھول کی تھی اس کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔" عاصم خباثت سے بولا۔

مناہل کی رگوں میں خون کھولنے لگا تھا نفرت سے اس نے پورا زور لگایا اور اسے دھکیل کر بیڈ سے اتری اور لائٹ آن کر دی۔

شرٹ کے کھلے بٹن، نشے میں چور اس کا ڈولتا وجود، سرخ آنکھیں جن میں چھائی درندگی اور وحشت اسے مزید بھیانک بنا رہی تھی۔

"عاصم میرے قریب نہ آنا ورنہ آج میرے ہاتھوں تمہارا قتل ہو جائے گا۔" مناہل نے کسی تیز دھار اوزار کی تلاش میں نظریں دوڑائی، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتی، عاصم نے اسے پھر سے اپنی گرفت میں لے لیا۔

"نانی جان، ابراہیم انکل!" اپنی عزت بچانے کی خاطر وہ پوری طاقت سے چلائی۔

"مناہل آج تمہیں میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا، میں تم سے محبت کرتا تھا تم سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر تم نے مجھے اور میری محبت کو ٹھکرا کر خود اپنی بربادی کو دعوت دی ہے۔" عاصم کمینگی سے بولا۔

دروازے پہ دستک نے جہاں عاصم کے ارادوں کو کمزور کیا وہیں مناہل کے اندر ہمت پیدا کر دی تھی، عاصم کو زوردار دھکا دیا اور دروازہ کھول دیا، باہر سب انہیں عجیب نظروں سے گھور رہے تھے۔

"دادی جان! اس کمینی لڑکی نے کمرے کا

پنکھا خراب ہونے کا بہانہ بنا کر مجھے اپنے پاس بلایا اور پھر...... پھر مجھے گناہ پر اکسانے لگی۔''
عاصم نے سفید جھوٹ بولا۔
''نہیں ابراہیم انکل! یہ خدا کی قسم جھوٹ بول رہا ہے۔'' مناہل روتے ہوئے بولی۔
''چپ کر بے غیرت میرے بیٹے پر الزام لگاتی ہے۔'' عظمیٰ بیگم نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور زمین پر دھکا دے کر گرا دیا۔
''نانی جان میں بے گناہ ہوں، میں بے قصور ہوں، میں نے عاصم بھائی کو ہمیشہ اپنا بڑا بھائی سمجھا ہے۔'' وہ جمیلہ بیگم کے قدموں سے لپٹی آہ و بکا کرنے لگی۔
''ابراہیم انکل، آپ کچھ بولتے کیوں نہیں، آپ تو جانتے ہیں کہ عاصم بھائی نے اس سے پہلے بھی میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی، آپ سے وعدہ کیا تھا اسی لئے میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا مگر آج آپ کو میری بے گناہی کی گواہی دینی ہوگی۔'' مناہل روتے روتے نڈھال ہونے لگی، مگر کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہیں کر پا رہا تھا، اس کی التجاء پر کسی کا دل نہیں پگھلا تھا۔

☆☆☆

''نانی جان، مناہل ہرگز بد کردار نہیں ہے، شراب کے نشے میں عاصم بھائی کو چور دیکھ کر بھی آپ سب میری دوست پر الزام لگا رہے ہیں۔''
وردہ کو تمام واقعہ پتہ چلا تو وہ پھٹ پڑی۔
''ارے تمہاری درست کوئی اتنی بھی دودھ کی دھلی نہیں ہے، ہم نے بھی زمانہ دیکھا ہے، بھولی بھالی صورت ہے مگر مردوں کو پھانسنے کے تمام گر جانتی ہے، پچھلے دنوں کوئی نامعلوم شخص پھولوں کا گلدستہ بھجواتا، میرا زیور بھی چوری کیا اس نے، رات کو اکیلی نہ جانے کہاں کہاں جاتی ہے، اتنی نیک پروین نہیں ہے تمہاری دوست۔'' عظمیٰ ممانی عاصم کے حوالے سے کوئی بات نہ برداشت کر سکی تو مناہل کے بخیے ادھیڑنے لگی۔
''ممانی جان، آپ تو خاموش ہی رہیں، میں نے مناہل کی ذمہ داری نانی جان کے سپرد کی تھی۔'' وردہ غصے سے بولی۔
''ارے جاؤ جاؤ، مجھے کیا ضرورت ہے اس بیچ لڑکی کے معاملے میں بولنے کی میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ تم دونوں۔'' عظمیٰ ممانی بد اخلاقی سے بولتی ہوئی چلی گئیں۔
''نانی جان یہاں کیا کچھ نہیں ہوگیا اور میں لاعلم رہی، مجھے کسی نے کچھ بتایا تک نہیں، مناہل تم کیوں ان کے الزامات برداشت کرتی رہی، مجھے بھی لاعلم رکھا۔'' وردہ دکھ سے بولی۔
''وردہ میں تمہارے لئے مزید مشکل پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' مناہل بولی تو لہجہ زخموں سے چور تھا۔
''وردہ پہلے جو ہوا سو ہوا، مگر آج جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کے بعد مجھے اس لڑکی پر اعتبار نہیں رہا، عاصم نے آخر اتنی ہمت کس بنا پر کی ہے نا جانے کیا کیا ادائیں اسے دکھاتی رہیں کہ وہ دیوانہ ہوگیا ورنہ میرا پوتا ہرگز بد کردار نہیں ہے۔'' جمیلہ بیگم بولیں تو وہ دونوں آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتی رہ گئیں۔
کتنی دوغلی ہوتی ہے دنیا مردوں کی ہوس اور بے باکیوں کا سارا الزام کتنی آسانی سے عورت پر رکھ دیا جاتا ہے، جیسے مردوں کو تمام برائیوں کے لئے عورت ہی مجبور کرتی ہے۔
''اس لڑکی کے لئے ہمارے گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔'' جمیلہ بیگم انتہائی رکھائی سے بولیں۔
''نانی جان یہ کہاں جائے گی؟'' وردہ روہانسی ہوگئی۔

''ارے بی بی، شہر بھرا پڑا ہے دارا الامان اور لڑکیوں کے ہوسٹل سے یہ بھی کہیں رہ لے گی، ہم نے کیا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔'' جمیلہ بیگم کی آواز میں نفرت تھی کہ مناہل کی روح زخمی ہونے لگی۔

''وردہ مجھے صرف چند دن کی مہلت دے دو، مجھے عاصم نے نوکری سے بھی نکلوا دیا ہے کچھ بندوبست ہو جاتے تو میں ہمیشہ کے لئے یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' مناہل بولی تو اس انکشاف پر وردہ نے تو سر ہی پیٹ لیا مگر جمیلہ بیگم کو بالکل یقین نہ آیا۔

''لڑکی تو ہر معاملے میں عاصم کو کیوں گھسیٹ لاتی ہے، اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اچھا حربہ سیکھا ہے تو نے۔'' جمیلہ بیگم بے رحمی سے بولیں۔

''میں اس لڑکی کو ایک دن بھی اس گھر میں رکھنے کو تیار نہیں، ہم شریف لوگ ہیں، اس عمر میں یہ ہنگامے نہیں دیکھ سکتی، تم اس کی جھوٹی سچی باتوں پہ یقین کر سکتی ہو تو کرو مجھے یقین نہیں ہے۔'' جمیلہ بیگم نے آخری فیصلہ سنایا۔

وردہ کو جو فیصلہ کرنا تھا فوری کرنا تھا، دوستی پھر امتحان مانگ رہی تھی، وہ مناہل کو زمانے کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھی، آخر کار اس نے کڑوی گولی نگلی اور اسے اپنے گھر لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

☆☆☆

رات کے آخری پہر شراب کے نشے میں دھت عاصم گھر لوٹا تو ایک بار پھر سے شیطان سوار ہو گیا، کل جو بازی ادھوری رہ گئی تھی اسے آج مکمل کر کے اس بد دماغ اور ضدی لڑکی کا غرور خاک میں ملا دے، اس کی زندگی یوں برباد کر دے کہ وہ مجبور ہو کر عاصم سے رحم کی بھیک مانگتی پھرے تو وہ اسے بے رحمی سے ٹھوکر مار کر گزر جائے، عاصم کے چہرے پر بھرپور خباثت تھی، وہ دبے پاؤں مناہل کے کمرے کی جانب بڑھا اور اندر داخل ہو کر کنڈی لگا لی کمرے میں مکمل اندھیرا تھا، وہ چادر سے تانے سو رہی تھی، عاصم اس کی بے خبری پر کھل اٹھا، رقص ابلیس جاری تھا، اس نے دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ اس سوئے ہوئے وجود پر پھیرا، پھر ہاتھ بازو سے کمر تک جا پہنچا انسانیت نے دم توڑا اور حیوانیت زندہ ہونے لگی، اپنے مذموم مقاصد کی پائیہ تکمیل چاہتا ہی تھا کہ سوئے ہوئے وجود کی ہلکی سے چیخ نکلی اور چہرے سے چادر ہٹا دی۔

''عاصم تو۔'' جمیلہ بیگم کی آنکھوں میں حیرانگی تو عاصم کی نگاہوں میں ندامت تھی۔

سارا نشہ کافور ہو چکا تھا، اپنی صفائی میں بولنے کو کچھ نہیں تھا، سارا دن باہر آوارہ گردی کرنے کے باعث وہ لاعلم تھا کہ مناہل یہاں سے جا چکی ہے، مگر خدا کو منظور تھا کہ آج عاصم کا گناہ ثابت ہونا تھا، وہ بغیر کچھ بولے کمرے سے باہر نکل گیا، جمیلہ بیگم ابھی تک سکتے کی حالت میں تھیں، عاصم کی وحشیانہ حالت، بے باکی، شرم و حیا کو کچل رہی تھی۔

جمیلہ بیگم کا سکتہ ٹوٹنے میں نہیں آ رہا تھا، اذان سحر بلند ہوئی تو انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی جانب نگاہ کی۔

''یا اللہ مجھے معاف کر دے، میں نے ایک بے گناہ بے آسرا یتیم لڑکی پر بدکرداری کا الزام لگا کر اسے بے گھر کر دیا، مگر تو نے آج میری آنکھیں کھول دیں، جہاں میرا پوتا میری نظروں کے سامنے کھڑا مجرم بنا تھا۔'' وہ دیر تک سجدے میں گری گریہ زاری کرتی رہیں۔

☆☆☆

''وردہ میں نے منع کیا تھا کہ تمہاری دوست

یہاں نہیں رہ سکتی۔'' مروان غصے سے بولا۔

''مروان پلیز اس وقت معاملے کی نزاکت کو جانیں اور ٹھنڈے دماغ سے سوچیں، میرے پاس اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا۔'' وردہ ملتجی انداز میں بولی۔

''وردہ میں کہتا ہوں اسے کہو یہاں سے چلی جائے۔'' یہ الفاظ مناہل کی سماعت سے اترے تو دل لرز اٹھا قسمت پھر سے دربدری کا حکم دے رہی تھی۔

''مروان وہ اس دنیا میں بالکل اکیلی ہے، وہ اس وقت کہاں جائے گی۔'' وردہ آبدیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

''یہ میرا گھر ہے کوئی دارالامان نہیں ہے، اگر تم اپنی ضد پر اڑی ہو تو خود بھی اس کے ساتھ ہی چلی جاؤ۔'' مروان کی بات پر وردہ سنائے میں آ گئی، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مرون یوں بے رحمی کا سلوک کرے گا، مناہل کو کس حوصلے سے دنیا کی بھیڑ میں کھو جانے کے لئے کہے جہاں کتنے ہی عاصم گھات لگائے بیٹھے ہیں، روتے روتے وہ نا جانے کب سو گئی، آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی، وہ جلدی سے اٹھی، کالج کے لئے تیار ہونا تھا اور مناہل کے لئے ٹھکانے کا بندوبست کرنا تھا، مناہل کے کمرے کی جانب جاتے ہوئے اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے، مناہل نے یقیناً مروان کی تمام باتیں سن لی ہوں گی، اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا، کمرے میں اندھیرا تھا، لائٹ آن کی تو خالی کمرہ دیکھ کے دل دھک سے رہ گیا۔

''تو مناہل کہیں جا چکی ہے۔'' دل نے کہا اور دماغ نے تصدیق کر دی، کارنر ٹیبل پر پڑا ہوا خط دکھائی دیا تو وہ پڑھنے لگی۔

''میری بہت پیاری اور عزیز دوست وردہ! تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا، تمہارے احسانات میں مرتے دم تک نہیں بھولوں گی، تم نے مجھے اس وقت سہارا دیا جب میں بالکل زمانے کی ٹھوکروں پر تھی، مجھے نانی جان اور مروان بھائی سے کوئی شکایت نہیں، میری قسمت میں سب لکھا تھا، نا جانے قسمت کی جھولی میں میرے لئے اب بھی کتنے دکھ اور ہیں جنہیں مجھے تنہا جھیلنا ہے، وردہ میں اپنی وجہ سے تمہاری زندگی کو مشکل میں نہیں پڑنے دوں گی، تم میری محسن ہو اور نہیں چاہتی کہ تم پریشان ہو، تمہاری بھلائیوں کا اتنا بدلہ تو دے سکتی ہوں کہ تمہارے لئے آزمائش نہ بنوں، زندہ رہی تو کبھی نہ کبھی ضرور ملاقات ہو گی، تمہاری دوست مناہل۔''

وردہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے تھے، مناہل کی دربدری اسے رلا رہی تھی نا جانے وہ کہاں ہو گی۔

''مروان آپ نے اچھا نہیں کیا، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔'' وہ دل ہی دل میں مروان سے مخاطب تھی۔

☆☆☆

مناہل کچھ نہیں جانتی تھی کہ اگلی منزل کہاں ہے، اس کے قدموں میں شکستگی تھی، بدن غم سے نڈھال اور روح زخمی تھی، دور دور تک صرف اور صرف بے بسی اور تنہائی تھی۔

''کیا کروں، کہاں جاؤں، اس دنیا میں نا جانے کتنے عاصم ابراہیم ہیں، کیا اپنی خودداری اور عزت نفس کا گلا گھونٹ دوں اور دنیا کے بھیڑیوں سے بچنے کے لئے خود کو عاصم ابراہیم کے حوالے کر دے، واپس لوٹ جائے اور عاصم کے قدموں میں گر کر پناہ مانگے۔'' سوچیں تھیں کہ بڑھتی جا رہی تھیں۔

''نہیں ہرگز نہیں۔'' خودداری زوردار

انداز میں چلائی انا اس کے قدموں کی زنجیر بن گئی۔

''نہیں مناہل عرفان ہرگز نہیں تم اس غلیظ انسان کے آگے خود کو نہیں گراؤ گی۔'' اس نے تھکی بے بس نگاہ آسمان کی وسعتوں پہ ڈالی تو کسی مہربان ہستی کی موجودگی کا احساس اس کے اندر توانائی پیدا کرنے لگا، آسمان کے بطن سے پھوٹتی روشنی اس کے اندر کے اندھیروں کو نگلنے لگی۔

''میں اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں، میرا بندہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی سنتا ہوں، بس شرط یہ ہے کہ بندہ سچے دل سے پکارے۔'' دور آسمان کی نیلاہٹوں سے ندا بلند ہوئی تو مناہل کا ہر خوف دور ہونے لگا، پیچھے مڑنے کی بجائے وہ مضبوط قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔

مناہل کی نظریں شاندار بلند و بالا عمارت پر تھیں۔

''زوہیب ٹیکسٹائل ملز۔''

''یہاں مجھے نوکری کیسے ملے گی، میرے پاس تو نہ کوئی سفارش ہے اور نہ ہی پچھلی جاب کے حوالے سے کوئی Experience certificate جن حالات میں مجھے وہاں سے نکالا گیا تھا وہاں سے کیا مل سکتا تھا۔'' تلخ سوچوں کی کتنی سوئیاں جسم میں چبھ گئیں۔

''یہاں جو تعلیمی ڈیمانڈ بھی شاندار ہو گی جو میرے پاس تو نہیں ہے۔'' اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

ابھی چند قدم ہی دور چلی تھی کہ سلور چمکدار نیو ماڈل کی گاڑی اس کے پاس سے گزری تو اس کے صاف شفاف کپڑوں پر کیچڑ کے داغ چھوڑ گئی، مناہل نے اپنے کپڑوں کو دیکھا اور دوسری کھا جانے والی نگاہ گاڑی پر ڈالی تھی، جو جتنی تیزی سے آگے بڑھی اب پیچھے آ رہی تھی، گاڑی قریب آ کر رکی، گاڑی کا مالک انتہائی شاندار شخصیت کا مالک تھا۔

''سوری مس! میں آپ کے نقصان پر شرمندہ ہوں۔'' وہ نوجوان انتہائی شائستگی سے بولا، چند ثانیے کے لئے تو مناہل حیران رہ گئی، وہ کوئی امیر زادہ تھا مگر بگڑا ہوا ہرگز نہیں تھا، وہ جو اسے دل ہی دل میں کوس رہی تھی، ایکدم نرم پڑ گئی۔

''اٹس او کے۔'' مختصراً کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

تھکے قدموں سے بس کا انتظار کرتے ہوئے وہ خود بھی نڈھال ہو چکی تھی، انٹرویو کا ارادہ تو پہلے ہی ترک کر چکی تھی اب میلے لباس کے ساتھ تو رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی تھی، وہ اپنے کپڑوں سے کیچڑ کے داغ صاف کر رہی تھی کہ ایک دردمند صدا بلند ہوئی۔

''بی بی میرا بچہ دو دن سے بھوکا ہے، کچھ اللہ کے نام پہ دے نا۔'' پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس وہ بھکارن تھی جس کی گود میں چھوٹا سا بچہ سو رہا تھا، جو تھک کرنا جانے کب کا سو چکا تھا۔

مناہل نے پرس کھولا تو واحد سو کا نوٹ پڑا مسکرا رہا تھا، جسے دیکھ کر مناہل کے گلابی لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میرے پاس تو بس یہی ہے اور بس کا کرایہ بھی دینا ہے۔'' مناہل یوں بولی جیسے پرانی شناسائی ہو۔

ویسے بھی مناہل کو اپنا آپ بھی اس بھکارن جیسا لگ رہا تھا، بس فرق اتنا تھا کہ اس نے اپنی عزت نفس کو مار کر ہاتھ پھیلانا شروع کر دیا تھا۔

''بی بی میرے پاس پچاس کا نوٹ ہے وہ تو رکھ لے اور یہ مجھے دے دے، تیرا بھی بھلا ہو

جائے گا میرا بھی بھلا ہو جائے گا۔'' بھکارن نے بچے کو ایک سائیڈ پہ لٹاتے ہوئے پھٹے پرانے دوپٹے سے مڑا تڑا پچاس کا نوٹ نکالا۔

''نہیں تم اسے بھی اپنے پاس رکھو اور یہ سو کا نوٹ بھی لے لو۔'' بھکارن کی بات پر وہ حیران رہ گئی تھی۔

''مگر بی بی تیرا بس کا کرایہ؟'' بھکارن فکر مندی سے بولی۔

''اللہ مالک ہے۔'' مناہل کے انداز میں اللہ پر توکل تھا۔

''بی بی اللہ تجھے مالا مال کرے، دونوں ہاتھ تیرے خزانوں سے بھرے، تیرا دامن خوشیوں سے بھر جائے اور دیکھنا یہ سب وہ تجھے ضرور دے گا۔'' وہ بھکارن یہ دعائیں دیتی آگے بڑھ گئی مگر مناہل اسے ابھی تک دیکھ رہی تھی۔

''دیکھنا یہ سب وہ تجھے ضرور دے گا۔'' کتنا یقین تھا اس کے لہجے میں وہ ان پڑھ ہو کر اللہ کی ذات سے مایوس نہیں تھی اور مناہل وہ تو پڑھی لکھی تھی، پھر بھی اللہ کی ذات سے مایوس تھی، بھکارن کی بات نے اس کے اندر نئی روح پھونک دی تھی، اب اس کے قدم اسی عمارت کی جانب تھے جہاں اسے انٹرویو دینا تھا۔

☆☆☆

امیدواروں کی لمبی لائن دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی، اپنے کپڑوں کو بڑے سے دوپٹے میں چھپاتے ہوئے وہ بے حد نروس تھی، وہاں لڑکیاں جو ماڈل کے روپ میں تھیں اس قدر بناؤ سنگھار جیسے فیشن شو میں شرکت کے لئے آئی ہوں، اسے دیکھ کر ہنس رہی تھیں اور کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

''مناہل عرفان!'' اپنا نام سنتے ہی وہ انٹرویو دینے کے لئے کمرے میں داخل ہو گئی۔

سامنے وہ ہی وجیہہ شخص براجمان تھا، جس کی گاڑی نے مناہل کے کپڑوں پر کیچڑ کے چھینٹے اڑائے تھے اور ایکسیکوز بھی کیا تھا۔

''ارے آپ، ہیں مناہل عرفان۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے حیرانگی سے بولا۔

''جی سر...... وہ۔'' مناہل اسے پھر سے اپنے سامنے دیکھ کر کنفیوژ سی ہو گئی۔

''پلیز آیئے نا، آپ وہاں کھڑی کیوں ہیں؟'' وہ خوشدلی سے بولا۔

''مس مناہل! Sorry once again بس انٹرویو لینے کی جلدی میں یہ حرکت سرزد ہو گئی، ورنہ یقین جانیے میں ہرگز ایسا انسان نہیں ہوں جو قیمتی گاڑی میں بیٹھ کر عام راہ گیروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جیسے ساری زمین صرف میری ہے۔'' وہ جانے کیوں وضاحت دینے لگا تھا۔

''نہیں...... کوئی بات نہیں، سر ایسا ہو جاتا ہے۔'' مناہل اس کی وضاحت پر شرمندہ سی ہو گئی۔

''ویسے مس مناہل، ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کا اکیڈمک ریکارڈ دیکھ رہا تھا، ویسے تو آپ کی کارکردگی Excellent ہے مگر اس جاب کی ڈیمانڈ کے مطابق آپ کی کوالیفکیشن کم ہے، پہلے پہل تو میرا ارادہ تھا کہ آپ کو انکار کر دیا جائے گا مگر اب۔'' اس نے ارادتاً فقرہ نامکمل چھوڑ کر شرارت بھرے انداز میں مناہل کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں ناامیدی کے سائے لرز رہے تھے۔

''مگر اب کیا سر!'' مناہل کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''مگر یہ کہ چند لمحوں پہلے جو غیر دانستہ طور پر مجھ سے زیادتی ہوئی ہے اس کے لئے تلافی کرنی ہے تو یہ جاب آپ کو دینی ہو گی۔'' وہ نوجوان

خوشدلی سے بولا، تو کتنے ہی گلاب مناہل کے چہرے پر بکھر گئے، اسے بھکارن کی ایک ایک بات یاد آرہی تھی، واقعی خدا اپنے بندوں سے بے پناہ محبت کرتا ہے، مگر بندہ اس سے مایوس ہونے میں بہت جلد بازی سے کام لیتا ہے، وہ اپنی سوچوں میں گم تھی اس بات سے بے خبر کہ دو چمکدار نگاہوں کی زد میں اس کا گلاب چہرہ تھا۔

☆☆☆

خوشی سے دیوانی ہوتی مناہل نے وردہ کا نمبر ڈائل کرنے کا سوچا ہی تھا کہ ایک تلخ سوچ دماغ کے گوشے میں ابھر آئی، تو اس نے نمبر ملانے کا ارادہ ترک کر دیا، اگر وردہ سے رابطہ کرے گی تو وہ اس کا اتا پتہ پوچھے گی، تعلقات پھر سے بڑھے تو وردہ کی شادی شدہ زندگی پھر سے ڈسٹرب ہوگی، مروان تو اس کے نام سے بھی خار کھاتا تھا، پھر سے ہنگامہ برپا ہو جائے گا، خوشی کو شیئر کرنے کا خیال اس نے دماغ کی ڈسٹ بن میں ڈالا تو اداسی لازمی امر تھی، اس کی آنکھوں میں برسات ہونے لگی، وہ کافی دیر یونہی بے حس و حرکت بیٹھی دل ہی دل میں اپنی عزیز جاں دوست سے دور ہونے پہ ماتم کر رہی تھی کہ انتہائی ضعیف شفقت بھری آواز عقب سے ابھری۔

''بیٹا! کب آئی گھر، انٹروو، منحوس مارا کیسا ہوا؟'' عصمت بی بی قدرے اٹک کر بولیں، انٹرویو کی صحیح ادائیگی نہ کر سکی تو منحوس مارا کہہ کر غصہ نکالا۔

''اماں جی! انٹرویو بہت اچھا ہو گیا، بلکہ مجھے تو جاب بھی مل گئی۔'' مناہل خوشی سے بولتے ہوئے عصمت بی بی کے گلے لگ گئی۔

''اچھا، بہت بہت مبارک ہو بیٹا۔'' عصمت بی بی نے وارفتگی سے مناہل کا ماتھا چوما۔

''بس اماں جی ایک مہینے کی بات ہے پھر میں تین مہینے کا کرایہ اکٹھا ہی ادا کروں گی۔'' مناہل مضبوط لہجے میں بولی۔

''ارے ارے لڑکی! میں نے کب تجھ سے کرایہ مانگا ہے، جب سہولت ہو دے دینا ویسے بھی تو نے جو میری اتنی خدمت کی ہے، کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور پھر رات کو روز میری بوڑھی ہڈیوں کو دبائے بغیر تو سوتی نہیں، یہ تیری سعادت مندی نے تو مجھے بھاگ لگائے ہیں ورنہ بڑی بڑی سفارش ہوتی مگر نوکری نصیب نہیں ہوتی۔'' عصمت بی بی مناہل کے صدقے واری جا رہی تھیں۔

''اماں جی آپ نے مجھ بے سہارا کو اپنے گھر میں پناہ دی، میرے لئے آپ کا احسان بہت بڑا ہے، اگر چند کام میں کر دیتی ہوں تو کیا حرج ویسے بھی آپ میری ماں جیسی ہیں، ان کی خدمت کا موقع تو نہیں مل سکا، اس لئے آپ کی خدمت کر کے دل کا سکون حاصل کرتی ہوں۔'' مناہل محبت سے بولیں۔

''بیٹا چ بہت اچھی عورت تھی فضیلہ بیگم، میرے اوپر ان کے بہت سے احسانات ہیں، مالک ہو کر مجھے انہوں نے کبھی نوکر نہ سمجھا ہمیشہ عزت دی، تمہاری بہت اچھی تربیت کی انہوں نے، اللہ جنت نصیب کرے تمہارے ماں باپ کو۔'' عصمت بی بی جو بھلے وقتوں میں مناہل کے شاندار بنگلے میں ملازمہ تھیں بیگم صاحبہ کے احسانوں کو یاد کرتے ہوئے آبدیدہ سی ہو گئیں۔

''انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کی مدد کے لئے ہی دنیا میں بھیجا ہے، ایک دوسرے کے مشکل وقت میں کام آنا ہی انسانیت کی معراج ہے، میری امی آپ کے کام آتی تھیں، تو آج کڑے وقت میں آپ نے میری مدد کی، مجھے اپنے گھر میں رکھا۔'' مناہل کے لہجے میں احساس

تشکر تھا۔
ایک سٹور نما کمرہ ملا تھا اسے رہنے کے لئے جہاں ایک چارپائی بھی نہ تھی، وہ زمین پر ہی لیٹ جاتی، نرم نرم بستر پر سونے والی مناہل ایک بار پھر سے تقدیر کے رحم و کرم پر تھی، جاب کی تلاش کرتے کرتے نڈھال ہونے لگی تھی، ہر وقت یہ فکر لاحق رہتی کہ کرایہ کیسے ادا کروں گی کہیں عصمت بی بی کی برداشت ختم ہوگئی تو وہ پھر سے سڑکوں پر آجائے گی، وردہ کے گھر سے نکل کر اسے صرف عصمت بوا یاد آئی تو جو اس مشکل وقت میں اسے سہارا دے سکتی تھی یوں وہ ان کے پاس چلی آئی تھی، آج جاب مل جانے کی وجہ سے وہ بہت خوش تھی۔

☆☆☆

زوہیب اس کے کام سے بہت مطمئن تھا، اپنی ذہانت کے باعث وہ کمپنی کی ترقی میں معاون ثابت ہوسکتی تھی، سادگی اور ملنساری کی وجہ سے وہ جلد ہی آفس میں اپنی جگہ بنا گئی تھی۔
گلاس وال سے باہر کا منظر بخوبی دکھائی دے رہا تھا، پنک سوٹ میں ملبوس وہ زوہیب کی نظروں کے حصار میں تھی، سلیقے سے سر پر رکھے دوپٹے نے اسے خاصا باوقار بنایا ہوا تھا، وہ اپنے کام میں بری طرح سے مصروف تھی، بظاہر تو زوہیب کالز اٹینڈ کر رہا تھا مگر دھیان میں وہ کامنی سی لڑکی تھی، جس سے بات کرنا اچھا لگنے لگا تھا، راتوں کو اکثر مناہل کا گلاب چہرہ اس کے تصور میں مہکنے لگتا تو وہ قدرے حیرت زدہ سا ہونے لگتا، یہ کیا ہے وابستگی یا پھر محبت۔
''مس مناہل آپ نے کبھی اپنے بارے میں کچھ بتایا نہیں، میرا مطلب ہے اپنی فیملی کے بارے میں؟'' زوہیب بے تکلفی سے بولا۔
''سر! میں اس آفس میں کام کرنے آتی ہوں، پرسنل ایشوز ڈسکس کرنے نہیں۔'' مناہل سرد لہجے میں بولی۔
''دیکھئے مس مناہل، ہم سب دوستوں کی طرح ہوتے ہیں اور دوستوں کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے۔'' زوہیب اس کی سرد مہری کو نظر انداز کرتے ہوئے خوشدلی سے کہا۔
''سر! مالک اور ملازم میں دوستی نہیں ہوسکتی، ویسے بھی مرد و عورت کی دوستی کی بالکل قائل نہیں ہوں۔'' مناہل ناگواری سے کہتے ہوئے چلی گئی تھی اس بات سے بے خبر کہ زوہیب کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔
مناہل کی بے نیازی کے باوجود زوہیب اس کے ساتھ کا خواہاں تھا، زوہیب کے دل میں اس کا مقام کچھ اور بلند ہوگیا تھا، وہ صرف ظاہری حسن نہیں رکھتی تھی بلکہ باطنی حسن سے بھی مالا مال تھی۔

☆☆☆

ایسا بھی کیا کہ روح میں گھلا غم نہیں مٹتا
مجھ سے میرے احساس کا پھیلاؤ نہیں سمٹتا
آنکھوں میں چبھ رہی ہیں کرچیاں خوابوں کی
دل مضطر کو ٹوٹنے کا غم کیوں نہیں گھٹتا
ہونا تھا یہی اک دن گماں رہتا مجھ کو
اک پل بھی دھیان مگر اس سے نہیں ہٹتا

رات کے آخری پہر موبائل فون جگنو کی مانند جگمگایا تو مناہل نے حیرت سے گھڑی کو دیکھا ابھی وہ حیرت سے میسج پڑھ رہی تھی کہ دوسرا میسج گنگنا اٹھا۔

کوئی ٹونا کوئی منتر
کوئی تعویذ ہو ایسا
کہ جس کو گھول کر پی لیں
تو پھر وہ میرا بن جائے
فقط دو بوند نہ برسے

www.urdusoftbooks.com

نہ ہلکی بوندا باندی ہو
جھڑی ہو جیسے ساون کی
گھٹا بن کر برس جائے
میں اس کے روٹھ جانے پر
مناؤں تو من جائے
ہو میری خوشی میں خوش
وہ میرے بن نہ رہ پائے
کوئی ٹونا کوئی منتر
کوئی تعویذ ہو ایسا
کہ جس کو گھول کر پی لے
تو پھر وہ میرا بن جائے

''گھٹیا، کمینہ انسان۔'' زوہیب کا نمبر رات کے اس پہر دیکھ کر مناہل کا خون کھول اٹھا تھا۔

''مجبوری نہ ہو تو، دل چاہ رہا ہے کہ جاب اس گھٹیا اور چھچھورے انسان کے منہ پہ مار آؤں۔'' مناہل تپ اٹھی۔

صبح اٹھی تو مارننگ میسج اسکرین پر جگمگانے لگا۔

لفظوں کی تمہید مجھے باندھنی نہیں آتی
کثرت سے یاد آتے ہو سیدھی سی بات ہے

آفس کے لئے تیار ہوتے ہوئے وہ دل ہی دل میں زوہیب کا دماغ ٹھکانے لگانے کا سوچ رہی تھی، ایک اور عاصم ابراہیم اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔

☆☆☆

''سر! میں آپ کو بہت مہذب اور شریف آدمی سمجھتی تھی مگر آپ بھی دوسرے مردوں کی طرح نکلے۔'' آفس پہنچ کر وہ آندھی طوفان کی طرح اس کے روم میں بلا اجازت داخل ہوتے ہوئے بولی۔

زوہیب کے لبوں پہ بکھری مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی، وہ اس کے اسی ردعمل کی توقع کر رہا تھا۔

''ارے مس مناہل! ایسا کیا ہو گیا ہے جو آپ یوں ری ایکٹ کر رہی ہیں، بھئی آپ تو بہت خشک مزاج نکلی، ایک دوست کو میسج کا جواب تک نہ دیا، میں کافی دیر منتظر رہا۔'' زوہیب اس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے انتہائی نارمل انداز میں بولا۔

''دوست دوست...... دوست...... کتنی بار کہہ چکی ہوں میں آپ کی دوست نہیں ہوں۔'' مناہل غصے سے آپے سے باہر ہونے لگی۔

''اوکے مس مناہل اوکے، اگر مرد و عورت میں دوستی نہیں ہوتی تو محبت تو ہو سکتی ہے نا۔'' زوہیب نے کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا، تو نہ جانے کیوں مناہل گڑبڑا کر رہ گئی تھی، ان نگاہوں میں محبت کا اک جہاں آباد تھا، وہ گھبرا کر جانے کے لئے پلٹی تھی کہ زوہیب کی آواز پر رک گئی۔

''پلیز مناہل! میرے جذبے کو سمجھو، محبت کرنے لگا ہوں تم سے، یہ سب کچھ نا جانے کیسے ہوا میں نہیں جانتا، ہر پل تم ہی میرے تصور میں رہتی ہو، میں تم سے کوئی دل لگی نہیں کر رہا، بلکہ تمہیں اپنانا چاہتا ہوں، شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' زوہیب کے لہجے میں بے بسی تھی۔

مناہل اسے متحیر نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی تھی، اسے بالکل امید نہیں تھی کہ زوہیب یوں کھل کر اظہار محبت کر ڈالے گا، بلکہ پرپوز بھی کر دے گا، پیشانی پہ پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے، وہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔

''کیا بات ہے مناہل بیٹا، ابھی تک جاگ رہی ہو۔'' رات کو عصمت بی بی نے اسے جاگتے ہوئے دیکھا تو حیرت زدہ سی ہو گئیں۔

''بس اماں نیند نہیں آ رہی۔'' مناہل تھکی تھکی

آواز میں بولی۔

''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟''
عصمت بی بی نے فکرمندی سے اس کی پیشانی کو چھوا۔

''ٹھیک ہے اماں۔'' مناہل کا لہجہ پرسوچ تھا۔

''اماں ایک بات پوچھوں؟'' وہ ایکدم بولی تھی۔

''ہاں میری بچی پوچھو۔'' عصمت بی بی نرمی سے بولی۔

''اماں! آپ نے تو ایک عمر گزاری ہے مرد کے دل کا سچ معلوم کرنے کا کون سا پیمانہ ہوتا ہے۔'' مناہل پوچھنے لگی۔

''ارے بیٹا! عورتوں کی طرح ہر مرد بھی دوسرے مرد سے مختلف ہوتا ہے جس مرد کا دل میلا ہوتا ہے اس کی آنکھوں میں ہوس کے رنگ نمایاں ہوتے ہیں، وہ عورت کو احترام وعزت کی نظر سے نہیں دیکھتا، وہ عورت کے ساتھ مکر و فریب کرتا ہے، وہ مرد عورت کو اذیت دیتا ہے اور اس کے لئے جس حد تک بھی جانا پڑے جاتا ہے، مگر اچھا مرد ایسا نہیں ہوتا، اس کی آنکھوں میں محبت کے رنگ ہوتے ہیں، بعض اوقات وہ کسی بھی لمبے پھیر میں نہیں پڑتا بلکہ شادی کا اظہار کر دیتا ہے، بھئی ہم نے تو یہی اندازہ لگایا ہے مردوں کے بارے میں۔'' عصمت بی بی وضاحت سے بولیں۔

مناہل مزید الجھ گئی تھی، زوہیب کی نگاہوں میں عاصم ابراہیم کی طرح اذیت پسندی نہیں تھی، ایک انوکھا جذبہ تھا، جو مناہل کو اپنی طرف کھینچنے لگا تھا، مگر وہ انکاری تھی، بھلا وہ کیوں ایک انجان انسان کی بات پر اعتبار کر لیتی جس کے بارے میں ذرہ برابر بھی نہیں جانتی، مگر ایسا کچھ تھا کہ وہ زوہیب کا سامنا کرنے سے گھبرا رہی تھی، آفس بھی نہیں جا پا رہی تھی۔

☆☆☆

''سر آپ؟'' اگلے دن زوہیب کو اپنے گھر دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

''اندر آنے کا نہیں کہیں گی۔'' زوہیب دلکشی سے مسکرایا۔

''پلیز، سر اندر آ جائیں۔'' مناہل گڑبڑا کر بولی۔

''مس مناہل آپ آفس نہیں آ رہی تھی، سوچا خود ہی جا کر خیریت معلوم کر لوں۔'' زوہیب اپنائیت سے بولا، مناہل نظریں جھکائے نا جانے کیا سوچ رہی تھی۔

''مس مناہل کیا آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہے۔'' زوہیب اس کی خاموشی پر بولا۔

''سر! آپ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں، مجھے بہت مشکل سے یہ جاب ملی ہے آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ جاب بھی چھوڑ دوں، محبت آپ کا مسئلہ ہے اسے میرے لئے تو عذاب نہ بنائیں۔'' مناہل روہانسی ہو گئی۔

''مناہل! میں آپ کی زندگی کی مشکلات بڑھانے نہیں آیا بلکہ آپ کی زندگی کو خوشیوں سے بھرنے آیا ہوں، آپ کو اندازہ نہیں میری محبت کا، ورنہ خود کو خوش قسمت لڑکی سمجھیں کہ کوئی ہے جو آپ سے اتنی خالص محبت کرتا ہے کہ آپ کو کھونے سے ڈرتا ہے۔'' زوہیب بولا تو مناہل اسے متعجب نظروں سے دیکھنے لگی۔

''مس مناہل! آپ کے سامنے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ میرے جذبوں کی صداقت کو اپنے دل میں جلتی شک کی شمع پہ رکھیے گا ضرور، مجھے یقین ہے میری محبت کی ٹھنڈک آپ کی شک کی آگ کو ضرور بجھا دے گی۔''

زوہیب مضبوط انداز میں بولا۔
وہ کب کا جا چکا تھا مگر مناہل ابھی تک الجھی ہوئی تھی، پہلی بار محبت کے حسین جذبے کے بارے میں سوچنے لگی تھی، جس کے وجود سے وہ اب تک انکاری تھی، اس کی زندگی تو رنج والم کا مرکب تھی، جس میں گھر کر وہ محبت سے تو کبھی آشنا نہ ہو پائی تھی، محبت نے پہلی بار اس کے دل پہ دستک دی تھی تو مناہل بے کلی سی ہو رہی تھی، زوہیب کی شاندار شخصیت کسی بھی لڑکی کا خواب ہو سکتی تھی، محبت اس کے دل میں ہلچل سی مچانے لگی تھی، لبوں پہ دلفریب مسکراہٹ بکھر گئی، ہر شے مسکرانے لگی تھی۔

عجیب ہوتی ہے محبت
نصیب والوں کے دل میں جب بھی یہ جاگتی ہے
تو پہلے نینداڑ جاتی ہے
یہ جھومتی ہے یہ ناچتی ہے
یہ چھیلتی ہے یہ بولتی ہے
ہر ایک لمحہ ہر ایک وعدے کو تولتی ہے
یہ اپنے پیاروں کو مارتی ہے
صلیب ہوتی ہے یہ محبت
کبھی کبھی تو بس آپ اپنی رقیب ہوتی ہے یہ محبت
عجیب ہوتی ہے یہ محبت
لہو کی صورت رگوں میں دوڑتی ہے
یہ خواب بن کر نظر میں ٹھہرے
سحاب بن کر فلک سے برسے
ہر اک گلی میں ہو رقص اس کا
عجیب ہوتی ہے یہ محبت
کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے یہ محبت!

عصمت بی بی کو بھی زوہیب اچھا لگا تھا، وہ بھی اس بات کی خواہاں تھی کہ مناہل زوہیب کا ہاتھ تھام لے۔
زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کرنے جا رہی تھی، وہ خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہی تھی، وردہ کی کمی بہت محسوس ہو رہی تھی، وہ ہر معاملے میں ایک دوسرے سے مشورہ ضرور کرتی تھیں، مگر آج ظالم سماج نے ان دونوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی تھیں، مروان کا خیال آتے ہی اس کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔
''وردہ تم کہاں ہو؟'' مناہل نے اسے پکارا تو دوستی کی بھینی بھینی مہک اس کے اردگرد بکھرنے لگی۔
''مناہل میری جان، جب بھی کسی معاملے میں خود کو تنہا پاؤ اور فیصلے کرنے میں دشواری ہو، کوئی عزیز یا دوست بھی پاس نہ ہو تو اللہ پہ توکل کرنا، دل کی سنتا اور عقل کی انگلی تھامنا اور محوسفر ہو جانا۔'' وردہ کی آواز گونجی، مناہل کے لب مسکرانے لگے تھے، چہرہ گلاب کی مانند کھل اٹھا۔
''مناہل اگر کسی شخص کو تم سے محبت ہو جائے تو اس کی محبت کو قبول کر لینا بے شک تم اس سے محبت یا چاہت محسوس نہ بھی کرو، مگر یاد رکھنا کہ اس کا تمہاری طرف مائل ہونا خدا کی طرف سے ہے اور خدا ہی انسانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے سچی محبت ڈالتا ہے۔'' مناہل کو محبت کی سچائی پہ یقین آنے لگا تھا۔

☆☆☆

مناہل دلہن بنی بیٹھی سجے سنورے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی، اللہ نے اسے کسی قدر نواز دیا تھا، ماں باپ کے جانے کے بعد تو ٹھوکریں اس کا مقدر بنی تھیں، مگر آج اللہ نے اک صبر کا پھل عطا کیا تھا، ہر خوشی کے موقع پہ انسان کو اپنا بہت ہی پیارا یاد آ جاتا ہے مناہل کو وردہ کی یاد پھر سے ستانے لگی تھی۔
''کاش وردہ مجھے یوں دلہن بنا ہوا دیکھ پاتی۔'' دل نے خواہش کی۔

''وردہ دیکھ لو تمہاری دعاؤں کا ثمر، کہ راہوں میں خوشیوں کے ان گنت جگنو چمک رہے تھے۔'' مناہل کی آنکھیں بھیگنے لگیں، زوہیب کے قدموں کی آہٹ پہ وہ سمٹ کر رہ گئی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو مناہل۔'' زوہیب کی پرشوق نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔

مناہل کے چہرے پہ شرگیں مسکراہٹ بکھر گئی پلکوں کی جھالر گراتے ہوئے وہ بے حد حسین لگی تھی زوہیب مبہوت رہ گیا تھا۔

''مناہل میں نے پوری سچائی سے تمہیں اپنی زندگی میں شامل کیا ہے، اپنے متعلق ہر بات بتا دی ہے تم مجھے پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھی، نہ جانے کیسے تمہاری محبت میں بے بس ہو گیا، اس شادی میں میری غرض بھی ہے مگر خود غرضی نہیں، میں نے پوری ایمانداری سے تمہیں اپنی زندگی کے بارے میں بتا دیا ہے، تمہارے حسن کے علاوہ تمہارا باطنی حسن بھی مجھے تمہارے قریب لایا ہے، میں تمہارے ساتھ پورا انصاف کروں گا، تمہارے تمام حقوق پورے کروں گا مگر میری ایک درخواست ہے کہ یہ شادی خفیہ رہے گی، کیونکہ میں اپنی پہلی بیوی سے بے انتہا محبت کرتا ہوں۔'' زوہیب عاجزی سے بولا۔

''آپ فکر نہ کریں، مجھے آپ کا ساتھ مل گیا، کیا میں اتنا بھی ظرف نہیں دکھا سکتی کہ اس عورت کا احساس کر سکوں، کیونکہ دوسری عورت میں ہوں تو ظرف بھی مجھے ہی بڑا رکھنا ہوگا۔'' مناہل نے کہتے ہوئے زوہیب کے ہاتھ پہ اپنا موی ہاتھ رکھا تو زوہیب مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆

صبح وردہ کی آنکھ کھلی تو مروان کو اپنے پہلو میں سویا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''مروان آپ کب آئے؟'' ساری رات آپ کا فون آف تھا، سارا دن آپ آفس میں بھی نہیں تھے، وردہ اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہوئی تو اس کو جگانے پر مجبور ہو گئی۔

''ضروری میٹنگ تھی۔'' مروان خوابیدہ آواز میں بولا۔

''کتنی بھی ضروری میٹنگ تھی مگر آپ اطلاع تو دے سکتے تھے، فون کیوں آف کیا؟'' وردہ نے اس کے منہ سے تکیہ ہٹاتے ہوئے غصے سے کہا۔

''سوری یار آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' مروان کا نیند سے برا حال تھا، مروان کی روٹین میں ایکدم بہت تبدیلی آ گئی تھی۔

''شاید کوئی حادثہ ہو گیا ہو اور میری پریشانی کی وجہ سے چھپا رہے ہوں۔'' وہ سوچ کر مطمئن ہونے لگی۔

وہ اکثر اپنے فون میں بزی رہتا، رات کو اٹھ کر بھی کال کرتا، مگر وردہ کے ساتھ اس کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، یہ بات ہی اسے اطمینان دلاتی تھی۔

''مروان آپ بہت مصروف رہنے لگے ہیں، اب تو رات کو بھی بزی ہوتے ہیں۔'' وردہ نے ناشتے کی میز پر مروان سے شکوہ کیا۔

''ارے جناب کام بہت بڑھ گیا ہے۔'' مروان چائے پیتے ہوئے بولا۔

''کیوں کرتے ہیں اتنا کام۔'' وردہ جھنجھلائی۔

''میں اپنے بزنس کو پوری دنیا میں پھیلانا چاہتا ہوں۔'' مروان جوش سے بولا۔

''مگر کس لئے؟ ہماری تو کوئی اولاد بھی نہیں ہے تو پھر کس کے لئے اتنی محنت کر رہے ہیں'' وردہ کا لہجہ بھیگنے لگا تو مروان گھبرا اٹھا۔

''وردہ تم کیوں ایسی باتیں سوچتی ہو، ابھی بھی ہماری شادی کو تین سال ہی ہوئے ہیں، لوگوں کو دیکھو پندرہ پندرہ سال اس نعمت سے محروم رہتے ہیں، اللہ ہمیں ضرور اولاد سے نوازے گا۔'' وردہ کو دکھی وہ بالکل نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''مروان آپ بہت اچھے ہیں، کبھی مجھے اس محرومی پہ طعنہ نہیں دیتے ورنہ عام مرد ایسا حوصلہ کہاں دکھاتے ہیں۔'' وردہ اس کی محبت پہ نہال ہونے لگی۔

''وردہ اولاد تو مرد کی قسمت سے ہوتی ہے، اس معاملے میں عورت کو قصوروار ٹھہرانا عقلمندی نہیں، میں ایسا تنگ نظر نہیں ہوں۔'' مروان بولا۔

''مروان آپ کبھی دوسری شادی تو نہیں کریں گے؟'' وردہ نے وعدہ مانگا مگر اسی پل موبائل کی بیل گنگنا اٹھی تو وردہ کی بات ادھوری رہ گئی، مروان فون پہ مصروف ہو چکا تھا۔

☆☆☆

مناہل کو وردہ کی یاد شدت سے ستانے لگی تو دل و دماغ رابطہ کرنے کے لئے مجبور کرنے لگے۔

''اب تو میں اپنے گھر میں ہوں، وردہ کو اب میری وجہ سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے، اور نہ ہی مروان بھائی کو کسی قسم کا اعتراض ہونا چاہیے۔'' یہ سوچ آتے ہی اس نے وردہ کا نمبر ڈائل کیا۔

دو بچھڑی سہیلیاں ایک زمانے کے بعد ہم کلام ہوئیں تو آنکھوں میں برسات شروع ہو گئی۔

''مناہل میری جان، تم کہاں چلی گئی تھی یوں بتائے بغیر تمہارے لئے بہت پریشان ہوتی تھی، نا جانے تم کس حال میں ہو گی، کہاں رہو گی کیا کروں گی، راتوں کو اٹھ اٹھ کر تمہارے لئے دعائیں مانگتی تھی، مناہل مجھے معاف کر دوں میں پوری طرح سے تمہارے کام نہ آ سکی۔'' وردہ جذباتی ہوتے ہوئے بولی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، یہ تمہاری وہ پر خلوص دعائیں ہی ہیں کہ میں اتنی آسودہ زندگی گزار رہی ہوں، میری شادی ہو چکی ہے۔'' یہ الفاظ سنتے ہی وردہ کے قدم زمین پہ رکھنا محال ہو گئے، وہ فوراً مناہل کے گھر جا پہنچی تھی، گھر کیا تھا شاندار محل تھا، جہاں مناہل ملکہ کی طرح راج کر رہی تھی اس کے چہرے پر گلاب کھلے تھے۔

''مناہل میرا دل کہتا تھا مناہل ایک دن تمہارے صبر کا انعام ضرور ملے گا، تمہاری ہر محرومی دور ہو گی، اور میں تم سے ضرور ملوں گی، مناہل میں جانتی ہوں مروان کی باتوں کی وجہ سے تم گھر چھوڑنے پر مجبور ہوئی، عاصم بھائی کے گھٹیا سلوک نے تمہارا جینا دوبھر کیا تو نانی جان نے بھی تم پر بھروسہ نہ کیا اور تمہیں گھر سے نکل جانے کا کہہ دیا، میں یہ سوچ کر ہمیشہ نادم رہتی کہ میری ذات سے تمہیں صرف دکھ ہی ملے۔'' وردہ آبدیدہ ہو گئی۔

''وردہ تم کیوں شرمندہ ہوتی ہو، تم تو ایک عورت ہو جو مکمل بااختیار تو نہیں ہو سکتی، وہ کسی نہ کسی حوالے سے مرد کی مرضی کی محتاج ہوتی ہے، مگر دیکھو تمہاری ہر دعا میرے حق میں قبول ہوئی، آج میری زندگی ڈھیروں خوشیوں سے بھری ہوئی ہے، اب تم اور میں باآسانی مل بھی سکتے ہیں، اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے، مگر ہم ناقص العقل سمجھ نہیں پاتے۔'' مناہل دل ہی دل میں اللہ کے احسانوں پر شکر گزار تھی۔

''اچھا چھوڑو سب باتیں، اس موقعے پر رونا دھونا بند کرو، ہم صرف خوشیاں شیئر کریں

گے۔'' مناہل نے وردہ کے آنسو پونچھے۔
''اچھا محترمہ، ذرا ان محترم کا دیدار تو کروایئے جس نے اتنی محبت دی ہے ہماری شہزادی کو کہ وہ اور بھی حسین ہوگئی ہے۔'' وردہ شوخی سے بولی، وردہ کی بات پر مناہل حیاء سے سرخ ہوگئی۔
''ارے ارے دولہا بھائی کے نام پہ یہ حال ہے تو ان کے سامنے شرم وحیاء کا کیا عالم ہوگا۔'' وردہ نے کہتے ہوئے معنی خیزی سے اسے کہنی ماری۔
''وردہ، زوہیب اس وقت گھر پرنہیں ہیں، ہاں یہ موبائل میں ان کی تصویر دیکھ لو۔'' مناہل نے مسکراتے ہوئے اسے موبائل پکڑایا اور خود کچن میں چلی گئی، وردہ کی شوخی بھری آواز ایکدم خاموش ہوگئی تھی۔
''کیا بات ہے تمہارا والیوم کیوں بند ہو گیا۔'' مناہل نے وردہ کی خاموشی کومحسوس کیا تو پوچھا۔
''یہ...... یہ...... کک...... کون؟'' وردہ کی آواز کسی کھائی سے آئی تھی۔
''ارے...... یہی تو ہیں تمہارے دولہا بھائی، زوہیب۔'' مناہل نے زوہیب کی تصویر پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
وردہ کو لگا کہ کتنے ہی شہاب ثاقب ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے، آسمان پر بجلی کڑکی کہ آنکھیں چندھیا گئیں، اس کا وجود صحرا میں بکھری ریت کی طرح اِدھر اُدھر اڑنے لگا۔
''کیا ہوا خاموش کیوں ہوگئی ہو؟ کیسے لگے تمہیں زوہیب۔'' مناہل اس کی کیفیت سے بے خبر بولی۔
''نہیں کچھ نہیں، بس اب میں چلتی ہوں، پھر آؤں گی؟'' وردہ نے بمشکل اپنے گرتے وجود کو سنبھالا۔
اپنے کندھوں پہ اپنی لاش گھسیٹ رہی تھی وہ، دل تو چاہ رہا تھا کہ ماتم کرے ساری دنیا کو آگ لگا دے، مروان نے اسے دھوکہ دیا تھا، اس کی ہی دوست سے شادی کرلی تھی۔
بارش ہوتی جارہی تھی، وہ ہر احساس سے بے نیاز چلتی جارہی تھی، ہوش آیا تو وہ ایک مزار کے ساتھ کھڑی تھی، وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں ہے۔
مروان، زوہیب...... مناہل کا شوہر، یہی بات کانوں میں گونج رہی تھی، مروان نے دوسری شادی کرلی، ہوا چلتے ہوئے دیئے بجھانے کے در پہ تھی، دور کہیں سے اسے اپنی ہی الفاظ کی بازگشت سنائی دی۔
''اللہ کرے ہم ہمیشہ ساتھ رہیں بلکہ مناہل میری اور تمہاری شادی بھی ایک ہی آدمی سے ہو تو کتنا مزہ آئے گا۔''
''پاگل لڑکی! ایسی دعائیں نہیں کرتے جس میں خود آزمائش کو دعوت دی جارہی ہو اور جب وہ آزمائش ہم پر پڑے تو ہم برداشت نہ کر پائیں، اس لئے دعائیں ہمیشہ سوچ سمجھ کر مانگنی چاہیے۔'' مناہل کی آواز ابھری۔
''ارے لڑکی باؤلی ہوگئی ہے، کیسی دعا مانگ رہی ہے۔'' نانی جان نے اسے ڈانٹا تھا۔
''چھوڑیں نا نانی، کتنا مزہ آئے گا ہم بہت انجوائے کریں اور ایک جیسے کپڑے پہنے گی۔'' وردہ لاپروائی سے بولی۔
''اری او بد دماغ لڑکی، چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں جب عورت پہ سوتن آتی ہے، دل چاہتا ہے کہ یا تو خود کو آگ لگا کر ختم کرلے یا پھر اسے مار ڈالے۔'' نانی جان نے نصیحت کی۔
کیا واقعی دعا قبول ہوگئی تھی، وہ اور مناہل

ایک ہی شخص کے نکاح میں تھیں، وہ رو رہی تھی تڑپ رہی تھی، جیسے صف ماتم بچھی ہو مگر میت بھی اپنی ہی ہو وہ ابھی بھی بے یقین تھی کہ مناہل اس کے مروان کی دلہن تھی، وہ دعا جو اس نے ہر گھڑی کی تھی وہ پوری ہو چکی تھی۔

''نہیں......نہیں یہ سب جھوٹ ہے ڈراؤنا خواب ہے، میری دعا واپس لوٹ جائے مجھے نہیں یہ دعا قبول کروانی، مجھے صرف میرا مروان چاہیے، وہ صرف اور صرف میرا ہے۔'' وہ دیوانوں کی طرح رونے لگی۔

''آپ تو اللہ کے ولی ہیں، وہ آپ کی ضرور سنتا ہے، میری عرض اس کے حضور پہنچا دیں کہ بیوقوفی میں جو دعا میں نے مانگی، وہ مجھے قبول نہیں کروانی، مجھے مناہل اپنی سوتن کی صورت منظور نہیں، مجھے میرا مروان چاہیے، وہ صرف میرا ہے میں کسی قیمت پہ اسے کسی دوسری عورت کے حوالے نہیں کروں گی۔'' وہ صاحب مزار سے یوں مخاطب تھی جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھے اس کی بات سن رہے ہوں، دل کو ایک پل قرار نہیں تھا۔

''تم ہی تو دل و جان سے یہ دعا کرتی تھی کہ مناہل اور تم کبھی جدا نہ ہوں، آج جب یہ دعا قبول ہوگئی ہے تو یہ آہ و بکا کیسی، یہ تڑپنا کیسا؟ یہ شکوہ کیوں؟ اور یہ ماتم کیوں؟'' دل کے گنبد سے صدا آئی تو وردہ گنگ رہ گئی تھی، ہوا کے تند و تیز جھونکے طاقچوں میں پڑے چراغ گل کر چکے تھے، اسے اپنا آپ بھی ایک چراغ کی مانند لگ رہا تھا جو بجھنے کے قریب تھا، کافی دیر بعد وہ ریت کی طرح بکھرا وجود سمیٹے گھر میں داخل ہوئی تھی کہ مروان کو اپنا منتظر پایا۔

''وردہ کہاں رہ گئی تھی، تمہارا فون کہاں تھا اور یہ تم بھیگی ہوئی کہاں سے آ رہی ہو؟'' مروان کے ان گنت سوالات کے جوابات میں دوسری طرف خاموشی تھی، کھوئی کھوئی نظریں۔

''وردہ چپ کیوں ہو، کچھ بولتی کیوں نہیں ہو۔'' مروان زچ ہوتے ہوئے بولا۔

''ایک دوست سے ملنے گئی تھی۔'' وردہ کی آواز اسے خود اجنبی لگ رہی تھی۔

''یہ کون سی دوست ہے جس کے پاس جا کر ایک کال نہیں کر سکتی تھی؟'' مروان اس کی لاپرواؤئی پر سٹپٹاتے ہوئے بولا۔

''ایک ہی تو بیسٹ فرینڈ ہے میری، کافی دنوں بعد ملی تھی اسی لئے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔'' وردہ ضبط کرتے ہوئے بولی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر مروان کو سب بتا ڈالے اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے سچ بتائے، مگر وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پائی تھی اندر ہی اندر سسکیوں کو دبانے لگی۔

''کون فرینڈ؟'' مروان حیران ہوا۔

''مناہل!'' وردہ نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی جہاں پل بھر کے لئے ایک رنگ آیا تھا۔

''اوہ تو اس کا نام مناہل ہے۔'' مروان قدرے ریلیکس انداز میں بولا۔

''اچھا نام ہے نا۔'' وردہ قدر چبھتے ہوئے انداز میں بولی۔

''ارے......اچھا ہو یا برا...... مجھے کیا لینا دینا ہے، بس تم اسے یہاں نہ لے آنا۔'' مروان اس کے عجیب و غریب سوال پر حیران ہوتے ہوئے بولا، مروان ابھی تک اپنے موقف پہ قائم تھا۔

''بے فکر رہیے، وہ اب ہمارے گھر میں رہنے نہیں آئے گی، شادی ہوگئی ہے اس کی، رانی بنا کر رکھا ہے اس کے شوہر نے۔'' وردہ طنزیہ

انداز میں بولی۔
''اوہ تو زبردست، یعنی کہ یہ خطرہ تو ہمیشہ کے لئے ٹل گیا ہے۔'' مروان خوشگوار حیرت سے بولا۔
اس کے چہرے کی خوشی دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی، وہ یوں پوز کر رہا تھا جیسے وہ مناہل کو جانتا تک نہ ہو۔
''واہ مروان واہ، آپ کی اداکاری کا تو جواب نہیں، کہاں اسے اپنے گھر میں رکھنے کو تیار نہ تھے، کہاں یہ حال کہ اسے ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی میں شامل کر لیا ہے، مروان آپ نے سخاوت کی اعلیٰ مثال قائم کر دی ہے۔'' وردہ نے دل ہی دل میں زہر اگلا۔
''کہاں کھو گئی ہو؟'' وہ اس کی کیفیت سے بے خبر بولا۔
''ایک بات پوچھوں مروان؟'' وردہ نے پوچھا۔
''پوچھیے محترمہ، اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔'' مروان نے اس کے گیلے وجود کو بانہوں میں بھرتے ہوئے شوخی سے کہا۔
''مروان اگر آپ کی زندگی میں کوئی دوسری عورت آ جائے تو؟'' وردہ نے جانے کیا سوچتے ہوئے اچانک سوال کیا۔
''وردہ کیا فضول باتیں کر رہی ہو، اپنی دوست سے مل کر آئی ہو پھر بھی تمہارا موڈ خراب ہے۔'' مروان ناراضگی سے بولا۔
''مروان مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔'' وردہ کا لہجہ سپاٹ تھا۔
''کیوں ایسی باتیں کرتی رہتی ہو، میری زندگی میں تمہاری جگہ کوئی عورت نہیں لے سکتی۔'' مروان نے اس کا ہاتھ محبت سے تھامتے ہوئے کہا۔
''مروان آپ فرض تو کریں۔'' وردہ کے لہجے میں نا جانے کیا تھا کہ مروان چونکا۔
''ٹھیک ہے فرض کرتا ہوں، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کوئی دوسری عورت میری زندگی میں آ بھی گئی تو تمہاری جگہ نہیں لے سکتی، میں تمہیں خود سے کبھی علیحدہ نہیں کروں گا، بے شک تمہاری محبت نفرت میں بدل جائے پھر بھی میں تم سے محبت کرتا رہوں گا۔'' مروان نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔
دونوں کے درمیان فسوں خیز خاموشی چھا گئی تھی، مروان وردہ کے ہر انداز پر الجھ رہا تھا، کچھ تھا جو مروان کے علم میں نہیں تھا، مگر وردہ کسی گہری سوچ میں تھی۔
''وردہ لائٹ بند کر دو، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' مروان اب بیزار ہو چکا تھا۔
''کیوں آج آپ کی نائٹ ڈیوٹی نہیں ہے؟'' وردہ کہہ کر لائٹ بند کیے بغیر باہر نکل گئی، مروان کی حیران نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا، ساری رات مروان سو نہیں پایا تھا، اسی الجھن میں گھرا رہا تھا۔
آنے والے دنوں میں بھی وردہ کا انداز نا قابل فہم ہوتا جا رہا تھا، وہ یا تو خاموش رہتی یا پھر طنزیہ گفتگو کرتی، کچھ ایسا تھا کہ ان دونوں کے درمیان ایک نامعلوم سا تناؤ آ گیا تھا۔
وردہ اپنے آپ کو بھری دنیا میں تنہا محسوس کر رہی تھی، دوستی اور محبت پر تو جیسے اعتبار اٹھ چکا تھا، وہ مروان کو مصروف دیکھتی تو سوچتی ضرور مناہل سے بات کی جا رہی ہے، راتوں کو وہ غائب ہوتا تو، وردہ کی جان جل جاتی، ضرور مناہل کے پاس ہوگا۔
''یا اللہ میں تو نا سمجھ تھی، تو نے میری نا سمجھی کی دعاؤں کو کیوں قبول کیا؟'' تنہائی میں رب

سے شکوہ کناں ہوتی۔

دل چاہتا ہے کچھ ایسا لکھوں
لفظوں کی آہیں نکلیں
قلم سے لہو ٹپکے
کاغذ پہ درد بکھرے
میری خاموشی ٹوٹے
پھر اس اذیت سے جان چھوٹے

☆☆☆

''مناہل میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، تم نے میری محبت میرا مروان مجھ سے چھینا ہے۔'' وہ بلک بلک کر روئی، مگر یہ روگ بھی تو اپنے ہاتھوں اسے لگا تھا، اب کس کا گریبان پکڑتی، اب یہ رونا تو عمر بھر کا تھا۔

''مناہل تم کتنی احسان فراموش ہو، میرے ہی شوہر سے شادی کرتے ہوئے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی، اپنے حسن کے جال میں پھنسا کر کبھی تم بھی سکھی نہیں رہو گی، میں جانتی ہوں مروان اور تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے بھی تم لوگوں نے مل کر میرے خلاف سازش کی ہے۔'' وہ تنفر سے الٹا سیدھا سوچتی، اپنی سوتن کے لئے دن رات بددعا کرنے لگی۔

''وردہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، نہ پہلے کی طرح بات کرتی ہو، تمہیں یاد ہے کہ ہم نے ایک معاہدہ کیا تھا کہ کبھی کوئی بھی ایشو ہوا تو ہم اسے ایک دوسرے سے شیئر کریں گے۔'' مروان اتنے دنوں کی سرد مہری سے اکتاتے ہوئے بولا۔

''جی بالکل یاد ہے مگر جناب وہ معاہدہ تو آپ خود توڑ چکے ہیں تو بھلا میں اس کی تنہا پاسداری کیسے کروں۔'' وردہ بظاہر سادہ انداز میں بولی مگر الفاظ کی کڑواہٹ مروان کے اندر اتر گئی۔

''میں نے کیا کیا ہے، غیریت کی دیوار تو تم نے اتنے دنوں سے کھڑی کر رکھی ہے، میں تو تم سے ہر بات شیئر کرتا ہوں۔'' مروان ترکی بہ ترکی بولا۔

''یہ تو آپ کا خیال ہے مروان صاحب، ورنہ اب بہت کچھ پہلے جیسا نہیں رہا۔'' وردہ بولی تو لہجہ اجنبیت لئے ہوئے تھا۔

''پلیز وردہ تمہارے دل میں جو کچھ بھی ہے اسے کھل کر بیان کر دو، تمہیں اندازہ نہیں تمہارے اس ناقابل فہم رویے نے مجھے کس اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔'' مروان نے دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے پیش قدمی کی۔

''اذیت۔'' وردہ نے طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے زہریلا قہقہہ لگایا۔

''آپ اذیت کی بات کر رہے ہیں جبکہ آج کل آپ تو مجھے عجیب سی سرشاری میں دکھائی دیتے ہیں۔'' وردہ کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''وردہ، یہ فضول باتیں بند کرو اور کھل کر اصل بات بتاؤ۔'' مروان قدرے درشت لہجے میں بولا۔

''او کے فائن، اصل بات یہ ہے کہ مجھے اب آپ کے ساتھ نہیں رہنا، مجھے طلاق چاہیے۔'' وردہ نے اتنی بڑی بات اطمینان سے کر دی کہ مروان سکتے میں آ گیا۔

''طلاق...... مگر کیوں؟'' وہ حیران ہوا۔

''اس کیوں کا جواب آپ بخوبی جانتے ہیں، مجھ سے پوچھنے کی قطعاً ضرورت نہیں، میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں نانی جان کے پاس، مجھے طلاق کے پیپرز وہیں بھیج دیں۔'' وردہ جا چکی تھی، اتنے دنوں کی بھیانک خاموشی کے پیچھے یہ طوفان چھپا ہوا تھا، مروان کو اندازہ نہیں تھا کہ وردہ یوں اچانک طلاق کا مطالبہ کر دے گی، مروان کی سمجھ سے باہر تھا یہ سب۔

☆☆☆

''ارے میری بچی، اس دفعہ اکیلی آئی ہے مروان ساتھ نہیں تھا، کہیں کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا تم دونوں کے درمیان۔'' وردہ جو کافی دیر سے جمیلہ بیگم کے گود میں منہ چھپائے آنسو بہا رہی تھی جمیلہ بیگم کی آواز پر چونکی۔

''نہیں نانی جان، کوئی جھگڑا نہیں ہوا ہمارے درمیان، بس کچھ دن آپ کے ساتھ گزارنے کا دل چاہ رہا تھا۔'' وردہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''اچھا وہ مناہل کا کچھ اتا پتہ ہے، کہاں ہوتی ہے آج کل۔'' جمیلہ بیگم کے لہجے میں نرمی سی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' وردہ بیزاریت سے بولی۔

ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ صاف کہہ دے، نانی جان بہت مزے ہیں ہے میرا گھر تباہ کر کے خود انجوائے کر رہی ہے، وردہ نے نفرت سے سوچا۔

''پتہ نہیں بے چاری کہاں ہوگی، مگر مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بہت خوش ہو گی، بہت ہی نیک دل لڑکی ہے، میری بہت خدمت کرتی تھی، پورے گھر کا کام کرتی، میرے سر میں تیل لگاتی، عظمیٰ کو کرایہ بھی ادا کرتی اور گھر کا کوئی نہ کوئی بل بھی ادا کرتی، مگر اس بے چاری کے ساتھ زیادتی ہوگئی، وہ پاکدامن لڑکی خود کو عاصم سے بچاتی رہی مگر عاصم نے اس کا جینا محال کر دیا تھا کہ بے چاری یہاں سے چلی گئی۔'' وردہ خاموشی سے مناہل کے بارے میں سن رہی تھی ان انکشافات پر چونک کر رہ گئی مگر اگلے ہی پل ''مروان کی بیوی'' ہونے کا حوالہ اسے پھر سے متنفر کر گیا۔

''چلیں چھوڑیں نانی، اس ذکر کو جانے دیں، ضروری تو نہیں کہ وہ ہر معاملے میں بے گناہ معصوم ہو۔'' وردہ چڑ کر بولی۔

جمیلہ بیگم اس کی بات پر چپ تو ہو گئیں مگر اس کے مفہوم پر غور نہ کر پائیں۔

مروان نے متعدد بار وردہ کے نمبر پر ٹرائی کیا مگر ہر بار آف ملتا، مجبور ہو کر وہ نانی جان کے گھر چلا آیا۔

''وردہ پلیز، میرا قصور تو بتاؤ، تم نے مجھے اتنی بڑی سزا کیوں سنا دی ہے۔'' مروان پریشانی سے بولا۔

''واہ بھئی واہ، مجرم گناہ بھی کرے اور جب سزا ملے تو معصومیت سے سوال کرے، کہ میرا قصور کیا ہے؟'' وردہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

''وردہ یقین جانو میں نہیں جانتا کہ میرا کیا قصور ہے جس کی وجہ سے تم نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا ہے؟'' مروان کے لہجے میں بے بسی تھی۔

دونوں کی بحث و تکرار جاری تھی کہ جمیلہ بیگم کی آمد پر دونوں نفوس خاموش ہو گئے۔

''وردہ یہ میں کیا سن رہی ہوں، اتنا بڑا فیصلہ کرلیا اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی، یہ کوئی طریقہ نہیں کہ شوہر منتیں کرتا پھر رہا ہے اور تم اصل بات بتائے بغیر طلاق کی رٹ لگائی جا رہی ہو، اپنا اصل مسئلہ بتاؤ ورنہ۔'' جمیلہ بیگم نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''ورنہ کیا نانی؟'' وردہ جو چند لمحے پہلے تیز تلوار ہوئی تھی نانی جان کی آمد پر نرم پڑ گئی۔

''ورنہ میرے گھر میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے میں ہرگز ان لڑکیوں کو پسند نہیں کرتی جو چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر طلاق کا مطالبہ کریں، کسی بھول میں مت رہنا، کہ تم طلاق لے کر آؤ گی تو عظمیٰ تمہیں اس گھر میں پناہ دے گی بلکہ میری آنکھ بند ہوتے ہی وہ تمہیں دھکے دے

www.urdusoftbooks.com

کر نکال دے گی۔" جمیلہ بیگم غصے سے کہہ کر پلٹ گئیں۔

وردہ نڈھال سی ہو گئی تھی، دل تو چاہ رہا تھا کہ چلا چلا کر مروان اور مناہل کے دھوکے کے بارے میں سب کو بتائے اور اپنی مظلومیت کا رونا روئے مگر چاہتے ہوئے بھی ایسا نہ کر پائی، وہ خاموشی سے مروان کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔

"مروان میں واپس تو آ گئی ہوں مگر پہلے کی طرح محبت نہیں دے پاؤں گی، آپ کی دھوکے بازی کی اتنی سزا تو بنتی ہے کہ آپ بھی دن رات میری طرف سے اذیت سہیں، اور وجہ بھی معلوم نہ کر پائیں۔" وہ سلگتے ہوئے ذہن کے ساتھ سوچتے سوچتے سو گئی، اچانک کسی پہر مروان کی سرگوشی پر آنکھ کھل گئی، مگر وہ سوتی بنی رہی۔

"اچھا میں بس کچھ دیر میں پہنچتا ہوں تم خود کو سنبھالو، دیکھو ہمت کرو میں آتا ہوں تو تمہیں ہاسپٹل لے کر جاتا ہوں۔" مروان سرگوشی کے انداز میں بولا، مروان خاموشی سے اٹھا، گاڑی کی چابی پکڑی اور باہر نکل گیا، جلدی میں اپنا موبائل بھی بھول گیا تھا۔

آخر ایسا کیا ہو گیا کہ مروان اس وقت مناہل کے پاس جا رہا تھا، اس نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر مناہل کا نمبر ملایا، مگر خاموش رہی۔

"زوہیب جلدی آئیں، میری طبیعت بہت بگڑ رہی ہے۔" مناہل کی آواز تکلیف سے لرز رہی تھی۔

"مناہل بیمار ہے یقیناً کوئی بیماری لگ گئی ہے، جو دوسروں کی خوشیوں کو آگ لگاتا ہے وہ خود بھی خوش نہیں رہ پاتا۔"

"کینسر کی بیماری تو ضرور لگی ہو گی۔" مناہل کا زرد چہرہ ہڈیوں کا ڈھانچا بدن خیالوں میں آیا تو وردہ مسرور سی ہونے لگی۔

"بس تھوڑے دنوں کی مہمان ہے پھر مروان میرا ہو گا ہمیشہ کے لئے۔" خوش کن سوچوں نے اس کا موڈ خوشگوار کر دیا تھا۔

اصل بات جاننے کی بے چینی برقرار رہی تو وہ دو دن بعد مناہل کے گھر جا پہنچی، مناہل انتہائی کمزور دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا ہوا تمہیں؟" فکر مندی سے زیادہ لہجے میں تجسس تھا۔

"طبیعت ٹھیک بس تھی مگر اب بہتر ہوں تمہاری دعاؤں سے۔" مناہل کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اتنے دنوں سے تمہیں فون کر رہی تھی مگر محترمہ یوں غائب تھی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔" مناہل مصنوعی خفگی سے بولی۔

"کیوں کیا ہوا؟" وردہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"ایک گڈ نیوز دینی تھی تمہیں۔" مناہل شرما کر بولی۔

"کیا؟" وردہ ناسمجھی سے بولی۔

"خبر یہ کہ تم خالہ بننے والی ہو۔" مناہل کے چہرے پر خوشی بکھری تھی، وردہ کو اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہوا، ہونٹ لرزنے لگے تھے۔

"کیا تم امید سے ہو؟" وردہ کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"ہاں وردہ اللہ نے میری گود بھر دی ہے، شاید میں تمہیں یہ بات کبھی نہ بتاتی کہ زوہیب شادی شدہ تھے، میں ان کی دوسری بیوی ہوں، مگر تم سے ہر بات شیئر کرنے کی عادت ہے نا۔" مناہل اپنی ہی دھن میں بولی۔

"کیا تم جانتی تھی؟" وردہ نے پوچھا۔

''ہاں وردہ میں جانتی تھی کہ زوہیب شادی شدہ ہے۔'' وردہ نے اس کی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''مناہل تم اتنی خودغرض کیسے ہو سکتی ہو کہ ایک عورت پر سوتن بن جانا قبول کر لیا، کیا دنیا کے کنوارے مرد مر گئے تھے جو تم نے شادی شدہ مرد کا انتخاب کیا؟'' وردہ تو پہلے ہی بھری بیٹھی تھی سلگ کر بولی۔

''وردہ تم جانتی ہو کہ میں خودغرض نہیں ہوں، زوہیب نے میری طرف خود پیش قدمی کی تھی، مجھے علم ہوا کہ وہ شادی شدہ ہیں تو میں نے انکار کر دیا، مگر ان کی ایک مجبوری تھی کہ میں مجبور ہو گئی تھی۔'' مناہل قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''کیسی مجبوری؟'' وردہ بھیگے ہوئے لہجے میں بولی۔

''اولاد کی مجبوری، ان کی پہلی بیوی بانجھ ہے۔'' مناہل بولی۔

وردہ کو یوں لگا کہ زوردار دھماکہ ہوا ہے، اسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

''بانجھ؟'' وردہ کی آواز اسے خود اجنبی لگ رہی تھی۔

''ہاں بانجھ، مگر زوہیب اس سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ اسے کبھی چھوڑنے کا تصور نہیں کر سکتے، اس لئے اپنی بیوی کو یہ خبر کبھی نہیں سنائی کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی، وردہ میں زوہیب کی محبت دیکھتی ہوں تو رشک میں مبتلا ہو جاتی ہوں کہ وہ عورت کتنی اچھی ہو گی جس سے زوہیب اتنی محبت کرتے ہیں۔'' مناہل نرمی سے بولی۔

وردہ اپنے بارے میں مناہل کے منہ سے اتنا بڑا انکشاف سن کر دنگ رہ گئی تھی۔

☆☆☆

وردہ کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے آخری بار دھڑک رہا ہو، آہستہ آہستہ ہولے ہولے، دھیرے دھیرے۔

دھڑکن کی ڈگڈگی پر کب سے ہے محو رقص
دل تھک کر گر بھی جا کہ تماشا تو ختم ہو

''وہ بانجھ تھی، مروان جانتے تھے پھر بھی اسے لاعلم رکھا، مناہل اگر اس حقیقت سے بے خبر تھی کہ وہ میری سوتن بنی ہے تو مروان تو جانتے تھے نا ضرور مناہل کے حسن پر فدا ہوئے تھے، تبھی مناہل کو گھر میں رکھنے سے کتراتے تھے ان کے ذہن میں چل رہا تھا کہ ایک ہی گھر میں رہ کر میرا مقصد پورا نہیں ہو گا اور اولاد کی محرومی دور کرنے کے لئے میری دوست سے خفیہ شادی کر لی۔'' وردہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

''مروان زوہیب تم میرے مجرم ہو۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے خود سے بولی۔

اب اسے اپنے مجرم کا انتظار تھا، مروان گھر آیا تو وردہ کو یوں اضطرابی انداز میں ٹہلتے ہوئے دیکھا مگر بولا کچھ نہیں، وہ اس کے موڈ کے پیش نظر زیادہ خاموش رہنے لگا تھا۔

''مبارک ہو مروان؟'' وردہ نے کہتے ہوئے زبردستی اس کے منہ میں مٹھائی ڈال دی۔

''کس بات کی مبارک؟'' مروان حیران ہوا۔

''میری دوست کی گڈ نیوز ہے۔'' وردہ طنزیہ مسکراہٹ سے بولی۔

''دوست وہ تمہاری ہے مبارکباد مجھے کس چیز میں دی جا رہی ہے۔'' مروان نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔

''مبارکباد تو آپ کو ہی دینی بنتی ہے، آخر کو باپ بننے والے ہیں، میری دوست مناہل آج کل امید سے ہے نا۔'' وردہ چبا چبا کر بولی،

مروان خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔
''ویسے پہلے بچے کا نام کیا سوچا ہے تم دونوں نے، لڑکا ہو گا یا لڑکی؟'' وردہ گہرے طنز سے بولی۔
''وردہ کیا فضول بولے جا رہی ہو۔'' مروان کی برداشت جواب دینے لگی تھی۔
''فضول باتیں میں کر رہی ہوں، تماشا تو آپ نے بنایا ہے میری زندگی کو میری دوست کو میری سوتن بنا دیا اور مجھے خبر تک نہ ہو پائی۔'' وردہ نفرت سے بولی۔
''تمہارا دماغ ٹھیک ہے میں تمہاری دوست سے شادی کیوں کروں گا، میں نے تو اسے کبھی دیکھا تک نہیں۔'' مروان نے سختی سے اسے بازو سے تھامتے ہوئے کہا۔
''چوری اور سینہ زوری۔'' وردہ تنفر سے چلائی۔
ایک زوردار تھپڑ کی گونج نے وردہ کو گنگ کر دیا تھا، چہرے پر ہاتھ رکھے اس کی نگاہیں مروان کے چہرے پر تھیں۔
''ہاں ایک بانجھ عورت کو آپ دے ہی کیا سکتے ہیں۔'' وردہ دکھ سے بولی۔
''وردہ میری بات سنو۔'' مروان ندامت سے بولا۔
''مروان مجھے کچھ نہیں سننا، مجھے صرف طلاق چاہیے۔'' وردہ چلائی۔
''وردہ پلیز میری بات سنو، تم غلط سمجھ رہی ہو، میں نے تمہاری دوست سے نکاح نہیں کیا یہ الزام ہے سراسر۔'' وہ چلایا۔
''یہ الزام نہیں ہے میرے پاس ثبوت ہے۔'' وردہ نے کہتے ہوئے موبائل فون میں موجود دونوں کی شادی کی تصویر سامنے کر دی۔
''کیا یہ تصاویر آپ کی اور مناہل کی نہیں، کیا آپ نے دوسری شادی نہیں کر رکھی کیا ثبوت دیکھ کر ابھی بھی انکاری ہیں؟'' وردہ شعلہ بار نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔
''مناہل تمہاری فرینڈ ہے۔'' مروان آہستگی سے بولا، وردہ نے نفرت سے جی کہا۔
''وردہ کوئی سی بھی قسم لے لو، میں نہیں جانتا تھا کہ مناہل جو میرے آفس میں کام کرتی ہے وہ تمہاری فرینڈ ہے۔'' مروان صفائی دینے والے انداز میں بولا۔
''مروان آپ تو میرے اور اپنے درمیان کسی تیسرے کا وجود نہیں برداشت کرتے تھے پھر میری ہی دوست کو ہمیشہ کے لئے درمیان کیوں لے آئے، شادی کرنی تھی تو مناہل سے ہی کیوں کی۔'' وردہ کا ضبط جواب دینے لگا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
''وردہ اولاد کی محرومی مرد کو اندر ہی اندر توڑ کر رکھ دیتی ہے تم عورتیں تو آنسو بہا لیتی ہو مگر مرد آنسو بھی نہیں بہا سکتا، جب ڈاکٹرز نے مجھے بتایا کہ تم کبھی ماں نہیں بن سکتی تو میں نے دوسری شادی کا سوچا، تمہیں اذیت نہ ہوا اس وجہ سے میں نے اس بات کو خفیہ رکھا، میں اور مناہل دونوں اس بات سے لاعلم تھے کہ ہمارے تعلق میں ایک مشترک نام ہے وردہ، شاید وہ جانتی تو مجھ سے کبھی شادی پہ تیار نہ ہوتی، مگر تمہارا یہ الزام کہ ہم نے تمہارے خلاف سازش کی ہے تو یہ سراسر غلط ہے۔'' مروان لجاجت سے بولا۔
''محرومی کے علاوہ، مناہل کے حسن و محبت نے بھی تو آپ کو مجبور کر دیا تھا۔'' وردہ غصے سے بولی۔
''یہ حقیقت ہے کہ مناہل مجھے پہلی نظر میں اچھی لگی تھی، مگر تم خود سوچو کہ کیا وہ یہ محبت ڈیزرو نہیں کرتی، کچھ لوگ خود بخود دل میں مقام بنا لیتے

ہیں، مگر کیا میں نے تمہارے ساتھ حق تلفی کی، کبھی تمہارا وقت اسے دیا، کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ مجھے اولاد کی خوشی دینے جا رہی ہے تو مجھے تمہاری کوئی فکر نہیں ہونی چاہیے۔" مروان بے بسی سے بولا۔

"جو بھی ہو مروان، حادثاتی طور پر ہی سہی مناہل آپ کی زندگی میں شامل ہوئی مگر میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، کوئی دوسری عورت مجھ پر سوتن بن کر آئی تو میں برداشت کر لیتی مگر میری ہی سہیلی میری سوتن، میں بالکل سہہ نہیں پاؤں گی۔" وردہ قطعیت سے بولی۔

وہ جو کبھی دعائیں مانگتی نہ تھکتی تھی کہ میری اور مناہل کی شادی ایک ہی شخص سے ہو، وہ اب اس حقیقت کے جاننے پر برداشت نہ کر پا رہی تھی، اب جبکہ دعائیں مستجاب ہوتیں تو بے قراری کا یہ عالم تھا، کہ خود کو ختم کرے یا دنیا کو آگ لگا دے۔

"وردہ دیکھو بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، یہ سب قسمت کے کھیل ہیں، تم خواہ مخواہ خود کو اذیت دے رہی ہو، وہ اگر ایک بار بھی جان جاتی کہ میری بیوی وردہ ہے تو شاید کہیں چلی جاتی مگر مجھ سے شادی نہ کرتی۔" مروان نرمی سے بولا، مگر وردہ بے رخی سے منہ پھیرے آنسو بہاتی رہی۔

"وردہ کچھ بھی ہو جائے میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا، جب تم ٹھنڈے دماغ سے سوچو گی تو تمہیں احساس ہوگا کہ تقدیر کو یہی منظور تھا اور انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔" مروان نے کہا اور خاموشی سے چلا گیا۔

☆☆☆

مناہل کے پہلو میں وہ لیٹا اسے محویت سے دیکھ رہا تھا، اس کے حسین چہرے پر میٹھی سی مسکان تھی، وہ گہری نیند میں تھی، مروان نے اس کی پیشانی کو نرمی سے چھوا یوں کہ مناہل کی نیند بھی نہ ٹوٹے۔

ایک وقت تھا جب مناہل بے بس و مجبور تھی، مروان کے گھر پناہ لینے آئی تھی مگر مروان نے کوئی بھی لحاظ کیے بغیر اسے گھر سے نکال دیا تھا، ماضی کی تلخ یادیں انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی تو مروان نے تھک کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"اللہ کی ذات بہت انصاف پسند ہے، جس لڑکی کو وہ چند لمحوں کے لئے اپنے گھر میں برداشت نہیں کر پا رہا تھا، اسے ساری زندگی کے لئے ذمہ دار بنا دیا تھا، اس کے دل میں مناہل کی محبت یوں ڈالی کہ مروان اس کے در کا سوالی بن بیٹھا، وہ جو قسم کھائے بیٹھا تھا کہ کبھی دوسری شادی نہیں کرے گا، مناہل کو دیکھتے ہی تمام عہد و پیمان مٹی کا ڈھیر ہوتے گئے، واقعی جب اللہ انصاف کرتا ہے تو پھر خوب انصاف کرتا ہے کہ انسان کو ہر طرح سے نواز دیتا ہے، مناہل نے کروٹ لی تو اس کا ہاتھ مروان کے ہاتھ پہ آ گیا، وہ جو کافی دیر سے سوچوں میں گم تھا چونکا اور مناہل کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔"

"مناہل میں کسی قیمت پر تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔" وہ دل ہی دل میں بولا۔

"مناہل تم نہیں جانتی کہ تم وردہ کی سوتن ہو، معلوم ہو جائے تو آگہی تمہارے لئے عذاب بن جائے گا، میں جانتا ہوں حقیقت کا ادراک ہونے پر تم ہمیشہ کے لئے وردہ کی زندگی سے نکل جاؤ گی اور ایک بار پھر در بدری کو گلے لگا لو گی، مگر اس بار تم تنہا نہیں ہو گی، ایک ننھا وجود بھی تمہارے ساتھ در بدر ہو گا۔" مروان تڑپ اٹھا۔

"نہیں مناہل میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا تمہارا لاعلم ہی رہنا بہتر ہے۔" اس نے مناہل کا ہاتھ بھینچا ہی تھا کہ مناہل کی نیند ٹوٹ گئی۔

''ارے آپ، آج یہاں۔'' مناہل خوابیدہ لہجے میں بولی۔

''ہاں تمہاری یاد ستا رہی تھی۔'' مروان محبت سے بولا۔

''اوہ تو جناب ناانصافی پہ اترنے لگے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ آج میرا دن نہیں ہے۔'' مناہل خفا ہوئی۔

''کیا کروں مناہل دل انسان کو بے انصافی پہ مجبور کر دیتا ہے۔'' مروان کے لہجے میں بے بسی تھی۔

''نہیں زوہیب یہ زیادتی ہے، آپ کی بیوی کا پہلا حق ہے، اس کے ساتھ حق تلفی نہیں ہونے چاہیے، میں آپ کو اولاد دے رہی ہوں تو آپ بے انصافی کرنے لگے ہیں۔'' مناہل سنجیدگی سے بولی، مروان اس کی نرم دلی پر مسکرانے لگا تھا۔

''زوہیب میرا دل چاہتا ہے کہ اگر اللہ نے مجھے جڑواں اولاد دی تو ایک بچہ آپ کی پہلی بیوی کو دے دوں گی۔'' مناہل نم آنکھوں سے مسکرائی۔

مروان اس کے جذبے پر اسے دیکھتا رہ گیا تھا، ابھی ناواقف ہے تو یہ حال ہے حقیقت کا علم ہو جائے تو جانے وردہ کی خاطر کیا کر ڈالے۔

''محترمہ اس سخاوت کے چکر میں میرا راز کیوں کھولنا چاہتی ہیں۔'' مروان مصنوعی بشاشت سے بولا تو مناہل مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

☆☆☆

وقت پر جمود چھا گیا تھا، وردہ اپنے مطالبے پہ ڈٹی تھی تو مروان اپنے فیصلے پہ، وہ پھر سے جمیلہ بیگم کے گھر آ گئی، سب اس کو صلح کے لئے مائل کرنے لگے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، اس نے کسی کو نہ بتایا کہ مروان کی دوسری بیوی مناہل ہے، اس میں اس کی جگ ہنسائی ہوتی، مگر اپنے بانجھ ہونے کا بتا دیا کہ جب میں مروان کو اولاد نہیں دے سکتی تو پھر ساتھ رہنے کا کیا فائدہ ہے۔

''وردہ ضد چھوڑ دے اور واپس چلی جا، مروان تجھ سے محبت کرتا ہے، ورنہ مرد کہاں اتنے نخرے برداشت کرتے ہیں، مروان نے اولاد کی خاطر دوسری شادی کی ہے تو کیا غلط ہے، کیا اس کا حق نہیں کہ اس کی اولاد ہو۔'' جمیلہ بیگم اکثر و بیشتر اسے سمجھاتی۔

اسی دوران عاصم کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا جس میں وہ ساری زندگی کے لئے معذور ہو گیا۔

''اپنے اعمال کی سزا کاٹ رہا ہے، بے چاری لڑکی کو کتنا ستایا، سب اسی کا بھگتان ہے۔'' نانی جان دکھ سے کہتی۔

عاصم کی حالت دیکھ کر وردہ کے دل میں مناہل کی نفرت کم ہونے لگتی مگر مروان کا حوالہ اسے دوبارہ سے سخت بنا دیتا۔

زمین کے موسموں کی طرح دل کے موسم بھی ایک سے نہیں رہتے، تبدیلی نظام فطرت ہے، انسان لاکھ انکار کرے، مگر قدرت کے فیصلوں کے آگے بے بس ہوتا ہے۔

☆☆☆

''میم کیا سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے؟'' کلاس کی ایک سٹوڈنٹ نے سوال کیا۔

''بالکل، سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے۔'' وردہ نے تحمل سے جواب دیا۔

''میم تو پھر دعا کی کیا ضرورت ہے اور دعا کی اصل حقیقت کیا ہے؟'' سوال اتنا گہرا تھا کہ وردہ کا اپنا ناتواں وجود گہرے سمندر میں غوطے کھانے لگا، ڈوبنے کے قریب ہی تھی کہ قدرت نے ایک بار پھر سے ساحل پہ لا کھڑا کیا۔

''یہ حقیقت ہے کہ اللہ پاک نے سب کچھ

لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے مگر دعا جیسا ہتھیار بھی انسان کو تھما دیا ہے، جب تقدیر انسان کو بے حال و بے بس کرے تو پھر قدرت انسان کی رہنمائی کرتی ہے کہ وہ دعا کا استعمال کرے کیونکہ دعا تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے، بس ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان پوری ہوشمندی سے دعا مانگنے، یہ نا ہو کہ الٹی سیدھی دعائیں مانگ کر اپنے لئے آزمائشوں کا در کھول لے، جب بھی دعا مانگو تو یہ ضرور کیا جائے کہ اے اللہ ہماری جائز تمناؤں کو جو ہمارے لئے نافع ہوں قبول و منظور فرما۔'' لیکچر ابھی جاری تھی کہ پیون نے اطلاع دی۔

''وردہ میم آپ کی کال آئی ہے۔'' وردہ ایکسیوز کرتی باہر نکلی۔

''کیسی ہیں محترمہ، نہ کوئی کال نہ کوئی رابطہ، لگتا ہے وزیر اعظم سے بھی زیادہ مصروف شخصیت بن گئی ہیں، جن سے بات کرنے سے پہلے ٹائم لینا پڑے گا۔'' دوسری جانب مناہل تھی۔

''ایک سیمینار کے سلسلے میں ملک سے باہر گئی ہوئی تھی۔'' وردہ نے اپنی طویل غیر حاضری کا بہانہ بنایا۔

''محترمہ یہ ساری مجبوریاں ''میری ننھی پری'' کو آ کر خود بتایئے گا جو اس دنیا میں آ چکی ہے اور اپنی خالہ سے ملنے کے لئے روتی رہتی ہے۔'' مناہل نے فون ننھے وجود کے قریب کیا تو وردہ ضبط نہ کر سکی تو اسے دیکھنے پہنچ گئی۔

وہ محویت سے اسے دیکھ رہی تھی، وردہ اپنی منفی سوچوں پر پشیمان تھی وہ دعائیں کرتی تھی کہ مناہل بچے کی پیدائش کے وقت مر جائے تو بچہ اور مروان دونوں میرے ہوں، مگر شکر ہے خدا نے مناہل کو محفوظ رکھا، ورنہ وہ بھی مناہل اور وردہ کی طرح ماں باپ کے سائے سے محروم زندگی گزارتا، وہ دل ہی دل میں خدا کی شکر گزار تھی۔

''ارے خالہ کی جان کیوں روئے جا رہی ہو۔'' وہ اس دیوانہ وار چومتے ہوئے بولی۔

''اب آپ نے مجھ سے پکی دوستی کرنی ہے، ایک دن میرے ساتھ رہو گی اور ایک دن ماما کے ساتھ، جو پرائیویٹ بات کرنی ہے مجھ سے کرنی ہے ماما سے نہیں، فرینڈ شپ پکی۔'' وردہ نے اس کا ننھا سا ہاتھ چوما تو وہ رونا دھونا بھول کر یوں دیکھنے لگی جیسے ساری بات سمجھ آ گئی ہو اور دوستی کے لئے دل و جان سے راضی ہو، مناہل ان دونوں کا پیار دیکھ کر نہال ہو رہی تھی۔

☆☆☆

''ویلکم بیک۔'' وردہ گھر داخل ہوئی تو مروان خوشی سے بولا۔

''سوری مروان، مجھے معاف کر دیں، میں نے صورتحال کو سمجھنے کی بجائے اوور ری ایکٹ کیا۔'' وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے رونے لگی۔

''نہیں وردہ، میرے دل میں آج بھی تمہارا وہی مقام ہے، جو پہلے تھا اور ہمیشہ رہے گا۔'' مروان نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک وعدہ؟'' مروان بولا۔

''مناہل کو کبھی حقیقت کا نہ پتہ چلے، وہ انجان و بے خبر رہے تو بہتر ہے، اس کے سامنے میراذکر کسی فرضی نام سے کریں تو اچھا ہے، ویسے بھی تقدیر کے لکھے ہوئے کو مان چکی ہوں آپ دونوں کا نہ تو کوئی قصور ہے نہ ہی کسی سزا کے مستحق ہیں دعائیں تو میری اپنی تھیں جنہیں مستجاب ہوتے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔'' وردہ کے لہجے میں انوکھا سا اطمینان تھا۔

''دعائیں، کیسی دعائیں؟'' مروان حیرت سے بولا۔

''یہ ایک لمبی کہانی ہے فرصت ملی تو سناؤں گی۔'' وردہ ہنس کر بولی تو مروان نے بھی اصرار نہ کیا۔

☆☆☆

بغیر ستونوں کے کھڑا نیلا گگن آنکھوں کو بے حد بھلا لگ رہا تھا، ساحل سمندر پہ تنہا بیٹھی وہ اسے دیکھتی جا رہی تھی، ہلکی سی پھوار پڑ رہی تھی، وردہ نے مٹھی میں ریت کو بھرا اور مٹھی کے تھوڑا سا کھول کر گرا دیا۔

''کاش دکھ ریت کے ہوتے۔'' وہ بار بار یہی عمل دہرانے لگی۔

ہلکی سی پھوار کے ساتھ چمکتی دھوپ بھی تھی، اسے ماضی کا منظر یاد آ گیا، جب وہ ہر پل یہی دعا کرتی تھی کہ وہ اور مناہل کبھی جدا نہ ہوں اور ان دونوں کی شادی ایک ہی شخص سے ہو، دعا پوری ہو گئی تھی وہ دونوں سہیلیاں ایک ہی شخص کے نکاح میں تھیں، جب تمنائیں تھی اپنی تھی اور دعائیں بھی اپنی تو واویلا کیوں؟

کبھی یہ زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی مگر آج پوری ہوئی تو وہ ایک دکھ بن گئی تھی، ایسا دکھ کہ انسان پلک جھپکتے اس سے آزاد ہو جائے، یا پھر ریت کی طرح مٹھی سے گرا دے یا ٹھوکر سے اڑا دے۔

''کچھ فیصلے مشکل ہوتے ہیں لیکن کرنے پڑتے ہیں، اپنے آپ کو ایک دفعہ توڑ کر جوڑ لیں بس پھر ہر پل مرنا نہیں پڑے گا، سکون سا اندر بس جائے گا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

چشم تصور میں وہ ان تینوں کو ہنستا مسکراتا دیکھ رہی تھی، وہ ننھی پری سرخ فراک پہنے کھیل رہی تھی، اس کے قہقہے اور قلقاریاں گونج رہی تھیں، وہ گرنے لگتی تو مروان اسے تھام لیتا اور والہانہ انداز میں چومنے لگتا، مناہل ان دونوں کو دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی، ہمیشہ کی طرح دلفریب مسکراہٹ تھی اس کے لبوں پر، وردہ ان کو خوش دیکھ کر خود بھی مسکرانے لگی تھی، دل کا ایک حصہ ہمیشہ اداس رہے گا اور یہ دکھ تو عمر بھر کا تھا، وہ ان خوشیوں سے محروم رہے گی۔

اپنے حصے کا بوجھ تو خود ہی اٹھانا پڑتا ہے۔

محبت کے سفر میں کوئی بھی رستہ نہیں دیتا
زمین واقف نہیں بنتی فلک سایہ نہیں دیتا
خوشی اور دکھ کے موسم سب کے اپنے اپنے ہوتے ہیں
کسی کو اپنے حصے کا کوئی لمحہ نہیں دیتا
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ٹوٹا بدن فخری
کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کندھا نہیں دیتا

☆☆☆

وہ بے ہوش ہو گئی تھیں، احمد کمال تیزی سے ان کے قریب آئے تھے۔

"غیسیٰ کی ماں۔" وہ انہیں آوازیں دینے لگے تھے، مگر وہ اس وقت ہوش وخرد سے بیگانہ تھیں، احمد کمال تیزی سے باہر کی جانب بڑھے تھے۔

☆☆☆

عروبہ مغرب کی نماز پڑھ کر باہر آ گئی تھی، فارقلیط حسن اور اس کے ڈیڈی گھر پر نہیں تھے وہ لاؤنج کی گلاس وال میں کھڑی باہر کی جانب دیکھ رہی تھی، اس پردیسی ملک کے لوگ ہی نہیں یہاں کی فضا میں بھی اسے اجنبی، بے حس اور سرد محسوس ہو رہی تھی، اس نے ہاتھ بڑھا کر تھوڑی سی ونڈو کھولی تھی، سرد ہوا کا جھونکا فوراً اندر آیا، اس نے جھرجھری لی تھی۔

"پتا نہیں ہوا کی آواز مجھے اس قدر اداس

آٹھویں قسط

ناولٹ

''نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، احمد میرے بیٹے کا پتا کریں، کسی کو فون کریں پلیز۔'' عیسٰی احمد کی ماما دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھیں، جبکہ احمد کمال کا دل خشک پتے کی مانند کانپ رہا تھا، وہ سمجھ نا پا رہے تھے کہ کیا کریں اور کیا بولیں، کس طرح سے بیوی کو تسلی دیں، وہ گنگ بیٹھے تھے۔

''ناظرین ابھی ابھی اطلاع ملی ہے......''

''بند کر دیں اس کو، پلیز احمد، یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' انہوں نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا، اس کے اردگرد اندھیرے بڑھنے لگے تھے۔

''ہائے میرا بیٹا ہم سے خفا تھا، ایسا نا کرنا مالک! اس کا نہیں، ہمارا جانے کا وقت اور عمر ہے۔'' احمد کمال آگے بڑھے اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا۔

''میرا...... بیٹا...... عیسٰی...... واپس آجاؤ۔''

کیوں کر دیتی ہے، ایسا لگتا ہے جیسے میں کسی ٹائم مشین پر بیٹھ کر ماضی کی طرف سفر کرنے لگتی ہوں، بہت سی پرانی یادیں دل کو بے چین کرنے لگتی ہیں، انسان کی فطرت ہے کہ ماضی اسے ہمیشہ اداس کر دیتا ہے، چاہے اچھا ہی کیوں نا ہو اور میرا ماضی تو تلخیوں اور تلخ یادوں سے بھرا پڑا ہے۔" اس نے ہاتھ بڑھ کر کھڑکی بند کر دی تھی، بہت سے زخموں سے کھرنڈ اتر کر اسے تکلیف دینے لگے تھے، باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، ایسی ہی بارش اس کے اندر بھی طویل عرصے سے جاری تھی۔

"آپ کو بارش پسند ہے؟" گمبھیر لہجہ اس کے آس پاس خوشبو بکھیرنے لگا تھا، وہ بناء پلکیں جھپکائے کھڑی تھی، اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا وہ پاکستان میں اپنے گھر کے لاؤنج میں کھڑی ہے، عیسیٰ احمد چائے کے دومگ پکڑے اس کے سامنے موجود تھا۔

"جی!"

"مجھے سیریسلی اس سے پہلے بارش اتنی اچھی کبھی نہیں لگی۔" اس کی آنکھوں کے سامنے سے وہ اچانک غائب ہوا تھا۔

"عیسیٰ احمد!" وہ تیزی سے مڑی تھی، مگر وہ کہیں نا تھا، اس کا الوژ وون ٹوٹ گیا تھا، اس نے خود کو اجنبی دیس کے سرد ماحول میں پایا تھا، اندر ہیٹر آن تھا، مگر اس کا پورا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

تیری جستجو کے حصار سے
تیرے خواب، تیرے خیال سے
میں وہ شخص ہوں جو کھڑا رہا
تیری چاہتوں سے ذرا پرے
کبھی دل کی بات کہی نا تھی
جو کہی تو وہ بھی دبی دبی
میرے لفظ پورے تو تھے مگر
تیری ساعتوں سے ذرا پرے
تو چلا گیا میرے، ہم سفر
ذرا دیکھ مڑ کے تو اک نظر
میری کشتیاں ہیں جلی ہوئیں
تیرے ساحلوں سے ذرا پرے

اس کی آنکھوں میں آنسو ننھے موتیوں کی طرح جگمگانے لگے تھے، وہ مڑی تھی اور ٹھٹک کر رک گئی، فارقلیط حسن کے ڈیڈی سامنے صوفے پر براجمان تھے وہ نا جانے کب سے وہاں بیٹھے تھے، صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے، وہ آنکھیں موندے بیٹھے تھے، دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دبا رہے تھے۔

"السلام علیکم انکل!" وہ ان کے قریب آئی تھی، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آپ کے سر میں درد ہو رہا ہے، چائے بنا دوں؟" اس نے نرمی سے اپنائیت بھرے لہجے میں ان سے پوچھا تھا، چند ثانیے وہ خاموش بیٹھے رہے۔

"نہیں، شکریہ۔" پھر بادل نخواستہ گویا ہوئے۔

"لائیں میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ ان کے سر پر رکھا تھا اور ہولے ہولے دبانے لگی، حسن بہزاد کو سکون ملنے لگا تھا، مگر یکایک جیسے وہ ہوش میں آگئے تھے اور بیدردی سے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

"مجھ پہ یہ مہربانیاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسی کو بے وقوف بناؤ جس کو اپنی محبت کے جال میں پھنسایا ہے۔" وہ درشتی سے بولے تھے، لمحہ بھر کو تو عروبہ غضنفر بے یقینی کے عالم میں ان کی جانب دیکھتی رہی تھی، جیسے اسے اس سنگدلی کی امید نہ تھی۔

''میں نے آپ کے بیٹے کو نہیں کہا تھا کہ۔''
''ڈیڈ بات کرنے کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔''
ان دونوں کو پتا نا چلا تھا اور فارقلیط حسن وہاں آ گیا تھا اور وہ باپ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا، چہرے سے وہ بہت ناراض لگ رہا تھا۔

''ہاں، اب تم باپ کو بات کرنے کا طریقہ سکھاؤ گے، بتاؤ کیسے کرتے ہیں بات، شاید میں سیکھ جاؤں۔'' وہ طنز کے نشتر چھوڑنے لگے تھے، فارقلیط حسن لب بھینچے کھڑا تھا، اس نے آج تک باپ سے بدتمیزی نہیں کی تھی، کبھی ان کے سامنے کھڑا ہو کر بولا نہ تھا۔

''تم اسے ساتھ لو اور واپس جاؤ جہاں سے آئے ہو، میں اب یہیں رہوں گا ہمیشہ۔'' وہ اٹھ کر وہاں سے چلے گئے تھے، فارقلیط حسن نے غصے سے بھرپور نظر اس پر ڈالی اور اپنے بیڈ روم میں چلا گیا، عروبہ وہیں صوفے پر بیٹھ کر رونے لگی تھی۔

''مجھے تو میرے اپنے بابا نے کبھی own نہیں کیا، جب بھی مجھے ان کی ضرورت پڑی انہوں نے مجھے نظر انداز کیا، میرے نا کردہ گناہ کی سزا خود سے دور کرنے کی صورت میں دی، تو پھر فارقلیط حسن کے ڈیڈی مجھے کیسے معاف کر سکتے ہیں، مجھے کبھی بھی معاف نہیں کیا گیا۔'' اس کے آنسو بہت تیزی سے بہہ رہے تھے اور اس نے انہیں بہنے دیا تھا، صاف کی کوشش نا کی تھی۔

☆☆☆

''غضنفر صاحب یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں۔'' گل افزاء نے سوال کیا تو انہوں نے بیک ویو مرر سے ان کی جانب دیکھا مگر بولے کچھ نہیں اور گاڑی پورچ میں کھڑی کر دی۔

''میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' وہ کچھ خفگی سے بولی تھیں، اب کی بار غضنفر علی مڑے تھے، وہ خاموشی سے گل افزاء کے چہرے کو دیکھ رہے تھے، جو بہت کمزور تھا، ان کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی تھی، لبوں پر جیسے کوئی فریاد بار بار مچل رہی تھی، وہ اب بھی انہیں اتنی ہی اچھی لگ رہی تھیں جتنی اچھی پہلی ملاقات میں لگی تھیں۔

''گل افزاء صرف ایک موقع دے دو، مجھے اپنی بات کہنے کا، یقین کرو اس کے بعد جو کہو گی میں مانوں گا، مگر صرف ایک موقع، پلیز۔'' وہ فریاد کر رہے تھے، ہاتھ جوڑ رہے تھے، گل افزاء ابھی بھی خاموش تھیں، ان کے منہ کو برسوں پہلے قفل لگ گیا تھا، انہوں نے زندگی کے اتنے سال صبر کی بکل مارے گزار دیئے تھے اور آج برسوں بعد وہ اپنا بھرم گنوانا نہیں چاہتی تھیں، وہ اس شخص کے سامنے کمزور نہ پڑنا چاہتی تھیں، اس لئے منہ سے کچھ نہ بولیں۔

''صرف ایک مرتبہ میرے ساتھ اندر چلو، میری بات سن لو پھر جو تم کہو۔'' ان کی بات ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ وہ گاڑی سے نیچے اتر آئیں تھیں، غضنفر علی بھی جلدی سے باہر نکلے تھے، ان کی خوشی دیدنی تھی۔

''آؤ۔'' وہ چل پڑے تھے، آہستہ رفتار سے چلتے ہوئے وہ ان کے پیچھے آ رہی تھیں۔

''آپ کا یہ گھر بہت خوبصورت ہے غضنفر۔'' دردناک ماضی کی چند خوشگوار یادیں قدم قدم پر بکھری ہوئی تھیں، ان کا ایک ایک قدم من من بھر کا ہو رہا تھا۔

''ہاں، مگر کچھ بھی تم سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح اس کی تعریف اور اپنی محبت کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

''میرا جی چاہتا ہے ہم یہاں شفٹ ہو جائیں۔'' وہ غضنفر علی سے کہنے لگی۔

"ہم ابھی یہاں شفٹ نہیں ہو سکتے، میرا آفس اس گھر سے بہت دور ہے اور پھر اماں بھی یہاں مستقل آ کر رہنا نہیں چاہتیں۔" غضنفر علی نے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا، جواب میں وہ مکمل طور پر خاموش ہو گئی۔

"مگر جب ہمارے بچے بڑے ہو گئے، بزنس کو سنبھال لیں گے تو ہم دونوں یہاں آ جائیں گے۔" گل افزاء کی اداسی کو بھانپتے ہوئے وہ فوراً بولا تھا۔

"آہ۔" ان کے سینے سے ایک سرد آہ برآمد ہوئی تھی، غضنفر علی تیزی سے مڑے تھے۔

"گل افزاء ٹھیک ہو نا؟" وہ ان کے قریب آئے تھے۔

"جی!" وہ خود کو سنبھال کر مختصر جواب دیتے ہوئے بولیں۔

غضنفر علی پھر سے چلنے لگے تھے، اب وگل افزاء کے برابر چل رہے تھے اور انہوں نے بھی کوئی کوشش نہ کی تھی پیچھے رہنے کی، بھلا ساتھ چلنے سے کیا ہوتا ہے، جب کسی کا دل ہی آپ کے ساتھ نہ ہو، کسی کی محبت، مان اور وفا آپ کی ہم سفر نہ ہو۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ دونوں لاؤنج میں پہنچ گئے تھے، گل افزاء کی نظر دیوار پر لگی ان دونوں کی شادی کی تصویر پر ٹھہر گئی تھی، دل میں کیسے کیسے طوفان اٹھ رہے تھے، ایک حشر بپا ہو گیا تھا، اس کی سوچوں سے یکسر انجان غضنفر علی انہیں بیٹھنے کے لئے کہہ رہے تھے اور پھر ان کی نظروں کے تعاقب میں دیوار پر دیکھا تو ایک زخمی مسکراہٹ ان کے لبوں پر رقصاں کرنے لگی۔

"میں نے اس تصویر کو کبھی یہاں سے نہیں اتارا۔" وہ اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے، گل افزاء کچھ نہ کہہ سکیں، اس تصویر میں وہ دونوں جوان اور بہت خوبصورت تھے، دونوں کے چہروں پر خوشیاں تھیں، محبت اور جذبوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔

"میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا ہے۔" گل افزاء بیٹھ گئی تھیں، غضنفر علی مڑے اور ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے، وہ سر جھکائے بیٹھی تھیں۔

"میں یہاں تمہیں تم سے معافی مانگنے نہیں لایا۔" وہ ان کی جانب پشت کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔

"شاید میں معافی Deserve بھی نہیں کرتا۔" وہ سر جھکائے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

"میں تم سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں گل افزاء!" یکایک وہ مڑے اور ان کے سامنے آ بیٹھے۔

"کیا تم مجھے دو گی؟" ان کی آنکھوں میں جگمگاتی امید کو دیکھ کر وہ نظریں پھیر گئی تھیں، وہ غضنفر علی کی آنکھوں میں مچلتے طوفانوں کو زیادہ دیر برداشت نہ کر پائی تھیں۔

"گل افزاء میری زندگی میں واپس آ جاؤ، اس گھر میں، یہاں ہم دونوں پھر سے اپنی زندگی شروع کریں گے، جیسے ہم نے بیس سال پہلے کی تھی، میرے دل میں آج بھی صرف اور صرف تمہاری محبت ہے، تم سے بچھڑ کر ایک پل بھی سکون سے نہیں گزرا، ہر لمحہ ہر پل تمہیں یاد کرتا رہا ہوں، وہ عورت کبھی بھی میرے دل میں جگہ نہیں بنا سکی اور وہ جگہ بناتی بھی کیسے، میرے دل میں تو صرف اور صرف تم تھی، تم سن رہی ہو نا گل افزاء؟" غضنفر علی نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور اس مقام پر آ کر گل افزاء کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"اپنی حد میں رہیں غضنفر علی۔" انہوں نے

اپنا ہاتھ چھڑایا تھا، اتنی دیر میں وہ پہلی مرتبہ بولی تھیں۔

"تم آج بھی میری بیوی ہو، میرے نکاح میں ہو۔" انہوں نے یاد دلایا تھا۔

"یہ حوالہ اب میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔"

"جھوٹ مت بولو۔" وہ ابھی بھی گل افزاء کے دل تک رسائی رکھتے تھے، جانتے تھے وہ آج بھی ان سے نفرت نہیں کرسکی تھی، ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے نفرت پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی، کیونکہ جہاں ایک مرتبہ سچی محبت پیدا ہو جائے وہاں نفرت کا گزر ہی ممکن نہیں۔

☆☆☆

موسیٰ علی غصے میں اسے برا بھلا کہہ کر چلا گیا تھا، مصعب علی بھی اس کے ساتھ تھا، وہ ہوٹل میں ٹھہرنے کے لئے گیا، روم ریزرو کروایا اور مصعب کو ساتھ لے کر وہاں آ گیا، وہ سو رہا تھا، موسیٰ علی نے اسے بیڈ پر لٹا دیا اور خود کافی آرڈر کرکے فریش ہونے چلا گیا۔

"یس!" وہ واپس آیا تو ڈور نوک ہو رہا تھا، کافی آ گئی تھی، وہ کافی پینے لگا، اس نے جیب سے موبائل نکالا اور زین کو کال کی۔

"السلام علیکم سر!" زین کی فریش آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"وعلیکم السلام!" اس نے کافی کا ایک چھوٹا سا سیپ لیا۔

"زین فائل ہینڈ اوور کردی تھی؟" اس نے استفسار کیا، مصعب کسمسا رہا تھا، موسیٰ علی کی نظریں مسلسل اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"یس سر!" زین نے جواب دیا، موسیٰ علی کا جی چاہا، اس سے فروا کے متعلق پوچھے، مگر اسے مناسب نہ لگا، پہلے ہی جلدی میں وہ اسے گھر سے فائل لانے کا کہہ کر بعد میں پچھتانے لگا تھا، اسے ڈر تھا کہ وہاں فروا ابھی تک موجود ہوئی تو وہ اس کے متعلق کچھ کہہ نہ دے، یا پھر زین کو اپنے اور موسیٰ کے رشتے کے متعلق کچھ بتا نا دے، جبکہ اس نے تو آفس میں اپنی دوسری شادی کے متعلق کوئی بات نہ کی تھی، اس سے مختصر سی بات کرکے موسیٰ علی نے فون بند کر دیا تھا۔

"بہت بدتمیز لڑکی ہے یہ فروا، واپس جاکر لازمی بات کروں گا آنٹی سے کہ اسے کچھ سمجھائیں شوہر کی عزت کیسے کی جاتی ہے۔" وہ کافی کا خالی مگ رکھ کر بیڈ پر آ گیا تھا، اچانک مصعب نے جاگ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

"نہ میرا بیٹا۔" موسیٰ علی نے اسے تھپتھپایا، مگر اس نے خاموش ہو کر نہ دیا اور مسلسل روتا رہا۔

"ماما پاس جانا ہے۔" وہ بس ایک ہی ضد کیے جا رہا تھا، موسیٰ علی کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیا کرے، وہ اسے اٹھا کر کمرے میں ٹہلنے لگا تھا، مصعب کے رونے میں آہستہ آہستہ تیزی آ رہی تھی اور موسیٰ علی کی سمجھ سے باہر تھا کہ اسے کیا ہوا ہے، اب اسے اپنی حماقت اور جلد بازی پر افسوس ہونے لگا تھا کہ وہ مصعب کو ساتھ کیوں لایا، ایک مرتبہ پھر وہ یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اس کا بیٹا فروا سے بہت اٹیچ ہو گیا تھا۔

"اگر تمہیں میرے بیٹے سے اتنی محبت ہے تو مجھ سے اتنی متنفر کیوں ہو؟" بہت مشکل سے مصعب دوبارہ سویا تھا، وہ بار بار فروا کے پاس جانے کی ضد کرتا رہا تھا، اب موسیٰ علی کا غصہ اترا تو اسے اپنے رویے پر بھی پچھتاوا ہونے لگا تھا، اسے مولوی باقر صاحب کی باتیں یاد آنے لگی تھیں کہ انہوں نے کتنا سمجھایا تھا اسے، مگر پھر بھی وہ مزید حالات خراب کر بیٹھا تھا، فروا تو اول روز

سے ہی اس سے بدگمان ہوگئی تھی اور وہ اس کی بدگمانیوں میں کمی کی بجائے اضافہ کررہا تھا۔

☆☆☆

زین ندیم ایک شوخ اور کھلنڈرا سا نوجوان تھا، نہ سر پر باپ کا سایہ تھا اور نہ ہی اس کا کوئی بہن بھائی تھا، رشتے انسان کے لئے بہت ضروری ہوتے ہیں، زمانے کے سرد و گرم سے بچاتے ہیں، مشکل پڑنے پر ساتھ دیتے ہیں اور جس انسان کی زندگی میں رشتوں اور محبتوں کا اتنا کال پڑا ہو اس کی شخصیت میں عموماً کچھ کمی، کچھ خلا رہ جاتا ہے۔

مگر زین کی ماں نے اس کی پرورش اور تربیت ایسے خطوط پر کی تھی کہ وہ ایک مکمل شخصیت کا مالک تھا، اسے زندگی نے جو چیز دی تھی وہ اس پر خوش تھا اور جو نہیں دیا تھا اس پر بھی شکوہ نہ کیا تھا، وہ ہمیشہ ہر حال میں خوش رہنے والا انسان تھا، مگر وہ حساس دل رکھتا تھا، کسی کو تکلیف میں دیکھ کر تڑپ اٹھتا تھا، یہی وجہ تھی کہ فروا سے مل کر آنے کے بعد کئی بار اس کی آنسو بھری آنکھیں یاد آکر اسے اداس کرگئی تھیں۔

وہ آنکھیں موندے بیٹھا تھا اور آنکھوں کے سامنے اس کی بھیگی پلکیں بار، بار آرہی تھیں، اسے کبھی کسی کے آنسوؤں نے اتنا بے کل نہ کیا تھا۔

''یہ مجھے کیا ہوگیا، وہ سرموسیٰ کی کزن ہے، سر کو مجھ پر trust تھا اسی لئے اپنی غیر موجودگی میں مجھے اپنے گھر بھیجا اور میں......'' اس نے فی الفور ذہن میں آنے والی سوچوں کا جھٹکا اور موبائل اٹھا کر سرمد کو کال کرنے لگا، سرمد اس کا بہترین دوست تھا، دونوں سکول کے زمانے سے فرینڈز تھے، بعد ازاں کالج اور یونیورسٹی میں بھی اکٹھے پڑھتے رہے تھے۔

اسے سرمد کے ساتھ مارکیٹ جانا تھا، وہ امی کو بتا کر باہر نکل آیا، اس کا رخ سرمد کے گھر کی طرف تھا مگر سوچ کا پنچھی بھٹک بھٹک کر فروا کے گھر کے اردگرد چکر کاٹ رہا تھا۔

"I think i becane mad!"۔

وہ سگنل کھلنے کا منتظر تھا، ساتھ ہی خود کو سرزنش کرتے ہوئے سوچنے لگا تھا، وہ ایسا تو نہ تھا، کبھی کسی لڑکی میں دلچسپی نہ لی تھی تو پھر یہ آج کیوں۔

☆☆☆

نوبلہ اپنے روم میں لیٹی ہوئی تھی، چھت کی کڑیوں کو گھورتے ہوئے وہ عیسیٰ احمد کے متعلق سوچے جارہی تھی۔

''کیسے رہوں گی آپ کے بغیر، ایک مرتبہ تو سوچ لیتے، کچھ تو خیال کرتے، محبت کرنے والوں کے دل تو بہت نرم ہوتے ہیں، جلد معاف کر دینے والے، پھر آپ کیسے اتنے کٹھور بن گئے۔''

خیالوں کی دنیا میں اسے سامنے بٹھائے، وہ اس سے محو گفتگو تھی اور اب یہی خیالی دنیا اس کا آخری سہارا تھا، آج سے پہلے اسے خود بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ اسے اتنا چاہتی ہے، ہر وقت سامنے رہنے والا جب اس سے دور ہوا تو اسے اندازہ ہوا کہ بچھڑنے کی اذیت کیا ہے، اسے اب عروبہ اور عیسیٰ کی تکلیف کا اندازہ ہوا تھا۔

''آپ مجھے نہ ملتے تو اور بات تھی، مگر مل کر بچھڑ گئے ہیں تو میرے دل کو کیسے قرار آئے گا۔''

وہ خود ہی روتی اور پھر خود ہی اپنے آنسو پونچھ لیتی تھی، یہ کیسا روگ روگ لگ گیا تھا کہ کسی کو آنسو دکھانا بھی رسوائی اور جگ ہنسائی تھی، اسے تو یہ بھی منظور نہ تھا کہ کوئی اس کے آنسو دیکھ کر عیسیٰ احمد کو برا بھلا کہے۔

وہ یونہی اپنے خیالوں میں گم لیٹی ہوئی تھی جب دروازے پر ہولے سے دستک دے کر کوئی اندر آیا تھا۔

''نویلہ!'' اسے کسی نے پکارا تھا، ساتھ ہی لائٹیں آن کی تھیں، آنے والی علیشہ تھی، سر تا پا خوشیوں میں ڈوبی ہوئی، چاہے جانے اور قبول ہونے کے احساس نے اسے مزید خوبصورت اور مغرور بنا دیا تھا، مگر اس وقت وہ پریشان دکھائی دے رہی تھی، نویلہ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھی اور تیزی سے آنسو پونچھنے لگی تھی۔

''میں نے ماما کو کئی بار سمجھایا تھا کہ عیسیٰ کے معاملے میں تمہیں Encourage مت کریں، مگر انہوں نے کبھی میری بات کو نہیں سمجھا، اسی لئے کہتی تھی میں کیونکہ میں اس کی نیچر کو سمجھ گئی تھی۔'' علیشہ نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تو وہ سسک اٹھی۔

''جو اس نے تمہارے ساتھ کیا اس کی سزا ضرور پائے گا۔''

''نہیں علیشہ!'' وہ تڑپ کر اس سے الگ ہوئی تھی۔

''ایسے مت کہو، بد دعا نہ دو۔'' اس نے منع کیا تو علیشہ کو اس پر غصہ آ گیا اور وہ ضبط نہ کر سکی۔

''ایک شخص نے تمہاری زندگی برباد کی، اتنا گھناؤنا کھیل کھیلا تمہارے ساتھ اور تم کہتی ہو اسے بد دعا نہ دوں۔'' اسے حیرت ہوئی تھی نویلہ پر، بھلا وہ کیسے ایک ایسے آدمی سے محبت کر سکتی ہے جو اس کی خوشیوں کو اپنی اناء اور تکبر کے تلے روند کر چلا گیا تھا۔

''اگر عدیل بھائی آپ کے ساتھ کچھ غلط کریں تو آپ ان سے محبت کرنا چھوڑ دیں گی؟'' اس نے سوال کیا تو جواب میں علیشہ طنز سے مسکرا دی۔

''محبت تو کیا میں اسے ہی چھوڑ دوں گی، جو شخص میری قدر نہ کر سکے، میں کیوں اپنی زندگی اس کے لئے خراب کروں۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''پھر تم ان سے محبت نہیں کرتی۔'' نویلہ نے ٹھوس لہجے میں کہا تھا۔

''نویلہ...... نویلہ......'' ماما حواس باختہ سی اندر داخل ہوئی تھیں۔

''غضب ہو گیا۔'' نویلہ کا ہاتھ سیدھا دل پر گیا تھا، مارے خوف کے اسے اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''نویلہ...... عیسیٰ!'' ان سے بات مکمل نہ ہو رہی تھی۔

''ماما!'' وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ان کے قریب آئی تھی۔

''سب ٹھیک ہے نا؟'' اس نے ان کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھتے ہوئے ان کا شانہ ہلایا تھا، وہ چاہتی تھی کہ ماما جلدی سے اسے عیسیٰ احمد کی خیریت کی خبر دیں، مگر کچھ بھی برا اس کے متعلق سننے کی وہ ہمت نہ رکھتی تھی۔

''عیسیٰ کا پلین کریش کر گیا۔'' وہ بدقت تمام بول پائیں۔

''نہیں ماما!'' اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ ان کے شانے سے ہٹایا اور خود بھی دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھیں۔

''آپ کو کس نے بتایا؟'' علیشہ ان کے قریب آئی تھی۔

''ابھی تمہارے ماموں کی کال آئی ہے۔'' وہ رو رہی تھیں، نویلہ جیسے پتھر کا بت بن گئی تھی، اس کا وجود اس خبر کو سنتے ہی گویا بے جان ہو گیا تھا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا نہیں ہو سکتا ماما۔'' وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''علیشہ اسے سنبھالو، مجھے جانا ہو گا۔'' ماما تیزی سے باہر نکل گئیں اور ڈرائیور کو گاڑی

نکالنے کی ہدایات دینے لگیں۔

''عیسیٰ کو کچھ نہیں ہوسکتا، وہ نہیں جاسکتے مجھ سے اتنا دور، نہیں......علیشہ!'' وہ اس کی گود میں منہ چھپائے دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی، جبکہ علیشہ اس کی اس انوکھی محبت پر حیران تھی، اس کی سمجھ سے یہ سب باہر تھا، اس نے تو زندگی میں یہی اصول اپنایا تھا کہ محبت کے بدلے محبت اور نفرت کے بدلے نفرت، آج نفرت کے جواب میں محبت کا ایسا مظاہرہ دیکھ کر وہ سخت حیران تھی، اس کے لئے نویلہ کا رویہ ناقابل فہم تھا۔

☆☆☆

بہت سارا رو لینے سے فروا کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو دماغ بھی کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوا تھا، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ٹیکسی کی جانب بڑھی تھی، اسے شدت سے امی کی واپسی کا انتظار تھا۔

''تم کیا سمجھتے ہو خود کو موسیٰ علی، میں آج ہی امی سے بات کروں گی، تم کیا مجھے چھوڑو گے، میں خود تمہیں چھوڑ دوں گی۔'' وہ وہاں واپس جانے کا عہد کرکے آئی تھی، جانتی تھی یہ اتنا آسان نہیں ہے، امی اسے ایسا کرنے سے منع کریں گی، وہ اسے اس معاملے میں بالکل بھی سپورٹ نہیں کریں گی۔

''میں امی کو بتاؤں گی پہلے ہی دن تم نے میرے ساتھ کیا کیا۔'' وہ دل میں تہیہ کررہی تھی کہ امی کو سب بتائے گی، پھر یقیناً وہ خود ایسے شخص کے ساتھ اسے رہنے کے لئے مجبور نہ کریں گی۔

''عروبہ بھی امی کے ساتھ آجائے گی، ہم تینوں یہاں سے چلی جائیں گی، میں اور عروبہ جاب کرلیں گے۔'' وہ مستقبل کے پلان بنارہی تھی، ایسا سوچ کر کچھ جینے کی امید پیدا ہوئی تھی، اندر کی گھٹن کچھ کم ہورہی تھی، ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے اسے کافی دنوں کے بعد سانس آرہا ہو۔

''دفعہ ہو جاؤ، دور ہو جاؤ، میری نظروں سے۔'' وہ آنکھیں موندے بیٹھی تھی، جب اچانک اس کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی، اس نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''ہوگئی ہوں دور آپ کی نظروں سے۔'' اس نے تلخی سے مسکراتے ہوئے آنکھ کا بھیگا گوشہ دوپٹے کے پلو سے صاف کیا تھا۔

اس قدر اذیت ہے
درد ہی نہیں ہوتا

☆☆☆

فارقلیط حسن اپنے روم میں آگیا تھا، وہ آنکھیں موندے بیڈ پر لیٹا تھا مگر لاشعوری طور پر وہ عروبہ کا منتظر تھا، ڈیڈی کا اسے بار بار ڈانٹنا اسے بالکل بھی اچھا نہ لگ رہا تھا، ان کے غصے میں اس نے عروبہ کو ڈانٹ دیا تھا اور اب سخت بے چینی محسوس کررہا تھا، وہ زیادہ دیر لیٹ نہ سکا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا، جب مزید کچھ دیر وہ کمرے میں نہ آئی تو فارقلیط حسن باہر آگیا، اس کی توقع کے عین مطابق وہ گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی۔

''مائی گاڈ!'' وہ تیر کی سی تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

''عروبہ!'' اس نے اس کا شانہ ہلایا تھا، مگر وہ اسی طرح اس سے نظریں ملائے بناء روتی رہی، فارقلیط حسن کو افسوس ہوا کہ اس نے اسے کیوں ڈانٹا، اس کا تو اس پورے واقعے میں کوئی قصور نہیں ہے۔

''عروبہ ڈارلنگ!'' فارقلیط حسن نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں سے اوپر کیا تو ششدر رہ گیا، اس کی آنکھیں شدت گریہ سے بری طرح سرخ ہورہی تھیں۔

''اٹھو اندر چلیں۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے بیڈ روم میں لے آیا، اسے بیٹھا کر وہ خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا، اس کے آنسو ابھی بھی نہ تھمے تھے۔

''اتنا چڑیا جیسا دل کیوں ہے تمہارا؟'' اس کا ہاتھ ابھی بھی فارقلیط حسن کے ہاتھ میں تھا۔

''رونا، پریشان ہونا ایک فطری بات ہے، مگر آنسوؤں سے اتنی گہری دوستی کیوں ہے تمہاری؟'' اس نے ہاتھ بڑھا کر عروبہ کے گالوں پر پھسلتے ننھے قطروں کو پونچھا تھا، مگر جیسے جیسے وہ اس کے آنسو صاف کر رہا تھا وہ اور تیزی سے بہنے لگتے تھے۔

''ناراض ہو مجھ سے؟'' اس نے نرمی سے پوچھا تھا، عروبہ غضنفر نے فوراً اس کی طرف دیکھا تھا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''آج مجھ سے اپنے سب دکھ کہہ دو، کیا بات تمہیں ہر وقت اداس رکھتی ہیں، کیوں اتنی جلدی گھبرا جاتی ہو۔'' اس نے کوئی جواب نا دیا تھا، فارقلیط حسن کچھ دیر بغور اس کی جانب دیکھتا رہا، جیسے اندازہ لگانا چاہتا ہو کہ وہ کیا سوچ رہی ہے، مگر یہ اس کے لئے مشکل تھا، وہ کچھ بھی سمجھ نہ پا رہا تھا۔

''دیکھو زندگی میں اگر ہمیں دکھ ملتے ہیں تو ساتھ میں کچھ اچھی چیزیں بھی ہوتی ہیں، ہمیں انہیں اہمیت دینی چاہیے، اس سے ہمارے اندر پازیٹو Thinking آتی ہے جیسے تم اس بات پر اداس ہونے کے بجائے کہ تمہارے بابا نے تم پر اعتماد نہیں کیا اور تمہاری ایک انجان شخص سے شادی کروا دی، اس کو ایسے بھی دیکھ سکتی ہو کہ تمہارے بابا کی جگہ کوئی اور باپ ہوتا تو شاید بیٹی کا Murder ہی کر دیتا۔'' وہ پیار سے اسے سمجھا رہا تھا، مگر عروبہ غضنفر اس کی بات نہ سمجھ رہی تھی، وہ سمجھتی بھی کیسے، فارقلیط حسن کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس نے کیسی زندگی گزاری ہے، ماں کی محبت اور باپ کے ہوتے ہوئے بھی اس کے سائے کے لئے ترسی ہے، اب فارقلیط حسن کا محبتوں بھرا انداز اس کے دل کو مزید گداز کر دیتا تھا، اس کی چاہت اسے مضبوط بنانے کے بجائے مزید کمزور کر رہی تھی۔

''جہاں تک بات میرے ڈیڈ کی ہے تو ان کی باتوں پر دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ تمہارے کچھ نہیں لگتے۔'' وہ جانتا تھا کہ اس وقت عروبہ ڈیڈ کے رویے سے ہرٹ ہوئی ہے، اسے بہت برا محسوس ہوا تھا ان کا عروبہ کو ڈانٹنا، مگر وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا، سوائے اس کے کہ عروبہ کو ان سے بات کرنے سے منع کر دے۔

''آپ تو لگتے ہیں نا۔'' اس نے پہلی بار لب کھولے تھے، معصومیت سے کہتے ہوئے وہ آنسو پونچھتی ہوئی فارقلیط حسن کو بہت پیاری لگی تھی۔

''تو میں نے کیا کہا تمہیں؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ نے ڈانٹا ہے مجھے۔'' اس نے گال رگڑے۔

''واٹ؟'' اس نے حیران ہونے کی بھرپور ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے کب ڈانٹا تمہیں؟'' وہ استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''آپ نے ڈانٹا ہے مجھے، بہت زور سے۔'' وہ ایک خفگی سے بھرپور نظر اس پر ڈال کر وہاں سے اٹھ گئی اور اس سے دور جا بیٹھی، فارقلیط حسن فوراً اس کے پاس آیا۔

www.urdusoftbooks.com

''اچھا یہ تو بتاؤ میں تمہارا کیا لگتا ہوں؟'' وہ کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی، فارقلیط حسن اس کے عقب میں کھڑا ہوا تھا، اس کے کان کے قریب اس نے سرگوشی کی تھی اس کی بات پر اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا، وہ اس کی شرارت کو بھانپ گئی تھی۔

''بتاؤ نا عروبہ!'' وہ اس کی بات سے حظ اٹھاتے ہوئے بولا تھا، وہ ہنوز خاموش تھی، فارقلیط حسن نے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں میں سے کیچر نکال دیا تھا، اس کے خوبصورت سلکی بال شانوں پر بکھر گئے تھے۔

''میں سمجھتی تھی آپ میرے دوست ہیں، بہترین دوست۔'' اس نے مڑتے ہوئے کہا تھا، فارقلیط حسن اس کی بات پر مسکراہٹ دباتے ہوئے گویا ہوا۔

''سمجھتی تھی، مطلب اب نہیں ہوں میں دوست تمہارا؟'' وہ جان بوجھ کر بات کو طول دے رہا تھا، وہ عروبہ غضنفر کی باتوں کو ایسے معنی پہنا رہا تھا جو درحقیقت ان کے معنی نہ تھے، وہ تو اپنی معصومیت میں کہے جا رہی تھی اور اس کی سماعتیں اس کے لفظوں سے معطر ہو رہی تھیں۔

''نہیں۔'' اس نے خفا سی نگاہ فارقلیط حسن کے دلکش سراپے پر ڈالتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''اچھا تو اب کیا لگ رہا ہوں؟'' اس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی، دوسری جانب عروبہ غضنفر کی بے نیازی بھی عروج پر تھی اور اس کی یہی بے نیازی ہی تو فارقلیط حسن کو اول روز، پہلی ملاقات میں ہی بھا گئی تھی۔

''ظالم قسم کے ہزبینڈ۔'' اس نے منہ پھلا کر کہا تو فارقلیط حسن خوب زور سے ہنسا تھا، اس کی ہنسی نے عروبہ غضنفر کا دل اور بری طرح جلایا تھا، وہ وہاں سے جانے لگی تھی۔

''کہاں چلی؟'' فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے واپس کھینچا تو وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی، آنکھوں میں ڈھیروں ناراضی لئے ہوئے۔

''جہنم میں۔'' وہ جل کر بولی۔

''اف۔'' فارقلیط حسن نے اس کے چہرے پر پھسلتی ریشمی زلفوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

''اتنی نیک اور اچھی لڑکیاں تو صرف جنت میں جاتی ہیں۔'' وہ اسے چھیڑنے سے باز نہ آ رہا تھا، عروبہ غضنفر نے کوئی جواب نہ دیا۔

''اور آپ کے بہانے ہم بھی جنت میں چلے جائیں گے۔'' اس نے عروبہ کی ناک کھینچی تھی، وہ تیزی سے اس سے دور ہٹ کر جا بیٹھی تھی۔

''آپ کے ڈیڈی آپ سے سخت خفا ہیں، آپ کو ذرا فکر نہیں ہے؟'' اسے فارقلیط حسن پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس کا باپ اس سے خفا ہے اور وہ کیسے خوشگوار موڈ میں گھوم رہا ہے، جیسے اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔

''تم جو ہو، فکر کرنے کے لئے۔'' وہ ڈرائی فروٹ کی باسکٹ اٹھا کر اس سے کچھ فاصلے پر آ بیٹھا اور کھانے لگا، ساتھ ہی اس پر لطیف سا طنز بھی کیا۔

''مجھے عادت نہیں ہے فضول ٹینشن لینے کی، میں ایک خوش مزاج بندہ ہوں، اسی لئے تو لڑکیاں میرے آگے پیچھے گھومتی ہیں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا، ساتھ ہی اس کے تاثرات جانچنے کے لئے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''آپ کی ابھی بھی گرل فرینڈز ہیں؟'' عروبہ تو صدمے سے بے ہوش ہونے والی تھی، اسے یقین نا آتا تھا کہ فارقلیط حسن اس سے

شادی کے بعد بھی اور لڑکیوں میں دلچسپی رکھتا ہے، وہ تو سمجھ رہی تھی کہ اس نے شادی سے پہلے کے تمام شوق چھوڑ دیئے تھے۔

''ہاں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ سکون سے بولا۔

''مگر بیوی صرف تم ہو۔'' وہ ایسے بولا جیسے یہ کوئی بہت ہی عام سی بات ہو۔

''آپ مذاق کر رہے ہیں نہ؟'' عروبہ اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی اور ڈرائی فروٹ کی باسکٹ اس کے ہاتھ سے پکڑ کر دور رکھ دی۔

''No, i am hundred percent seriaes۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''Unbeliveable!۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''آپ تو کہتے ہیں آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔'' اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھیں اور اسی مقام پر آ کر فارقلیط حسن بے بس ہو جاتا تھا۔

''میں نے کب کہا میں تم سے محبت نہیں کرتا۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''میں نے زندگی میں بہت کچھ کھویا ہے فارقلیط حسن میرے پاس کھونے کے لئے آپ کے سوا اب اور کوئی نہیں ہے اور کچھ نہیں ہے اور میں......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''میں آپ کو کھونا نہیں چاہتی۔'' بات مکمل کر کے اس نے اپنا سر فارقلیط حسن کے شانے سے ٹکا دیا تھا، خود سپردگی کا یہ انداز فارقلیط حسن کو بہت بھایا۔

''Silly girl۔'' فارقلیط حسن نے اپنے بازو کا حصار اس کے گرد باندھا۔

''don,t get emotional میں تو صرف مذاق کر رہا تھا، اتنا Serious ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فارقلیط حسن نے واضح کیا تھا، کیونکہ وہ اسے اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے محبت یہ نہیں ہے کہ کسی کو اپنا پابند کر لیا جائے، بلکہ محبت تو یہ ہوتی ہے کہ خود اپنا دل کسی ایک کے حوالے کر دیا جائے۔'' وہ رسانیت سے گویا ہوئی۔

''اتنا تجربہ میرا خیال ہے آپ نے تو کبھی محبت کی ہی نہیں، ہیں نا؟'' فارقلیط حسن نے لطیف سا طنز کیا، وہ اسے دیکھے گئی۔

''بہت چالاک ہیں آپ۔'' بالآخر گویا ہوئی۔

''آپ بھی ہو جائیں نا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا، عروبہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

☆☆☆

صوفیہ جیسے گھر آئی تھیں اسی طرح الٹے قدموں واپس لوٹ گئیں، بھائی کے گھر پہنچیں تو قیامت کا سماں ان کا منتظر تھا، بہن کی حالت دیکھ کر وہ خود پر ضبط کھو بیٹھیں۔

''آپا! میرا اکلوتا بیٹا۔'' عیسیٰ احمد کی ماما بھی بہن کو سامنے دیکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی تھیں، ہر آنکھ اشکبار تھی، پورا خاندان وہاں جمع تھا، کسی کو بھی یقین نا آ رہا تھا۔

عیسیٰ احمد کے والد سر جھکائے نڈھال بیٹھے تھے، جوان بیٹے سے جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا، ان کا دل دکھ سے پھٹ رہا تھا، مگر وہ مرد تھے، وہ عورت کی طرح نہ تو دھاڑیں مار کر رو سکتے تھے، نہ ہی چیخ اور چلا سکتے تھے، مگر ان کے اندر بین ہو رہے تھے، ان کے آنسو ان کے دل پر گر رہے تھے۔

''پھپھو حوصلہ کریں، پلیز یہ خبر جھوٹی ہو گی، عیسیٰ کو کچھ نہیں ہو سکتا۔'' عدیل نے آگے بڑھ کر

انہیں پانی پلانا چاہا، اس کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں، وہ عیسیٰ احمد کا بہترین دوست تھا اور جانتا تھا کہ وہ کس طرح عروبہ غضنفر سے محبت کی سزا کاٹ رہا تھا۔

''عدیل میرے بیٹے کو ڈھونڈ لاؤ، میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' ان کی باتیں سب کو رلا رہی تھیں، ہر کسی کو ان کا دکھ محسوس ہو رہا تھا، مگر کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا، سب بے بس تھے، خاموش تھے اور شاکڈ تھے۔

☆☆☆

غضنفر علی خاموش ہو گئے تھے، شاید وہ یقین کرنا چاہتے تھے، یا پھر غور کہ کیا واقعی جو گل افزاء نے کہا ہے وہ صحیح ہے، کیا واقعی ان کے نام کا حوالہ اب اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا، یا پھر وہ ان سے ناراض ہے، اس لئے ایسا کہہ رہی ہے۔

''میں تم سے آج بھی ویسی ہی محبت کرتا ہوں گل افزاء جیسی اول روز سے کی تھی، پلیز مجھے ایک موقع اور دے دو، میں تمہاری تمام محرومیوں کو دور کر دوں گا، تمہارے تمام گلے شکوے ختم کر دوں گا۔'' غضنفر علی کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ گل افزاء کا ہاتھ پکڑ کر اس دنیا سے کہیں دور نکل جائیں، جہاں صرف وہ دونوں ہوں، ماضی کی تلخ یادیں اور ان کے درمیان گزرے جدائی کے لمحے ان کو ستانے کے لئے نہ آئیں، مگر ضروری تو نہیں ہر خواہش پوری ہو۔

''مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' وہ بولیں تو ان کے لہجے میں کسی ٹھنڈی میٹھی جھیل جیسا سکون تھا، یہی سکون اور اطمینان ان کے چہرے پر بھی تھا، مگر غضنفر علی کے چاروں جانب کسی زوردار طوفان کا موسم تھا، تیز تیز جھکڑ انہیں اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے اور وہ چاہ کر بھی ان سے نکل نہ پا رہے تھے۔

''جہاں تک بات محرومیوں کی ہے تو غضنفر صاحب!'' وہ سانس لینے کو رکیں اور غضنفر علی بغور ان کے چہرے کو دیکھنے لگے تھے، ان کی آنکھوں میں آس کے دیے جگمگا رہے تھے اور ان جلتے بجھتے دیوں سے نظریں چرا کر گل افزاء ایک مرتبہ پھر گویا ہوئیں۔

''محرومیوں کا ازالہ تو شاید ممکن ہے مگر دکھوں کا نہیں۔'' وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے، غضنفر علی کو یوں لگا تھا جیسے ہر سو اندھیرا چھا گیا ہو، دن پر یکا یک رات نے اپنی تاریک چادر پھیلا دی ہو۔

''مجھے گھر جانا ہے۔'' وہ بولیں، غضنفر علی ان کے راستے میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

''برسوں پہلے تم مجھ سے پوچھے بنا میرا گھر چھوڑ گئی تھیں، میں کچھ نہ کہہ سکا، آج مت چھوڑ کر جاؤ، میں روک رہا ہوں۔'' وہ ہاتھ جوڑے کھڑے تھے، کاسہ دل ان کے سامنے پھیلائے محبت کے سوالی بنے۔

''تب روک لیتے تو میں رک جاتی، تب آپ کو مجھے روکنا چاہیے تھا، مگر اب میں آپ کے روکنے سے نہیں رک سکتی، میرا دل آپ کے انتظار میں تھک چکا ہے، مایوس ہو کر کب کا لوٹ چکا ہے اب واپس نہیں آ سکتا، میں آپ کو معاف کرتی ہوں، ہر اس دکھ اور بے وفائی کے لئے جو آپ نے میرے ساتھ کی، مگر میں واپس آپ کی زندگی میں نہیں آنا چاہتی۔'' وہ ان کے سائیڈ سے ہو کر نکلتی چلی گئی تھیں، غضنفر علی خالی ہاتھ لئے کھڑے رہ گئے تھے، انہیں بہت امید تھی کہ گل افزاء ان کو معاف کر کے اپنا لے گی مگر یہ ان کی خام خیالی ثابت ہوئی تھی، محبت کی نماز کو اگر وقت پر ادا نہ کیا جائے تو قضا کا موقع بھی نہیں ملتا۔

اور غضنفر علی نے وقت پر محبت کی قدر نہ کی

تھی، گل افزاء کی بے ریا اور پر خلوص چاہت کو شک کی نظر سے دیکھا تھا، یہی ان کا جرم تھا اور اب ان کی یہی سزا تھی، وہ باہر نکلے تو گل افزاء گاڑی کے بیک ڈور کے پاس کھڑی تھیں، وہ شکستہ قدموں سے چلتے ہوئے ان کے قریب آئے تھے۔

''پلیز میری ایک آخری ریکویسٹ مان لو۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولے تھے، گل افزاء نے ایک خاموش نظر ان کی سمت اچھالی، منہ سے کچھ نہ بولیں۔

''آخری مرتبہ میرے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔'' ان کے انداز میں اتنی منت اتنی سچائی تھی کہ گل افزاء رد نہ کرسکیں اور فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئیں۔

''تھینک یو، تھینک یو سو مچ گل افزاء۔'' وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر ان کی جانب مڑے، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تھا اور وہ انہیں جواب بھی کیا دیتیں۔

''کاش وقت یہیں رک جائے، میں اسے یہیں روک لوں، لمحے یہیں تھم جائیں، تم اور میں آخری سانس تک ساتھ رہیں۔'' وہ بول رہے تھے، گل افزاء کی سماعتوں کو معطر کر رہے تھے، وہ لب سیے بیٹھی تھیں۔

میں سفر میں تھی میں سفر میں ہوں مجھے قربتوں کی خبر کہاں
جسے راستوں کا پتا نہیں اسے منزلوں کی خبر کہاں
میرے بے خبر تجھے کیا خبر کہاں کون تجھ سے بچھڑ گیا
تجھے اپنی ذات عزیز ہے تجھے دوستوں کی خبر کہاں
تو عروج ہے میں زوال ہوں تو یقین ہے میں گمان ہوں
یہ ہمارا رشتہ اٹوٹ ہے ہمیں فاصلوں کی خبر کہاں
یونہی کٹ گئے میرے روز و شب تجھے کیسے کوئی بتائے اب
تیرے ہجر میں جو ملے مجھے، تجھے ان دکھوں کی خبر کہاں
مجھے تجھ سے کوئی گلہ نہیں مجھے حوصلہ ہی ملا نہیں
میرے مہرباں تجھے اب بھلا میری خواہشوں کی خبر کہاں

گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور گیٹ سے باہر نکل گئی، گل افزاء نے چادر کی اوٹ میں بائیں آنکھ کا کنارا پونچھا، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ غضنفر علی ان کے دل کا حال جان پائیں، ان کو معلوم تھا کہ اگر غضنفر علی دیکھ لیتے تو یہ آنسو ان کے قدموں کی زنجیر بن جاتا۔

☆☆☆

''زین!'' وہ لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا جب ماں اس کے پاس آ بیٹھیں، چائے کا کپ اسے تھمایا اور اپنا کپ لے کر سنگل صوفے پر جا بیٹھیں اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی کا والیوم کم کر دیا۔

''یس باس!'' اس نے ہمیشہ کی طرح خوشگوار انداز میں ان کو جواب دیا جس پر وہ نہال ہو جایا کرتی تھیں، ابھی بھی ہنس دی تھیں۔

''ماں کیا بات ہے آپ کے ہاتھ کے ذائقے کی، قسم سے اتنی اچھی چائے اور کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔'' اس نے چائے کا ایک سیپ لیا اور ہمیشہ کی طرح ان کی تعریف کی تھی، جب بھی وہ ان کی تعریف کرتا تھا تو انہیں اپنے مرحوم شوہر ندیم یاد آ جاتے تھے، وہ بھی ایسے ہی ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعریف کرتے تھے، اتنا ہی انہیں چاہتے تھے اور سراہتے تھے۔

''ہاں! مگر میں سوچ رہی ہوں تم یہ ایک ہی قسم کا ذائقہ پی پی کر بور نہ ہو جاؤ، اس لئے سوچ

رہی ہوں کہ یہ ذائقہ کبھی کبھی بدل لینا چاہیے۔"

وہ بڑے سلیقے سے اسے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر اس کا دھیان نیوز کی طرف تھا، اس لئے ان کی بات پر زیادہ غور نہ کر سکا۔

"ہوں۔" اس نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

"تو پھر کیا خیال ہے دیکھوں تمہارے لئے لڑکی؟" انہوں نے مدعا بیان کیا اور زین ندیم حیرت سے انہیں دیکھنے لگا، اسے یوں اچانک ان سے ایسے سول کی امید نہ تھی۔

"چائے کے ذائقے کا میرے لئے لڑکی دیکھنے سے کیا تعلق؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

"دیکھو نا لڑکی آئے گی تو تمہیں کبھی کبھی چائے وہ بنا دیا کرے گی، اس طرح ذائقہ بدل جائے گا۔" انہوں نے وضاحت کی تھی۔

"واہ میری ماں you are great! you are best! I am lucky enough to have mom like you!" اس نے شریر انداز سے کہتے ہوئے اٹھ کر بازو ان کے گلے میں حمائل کر دیئے تھے۔

"آپ کی ذہانت کا جواب نہیں، سیدھی طرح کہیں نہ آپ کو نوکرانی چاہیے، بغیر تنخواہ کے۔" اس کی بات پر وہ ایک دم سے سیدھی ہوئیں اور اسے گھورنے لگیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" جواب میں وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

"کوئی مطلب نہیں، اچھا یہ بتائیں یہ مہم کب شروع کرنے والی ہیں آپ اور یہ کیسے پتا چلائیں گی کہ لڑکی اچھی چائے بنا سکتی ہے کہ نہیں، ایسا نہ ہو شادی کے بعد ہمیں پتا چلے محترمہ کو چائے ہی نہیں بنانی آتی۔" اس کی یہی باتیں ان کے گھر اور دل کا سکون بھی تھیں اور رونق بھی۔

"ایسی انجان لڑکی لائیں گے ہی نہیں ہم، میرے کالج میں ٹیچر ہے ماریہ اس کی بھانجی بہت اچھی اور سگھڑ لڑکی ہے، ابھی گریجویشن کا رزلٹ آیا ہے اس کا، بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوئی ہے۔" ان کی بات سے اسے کچھ دیر پہلے کا واقعہ یاد آ گیا تھا جب وہ سر موسیٰ کے گھر گیا تھا اور ان کی کزن سے اس کی ملاقات ہوئی تھی، بے اختیار ہی اس کے لبوں کو ایک دلفریب مسکراہٹ چھو گئی تھی۔

"اچھا شادی کے لئے لڑکی کا گریجویشن ہونا ضروری ہے؟" وہ مسکراہٹ کو سمیٹتے ہوئے گویا ہوا تھا، بے خیالی میں اس نے یہ بات کہی تھی۔

"ہاں! کم از کم اتنی تو تعلیم ہو۔" وہ کہنے لگیں۔

"اگر کوئی لڑکی فیل ہو جائے، تو کیا اس کی شادی بھی نہیں ہونی چاہیے؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں۔" انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔

"اسے پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہیے۔"

اور زین ندیم خاموش ہو گیا تھا، اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ وہ بھلا کیوں اس کے متعلق سوچنے لگا تھا اور پھر اس قسم کا سوال بھی کر بیٹھا۔

"ماں ابھی تو رہنے دیں، میری نئی نئی جاب ہے، مجھے سیٹ ہو جانے دیں۔" انہوں نے بھی پھر مزید کوئی بات نا کی تھی، فی الحال اس کے کان میں بات ڈال دی تھی یہی کافی تھا۔

☆☆☆

علیشبہ نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی مگر نویلہ کسی طرح نہ سنبھل رہی تھی، اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر رکھا تھا، وہ عدیل کو کئی بار فون کر چکی تھی کہ اس سے کوئی نئی خبر ملے، کوئی امید افزاء بات مگر ہر بار ناکامی اور مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

''Please leave me alone alisha!'' اس نے روتے روتے سر اوپر اٹھایا تھا، علیشہ کو اس پر بہت ترس آیا تھا، اس کی اکلوتی پیاری بہن، جو کل تک آنکھوں میں ڈھیروں خواب سجائے اس گھر سے رخصت ہوئی تھی، ایک ہی رات میں اجڑ کر واپس آ گئی تھی اور جس نے اس کی خوشیوں کو آگ لگائی تھی، اس کے ارمانوں کا خون کیا تھا، وہ خود بھی نہ رہا تھا اور اس کی بہن کیسی پاگل تھی اس کے لئے آنسو بہا رہی تھی۔

''I think it,s true love'' وہ کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

نویلہ نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے اور اٹھ کر واش روم میں چلی گئی تھی، وضو کر کے واپس آئی اور جائے نماز بچھا کر دو نفل نماز حاجت کے پڑھنے لگی۔

''اللہ اکبر!'' اس نے ہاتھوں کو اوپر اٹھایا تو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا خود کا وجود بھی خلا میں معلق ہو، نیت باندھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، وہ رو رہی تھی، مسلسل رو رہی تھی، ایک لمحے کو بھی اس کے آنسو نہ تھمے تھے، نوافل ادا کر کے اس نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے تھے۔

''اللہ!'' اس کے لب ہولے سے ہلے تھے اور وہ سسک اٹھی تھی، اس سے آگے کچھ کہہ ہی نہ سکی تھی، دل اتنا سہما ہوا تھا کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہو رہا تھا، اسے معلوم نہ تھا کہ اللہ سے مانگنے کے لئے، دل کا حال بیان کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ زبان سے بتایا جائے، وہ تو انسان کی روح کے اندر چھپی ہوئی اذیتوں کو بھی جانتا ہے، اس لئے کبھی کبھی اس کے سامنے صرف ہاتھ پھیلا دینا بھی کافی ہوتا ہے، وہ رو رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی مگر کچھ مانگ نہ رہی تھی اور وہ تو سب جانتا تھا کہ اسے کیا چاہیے، اسے کس کی مطلب ہے، اسے کس کی چاہ ہے۔

وہ چھوٹی سی لڑکی جان ہی نہ سکی اور عیسیٰ احمد کی محبت نے اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو خدا سے جوڑ دیا، اپنی زندگی میں دو بار اس نے ہاتھ پھیلائے تھے، پہلی بار عیسیٰ احمد کے سامنے اس کی محبت پانے کے لئے اور آج دوسری مرتبہ اللہ کے سامنے، عیسیٰ احمد کی زندگی کے لئے۔

☆☆☆

جب کسی کو پکارا جائے اور پکار کا جواب ملے تو انسان کو بات کرنے کا حوصلہ ملتا ہے، ہمت بڑھتی ہے اور اگر سامنے سننے والا رب تعالیٰ ہو تو انسان میں ایک نیا حوصلہ اور امنگ پیدا ہو جاتی ہے، جینے کی، آگے بڑھنے کی، کچھ ایسا ہی وہ بھی محسوس کر رہی تھی۔

''اللہ! تو نے دیکھا اس دنیا نے میرے ساتھ کیا کیا، آج تک مجھے ہر انسان نے دھتکارا، دنیا میں ہر جگہ پر میرا نمبر آخری ہی رہا ہے، مجھے کہیں بھی اماں نہ ملی، کہیں سکون نصیب نہ ہوا، تیرے انسانوں کا بہت محبت دی میں نے، ہر رشتے کو اس کا مقام اور احترام دیا مگر بدلے میں میرے ساتھ کیا ہوا؟'' بادل ایک مرتبہ پھر زور سے گرج کر اسے بات جاری رکھنے کا عندیہ سنا رہا تھا، اس نے ایک مرتبہ پھر نگاہیں اٹھا کر سیاہ آسمان کی جانب دیکھا تھا۔

''والدین، بہن بھائی، دوست احباب، شوہر اور اب بچے بھی، کسی رشتے نے مجھ سے وفا نہ کی، میں ان سب کو خوش کرنے کی کوشش اور

خواہش میں تجھے بھی بھلا بیٹھی، مگر نہ تو وہ خوش ہوئے اور...... میں اس دنیا میں لوگوں کے ساتھ رہنے کا ڈھنگ نہیں جان پائی، اتنی عمر گزر گئی مگر مجھے وہ اسلوب معلوم نہ ہو سکے جن سے یہ دنیا خوش ہوتی ہے، مجھے اب کسی انسان کے در پر نہیں جانا مالک!" وہ ایک مرتبہ پھر اٹھ کر چلنے لگی تھی، اماوس کی سیاہ رات میں ہر سو گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا، سال کی آخری بارش ہر شے کو دھو کر نیا اور ستھرا کر رہی تھی، اس کے پاؤں شل ہو رہے تھے، ایک ایک قدم من من بھر کا ہو رہا تھا۔

چلتے چلتے اسے سڑک پر کسی پتھر سے ٹھوکر لگی تھی، وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑی تھی، ناک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا، بے بسی سے سر اٹھا کر اوپر دیکھا تھا، اس لمحے اسے وہ سنگدل شخص بہت شدت سے یاد آ رہا تھا، کیسے اس کی عادتیں بگاڑ دی تھیں اس نے اور اب اسے یوں دھتکارا تھا اور اسے تو ہر جگہ دھتکارا گیا تھا، غلطی اس کی تھی اسے سمجھ نہ سکی۔

☆☆☆

تمام رات سب نے بہت اذیت میں روتے ہوئے گزاری تھی، عیسٰی احمد کی ماما ایک منٹ کے لئے بھی چپ نہ ہوئی تھیں، نہ ہی وہ لیٹی تھیں، نہ کسی سے بات کرتی تھیں، گھر کے کچھ لوگ ایئر پورٹ گئے تھے انفارمیشن لینے کے لئے لیکن خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تھا۔

رات گزر گئی تھی اور دن نکل آیا تھا سب ایک دوسرے سے نظریں چراتے پھر رہے تھے، دفعتاً عدیل کے نمبر پر کال آئی تھی۔

"باہر کا نمبر ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑایا اور کال اٹینڈ کی، سب اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"عیسٰی تم۔" وہ زور سے چلایا اور اٹھ کھڑا ہوا، سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"کہاں ہے عیسٰی؟"

"کیسا ہے؟"

"میری بات کرواؤ؟" طرح طرح کے سوالات تھے اور قسم قسم کی آوازیں، عیسٰی احمد کی ماما بے ہوش ہو چکی تھیں، اس کے پاپا نے آگے بڑھ کر موبائل عدیل کے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا۔

"عیسٰی میری جان، میرے بچے کدھر ہو؟"

وہ رو رہے تھے، ان کی آواز سنتے ہی اسے ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا کہ وہ کس طرح اپنے والدین کو وہاں تنہا چھوڑ کر آ گیا تھا اور اب وہ اس کے لئے پریشان تھے۔

"پاپا میں گھر واپس آ گیا ہوں۔" اس نے انہیں بتایا، وہ آواز سے بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"بیٹا آپ ٹھیک تو ہو نا؟ کدھر سے بول رہے ہو؟" ان کی تسلی نہ ہو رہی تھی۔

"پاپا I am perfectly fine میں ابھی کچھ دیر پہلے گھر پہنچا ہوں اور میرا فلائیٹ نمبر 113 نہیں 313 تھا غلطی سے آپ کو 113 بتا دیا۔" اسے تمام خبر مل گئی تھی کہ فلائیٹ نمبر 113 حادثے کا شکار ہو گئی تھی، وہ جانتا تھا کہ اس کے والدین کی کیا حالت ہو رہی ہو گی، اس لئے فوراً انہیں فون کر رہا تھا۔

"ماما کیسی ہیں؟ ان سے بات کروا دیں؟"

وہ جانتا تھا کہ اس وقت اس کی ماں کی کیا حالت ہو گی، اس کی ناراضی اور لاپرواہی نے اس کے والدین کو کس قدر دکھی کیا تھا یہ خیال ہی اسے سخت شرمندہ کر رہا تھا۔

"وہ ابھی بات نہیں کر سکتی، کچھ دیر بعد بات کرواتا ہوں۔" انہوں نے قصداً اسے بتانے سے پرہیز کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہیں۔

"ماما ٹھیک تو ہیں نا؟" وہ متفکر ہوا۔

''ہاں، تم پریشان مت ہو۔'' انہوں نے فون بند کیا اور عیسیٰ احمد کی ماما کی جانب بڑھے، جن کا سر اپنی بہن کی گود میں تھا، صوفیہ کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، خونی رشتوں کی محبت بھی کتنی عجیب چیز ہوتی ہے، وہ سوچ کر رہ گئے۔

☆☆☆

فارقلیط حسن اپنے بیڈروم سے نکلا تو اس کی نظر ڈیڈی پر جا پڑی، وہ لاؤنج میں بیٹھے تھے، ان کے ہاتھ میں نیوز پیپر تھا جسے وہ نہایت انہماک سے پڑھ رہے تھے۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا اور ان کے سامنے جا بیٹھا، اس کی توقع کے عین مطابق انہوں نے کوئی جواب نہ دیا تھا، فارقلیط حسن مسلسل ان کی جانب دیکھ رہا تھا جبکہ وہ اسے نظر انداز کر رہے تھے۔

''آپ کب تک مجھ سے اس طرح خفا رہیں گے؟'' اس نے بات کا آغاز کیا تھا، اندر بڑھتے عروبہ کے قدم دروازے میں ہی رک گئے۔

''جب تک وہ لڑکی تمہارے ساتھ ہے۔'' انہوں نے پل بھر کو نظریں نیوز پیپر سے ہٹا کر اس کی جانب دیکھا اور سفاکی سے بولے۔

''آپ اتنے ظالم تو کبھی بھی نا تھے۔'' اسے یقین نا آرہا تھا کہ وہ ایسا بھی کہہ سکتے ہیں۔

''مگر تم ہمیشہ سے اتنے ہی نافرمان ہو، بس میں نے غور اب کیا، یا شاید پہلی مرتبہ تمہاری نافرمانی پر react کیا۔'' وہ کسی طرح بھی اسے معاف کرنے اور اس کی بات ماننے کو تیار نہ تھے، عروبہ میں ہمت ہی نا ہوئی کہ وہ اندر آئے اور ان دونوں کے پاس بیٹھے۔

''ڈیڈی I love her اور اس میں کیا غلط ہے، آپ نے بھی تو مما سے محبت کی تھی نا، آج تک ان کی یادوں کو سینے سے لگا کر رکھا ہوا ہے، ان کے جانے کے بعد دوبارہ شادی بھی نہیں کی۔'' اس نے ہمت کر ڈالی تھی، اور ایسی بات کہہ دی تھی جوان کے زخموں کو چھیڑ گئی تھی، کتنا چاہا تھا انہوں نے اپنی بیوی کو، مگر وہ شادی کے دو سال بعد ہی انہیں داغ مفارقت دے گئی، وہ آج بھی اس کی یادوں کو سینے سے لگائے پھر رہے تھے۔

''وہ لڑکی کیا تمہاری ماں جیسی ہے؟'' وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے خیالوں کی دنیا سے نکلے اور اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے خفگی سے بھرپور لہجے میں گویا ہوئے۔

''ڈیڈی وہ بہترین ہے، کبھی اسے پاس بیٹھنے کا موقع تو دیں، اس سے بات تو کریں۔'' فارقلیط حسن کو محسوس ہو رہا تھا کہ بہت زیادہ وقت ہو رہا ہے ڈیڈی کی ناراضی کو، اب اسے ختم ہو جانا چاہیے، مگر ان کا ایسا کوئی موڈ نظر نہ آتا تھا، اس سے پہلے وہ کبھی اس طرح سے اس سے ناراض نہ ہوئے تھے۔

عروبہ ان دونوں کے پاس سے گزر کر کچن میں چلی گئی تھی، فارقلیط حسن نے اس کے اداس چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہاری بیوی سے بات کرنے کا۔'' انہوں نے کٹھور پن کی انتہا کر دی تھی۔

''میرا خیال ہے اس نے آپ کی ساری باتیں سن لی ہیں۔'' اس نے انہیں ان کی زیادتی کا احساس دلانا چاہا۔

''So what?'' ادھر سرے سے کوئی اثر نہ تھا، فارقلیط حسن متاسف نظروں سے ان کی

جانب دیکھنے لگا۔

ان کے درمیان کچھ پل خاموشی حائل رہی تھی، جسے ان دونوں نے ہی توڑنے کی کوشش نہ کی تھی، دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے تھے کہ عروبہ چائے لے کر آ گئی تھی، وہ سب سے پہلے حسن بہزاد کی طرف گئی تھی، فارقلیط حسن جانتا تھا کہ وہ اس سے چائے نہیں پکڑیں گے، مگر اس وقت وہ اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''انکل! آپ کی چائے۔'' فارقلیط حسن اس کا جائزہ لے رہا تھا زرد رنگ کے سوٹ میں وہ خود بھی زمانے کی تلخیوں اور موسم کی سختیوں سے کملایا ہوا کوئی پھول لگ رہی تھی، اس نے میرون کلر کی شال لپیٹ رکھی تھی، بالوں کو پونی میں قید کر رکھا تھا، مگر کچھ آوارہ لٹیں چہرے کا طواف کر رہی تھیں، بلاشبہ وہ حسین ترین تھی۔

''بہت ڈھیٹ ہو تم۔'' حسن بہزاد نیوز پیپر ٹیبل پر پھینک کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے، فارقلیط حسن بے بسی سے اس کی جانب دیکھ کر رہ گیا تھا، اس نے بھی فارقلیط حسن کی جانب دیکھا۔

''عروبہ بہت اچھی چائے بناتی ہے ڈیڈ۔'' اس نے عروبہ غضنفر کی نگاہوں کی التجاء پڑھ لی تھی، اسے اس کی اداس آنکھیں بہت بے چین کر رہی تھیں۔

''پلیز ڈیڈ!'' وہ منت کرنے لگا تھا۔

''تم ہونا پینے کے لئے۔'' وہ باہر کی جانب بڑھے تھے، عروبہ نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی تھی اور خود جا کر صوفے پر بیٹھ گئی، فارقلیط حسن اپنی جگہ سے اٹھا اور چائے کے دو کپ اٹھا لئے، ایک کپ اس کی جانب بڑھایا۔

''لو یہ پیو۔'' عروبہ نے خاموشی سے کپ تھام لیا، فارقلیط حسن اپنا کپ لے کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''ہمیشہ کی طرح بہت مزیدار چائے بنائی ہے تم نے۔'' اس نے بازو عروبہ کے گرد پھیلا کر اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

''You know arooba farqleet hassan! Through love thorn,s be comes roses! (محبت سے کانٹے بھی پھول بن جاتے ہیں) So my daeling! my dear and beloved wife! don,t be disappointed. He will own you one day belive me۔''

اسے سمجھ نا آ رہی تھی کہ کیسے وہ عروبہ کی اس کی تکلیف کو کم کرے جو بار بار ڈیڈی اسے دے رہے تھے، زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اپنے باپ پر غصہ آیا تھا۔

''اوہ! یہ چائے آپ کی تھی، زیادہ شوگر والی، وہ میری ہے۔'' اس نے فارقلیط حسن کے ہاتھ میں موجود کپ کی جانب اشارہ کیا تو وہ مسکرا دیا اور کپ اس سے دو کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''I think you need more sugar than me!۔'' عروبہ غضنفر نے چند ثانیے خاموشی سے اس کی جانب دیکھا اور پھر چائے پینے لگی۔

''زندگی کی تلخیوں اور کڑواہٹ کو چائے کی چینی سے کم نہیں کیا جا سکتا۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''زندگی کی تلخیوں کو تو نہیں لیکن منہ کے ذائقے کو بدلا جا سکتا ہے اور یہ بھی ضروری ہے ڈیئر۔'' وہ خاموشی سے چائے پینے لگی، خالی کپ رکھ کر وہ اٹھنے لگی تو فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بیٹھا لیا۔

''بیٹھو یہاں۔'' اس نے اپنے پہلو میں اشارہ کیا وہ خاموشی سے بیٹھ گئی، فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی انگلیوں کو غور سے دیکھنے لگا۔

''تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گویا ہوا اور ڈائمنڈ رنگ جو اسی نے اسے گفٹ کیا تھا اور وہ ہر وقت پہنے رکھتی تھی، اسے کبھی اتارتا کبھی دوبارہ اسے پہنا دیتا۔

''میں ساری ہی بہت خوبصورت ہوں۔'' اس نے سادگی سے کہا۔

''That,s like a good girl۔'' وہ خوش ہوا تھا اس کی بات سن کر۔

''اسی طرح ہر بات کے لئے Confident رہا کرو۔'' وہ اسے پر اعتماد ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

''ویسے تمہیں کس نے بتایا کہ تم خوبصورت ہو؟'' وہ دلچسپی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''آئینہ سب بتا دیتا ہے۔'' اسے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''مگر سب باتیں آئینے کے بتانے کی نہیں ہوتیں، کچھ باتیں آپ کے عزیز، آپ کے پیارے ہی کہہ سکتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں چھپی اداسی اور کرب کو وہ محسوس کر رہا تھا اور وہ اس کی وجہ بھی جانتا تھا، مگر بہت کوشش کے باوجود بھی ابھی تک وہ کچھ نہ کر پایا تھا۔

''چیزوں کو، باتوں کو اور لوگوں کو اتنی ہی اہمیت دینی چاہیے جتنی وہ Deserve کرتے ہوں، کسی کو بھی زیادہ سر پر سوار مت کیا کرو۔'' وہ کیا کہہ رہا تھا، وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی، مگر ایسا کرنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔

''ہم یہاں کب تک ہیں؟'' اس نے قصداً موضوع بدلا۔

''جب تک ڈیڈ مان نہیں جاتے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا، اس کی مسکراہٹ بہت خوبصورت تھی، اتنے کم وقت میں وہ اس کے لئے کتنا اہم ہو گیا تھا، وہ اس کے بغیر ایک دن بھی نہ رہ سکتی تھی، ایک دن تو کیا تھوڑی دیر بھی دکھائی نہ دیتا تو وہ گھبرا جاتی اور اداس ہونے لگتی۔

☆☆☆

I have loved,
I have lost,
I have changed.
It has been a difecult road,
But i have learned.
I learned people
can hurt you
so deeply and
not even worry about you,
good people can change in
a minute.
When their hearts have
been broken-----
But the most important
thing i learned -----
You are strong enough to
let go.
People come and go,
That is a part of life.
The most impotant thing
is to stand up.
And reakize that you.
deserve something better

www.urdusoftbooks.com

than what you, ve been setting for.

نویلہ نے ایک گہری تھکی سانس خارج کی اور کتاب بند کر کے سائیڈ پر رکھی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''دل پر کب کسی کا اختیار چلا ہے، یہ کب بہتر اور پھر بہترین مانگتا ہے یہ تو ایک مرتبہ جسے چاہتا ہے وہی بہترین لگتا ہے، اس کے سامنے ساری دنیا کا حسن ماند پڑنے لگتا ہے۔'' اس نے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا اس کا موبائل اس سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا تھا، وہ اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی، جلد ہی کال ریسیو کرلی گئی تھی۔

''محبت کرنے والوں کی آنکھ تو دل میں ہوتی ہے۔'' وہ سوچ کر رہ گئی۔

''ہیلو۔'' نیند میں ڈوبی مخمور آواز اس کی سماعتوں میں رس گھول رہی تھی، اس کا جی چاہا ایسے ہی ہر طرف سکوت طاری رہے، ساری دنیا چپ رہے اور وہ بولتا رہے اور نویلہ غضنفر اسے سنتی رہے۔

''کون ہے بھئی؟'' اس نے کچھ جھنجلاتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے ہمت کر کے سلام کر دیا، دوسری جانب اس کی آواز سنتے ہی عیسٰی احمد کی تمام حسیات ایک دم جیسے بیدار ہوگئی تھیں، وہ ششدر رہ گیا۔

''کیوں فون کیا ہے؟'' وہ درشتی سے گویا ہوا۔

''صرف آپ کی آواز سننے کے لئے، دل کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ آپ ٹھیک ہیں، اسی دنیا کے کسی کونے میں ہیں جس میں، میں رہتی ہوں۔'' اس کی کسی بات نے نہ پہلے کبھی اس کے دل میں کوئی احساس جگایا تھا اور نہ ہی اب اس میں کوئی کامیابی نویلہ کو ہوئی تھی۔

''ہو گیا نا یقین کہ ابھی نہیں مرا، اب فون بند کر دو، دوبارہ یہ زحمت مت کرنا۔'' قبل اس کے وہ کچھ اور بولتی عیسٰی احمد نے کال کاٹ دی، نویلہ کے دل کو یک گونہ سکون کا احساس ہوا تھا، عیسٰی احمد زندہ ہے، سلامت ہے، یہ احساس ہر احساس پر حاوی تھا۔

مگر اب بھی وہ ویسا ہی تھا، اتنا بڑا زخم لگانے کے بعد بھی وہ اسے چوکے لگانے سے باز نہ آیا تھا۔

وہ جس کی سانس پہ تحریر تھی حیات میری
اسی کا حکم ہے اب رابطہ نہیں کرنا

''ٹھیک ہے عیسٰی احمد اب کبھی تمہیں نہیں پکاروں گی، تمہاری جدائی میں مجھ پر کیا بیتتی ہے یہ تمہارا مسئلہ تھوڑی ہے۔'' اس نے آنکھوں کے بھیگے گوشے پونچھے اور اٹھ کر کھڑکی کھول دی، ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا اندر آیا تھا۔

''عیسٰی احمد تم عروبہ سے محبت نہیں کرتے، اگر تم اس سے محبت کرتے ہوتے تو میری محبت کی قدر کرتے، اسے یوں قدموں تلے روند کر نہ جاتے۔'' وہ کمرے سے باہر نکل آئی تھی، اسے گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا، ماما اور علیشہ کہیں دکھائی نہ دے رہی تھیں، وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی تھی، اس کا رخ اس کمرے کی جانب تھا جہاں عیسٰی احمد ٹھہرا تھا۔

''عیسٰی!'' اندر قدم رکھتے ہی اس کے دل کی حالت غیر ہونے لگی تھی، ڈریسنگ ٹیبل پر اس کا پرفیوم پڑا ہوا تھا، اس نے اٹھا کر خود پر اسپرے کر لیا تھا، اس کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو اردگرد بکھری تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کے آس پاس ہی کہیں موجود ہو، وہ وارڈروب کی جانب بڑھی اور اسے کھولا، اس کے کپڑے ابھی

بھی وہاں موجود تھے، وہ کچھ بھی نہ لے کر گیا تھا، نویلہ اس کی وہی آسمانی ٹی شرٹ نکالی جو وہ اکثر پہنتا تھا اور اس پر وہ بہت جچتی تھی، شرٹ کو سینے سے لگائے وہ کرسی پر آ بیٹھی اور آنکھیں موند لیں، آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔

لو میں آنکھوں پہ ہاتھ رکھتی ہوں
تم اچانک کہیں سے آ جاؤ

☆☆☆

عیسیٰ احمد کے والدین کو اتنی خوشی شاید اس کی پیدائش پر نہ ہوئی تھی جتنے وہ اب خوش تھے، انہیں تو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا بیٹا انہیں دوبارہ ملا ہو۔

''عیسیٰ کی ماں میرا خیال ہے اب ہم واپس چلیں اپنے گھر۔'' احمد نے جب دیکھا کہ ان کی حالت اب بہتر ہے تو ان سے کہنے لگے۔

''ہاں میں بھی اپنے بیٹے کے پاس فوراً جانا چاہتی ہوں۔'' وہ کافی نقاہت محسوس کر رہی تھیں۔

''اور جانے سے پہلے نویلہ کو اپنے پاس بلا کر اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں، احمد ہم نویلہ کو اپنے ساتھ ہی نہ لے جائیں۔'' اچانک ہی یہ خیال ان کے ذہن میں آیا تھا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو، وہ اسے طلاق دے چکا ہے۔'' انہیں بیوی کی بات پر حیرت ہوئی تھی۔

''ابھی تو صرف تحریری طلاق دی ہے اس نے، نویلہ نے وصول تو نہیں کی نہ؟'' احمد چند ثانیے خاموش رہ گئے جیسے سوچ رہے ہوں کہ کیا کہیں، خود ان کا ضمیر بھی اس بات پر قطعی مطمئن نہ ہو رہا تھا کہ ان کے بیٹے نے ایک بے قصور لڑکی کی زندگی خراب کر دی ہے۔

''کیا عیسیٰ اسے قبول کرے گا؟'' انہوں نے استفسار کیا۔

''اسے کرنا پڑے گا، ابھی یہ بات خاندان میں کسی کو بھی معلوم نہیں ہے اور میں چاہتی ہوں معلوم ہو بھی نہ۔'' احمد بھی دل سے ان کی بات سے متفق تھے، ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ نویلہ کو اجڑنے سے بچالیں اور جب انہیں یہ پتا چلا کہ ان کی بیوی بھی ایسا ہی چاہتی ہے تو وہ بھی دل سے تیار ہو گئے تھے، نویلہ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے، انہوں نے موبائل فون اٹھا کر عیسیٰ احمد کا نمبر ملایا اور بیوی کو فون پکڑا کر باہر نکل گئے۔

☆☆☆

فروا بے چینی کے عالم میں اِدھر سے اُدھر گھوم رہی تھی، دن گزر گیا تھا، شام کے سائے گہرے ہونے لگے تھے، نہ اس کے پاس موبائل تھا اور نہ ہی امی لے کر گئی تھیں۔

''اتنا ٹائم کیوں لگ گیا۔'' اس نے وال کلاک کو دیکھا، اس کی نظر کھڑکی کی جانب اٹھی، رات اپنے سیاہ بال پھیلائے کھڑی تھی، اس کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی، موسیٰ علی بھی گھر پر نہ تھا۔

''یا خدا! میں کس سے کہوں میری امی کو ڈھونڈ لائے، کہیں غضنفر علی نے کچھ......'' اس سے آگے وہ سوچ ہی نہ سکی۔

''امی میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں، پلیز میرے پاس واپس آ جائیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر رونے لگی تھی، رفتہ رفتہ دل کا بوجھ بڑھنے لگا تھا، اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی۔

''میں بھی کتنی پاگل ہوں، بھلا کیا کہیں گے غضنفر علی امی کو، یقیناً عروبہ رو رہی ہو گی، پریشان بھی ہوئی ہو گی، ناراض تو اسے ہونا نہیں آتا، اسی وجہ سے دیر ہو گئی۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔

''جب عروبہ کو پتا چلا ہو گا کہ اس کی ماما زندہ

ہیں، اس کا کیا ردعمل ہوگا اور جب اسے یہ پتا چلے گا کہ میں اس کی بہن ہو......" وہ چیئر پر جا بیٹھی اور آنکھیں موند لیں، اسے ایسا محسوس ہورہا تھا آنے والے وقتوں میں زندگی بہت بہتر ہونے والی ہے، وہ رشتوں کو ترسی ہوئی تھی، اسے بہن مل رہی تھی اور عزیز دوست۔

☆☆☆

عروبہ سو کر اٹھی تھی، فارقلیط حسن کہیں باہر گیا ہوا تھا، وہ بہت گھبراہٹ اور پریشانی محسوس کررہی تھی، وضو کرکے وہ نماز پڑھنے لگی تھی، ابھی اس نے نیت کی ہی تھی کہ فارقلیط حسن آ گیا تھا، وہ بیڈ پر نیم دراز اسے نماز پڑھتے ہوئے بغور دیکھنے لگا تھا، دوپٹے کے ہالے میں اس کا پاکیزہ چہرہ چاند کی مانند دمک رہا تھا، وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

نماز ادا کرکے وہ ہاتھ پھیلائے دعا مانگنے لگی تھی، فارقلیط حسن اس کی جھکی پلکوں اور دھیرے دھیرے ہلتے لبوں کے سحر میں گرفتار ہونے لگا تھا، اسے خبر ہی نہ ہوسکی تھی اور وہ اس کے دل میں اور زندگی میں اتنا خاص مقام حاصل کرگئی تھی۔

"السلام علیکم!" دعا مانگ کر اس نے ہاتھ چہرے پر پھیرے اور جائے نماز اٹھا کر تہہ کرنے لگی تو فارقلیط حسن پر جا ٹھہری، وہ دلکشی سے مسکرا دی اور اسے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکتہ میری پیاری مسز!" اس کے اتنے محبت بھرے انداز پر وہ اندر سے نہال ہوگئی مگر جھینپتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور جائے نماز رکھ کر صوفے پر جا بیٹھی۔

"اتنی دور کیوں بیٹھ رہی ہو، یہاں آؤ نہ میرے پاس۔" فارقلیط حسن نے اسے بلایا اور وہ اٹھ کر اس کے سامنے جا بیٹھی۔

"کتنی فرمانبردار ہو تم I sware اس دور میں ایسی بیوی کسی کی نہ ہوگی۔" اس کی بات پر عروبہ نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

"اور آج مجھے پتا چلا کہ عورتوں کو کیوں حکم دیتا ہے اسلام کہ جب ان کا شوہر باہر سے آئے تو مسکرا کر اس سے ملیں۔" اس نے عروبہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"دل خوش ہوگیا تمہاری Smile سے ساری ٹینشن ختم ہوگئی۔" وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتا تھا، اس کا ہاتھ پکڑتا اور بات کرتا تھا۔

"ٹینشن کس بات کی تھی؟" اس نے دھیمے سروں میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اللہ!" فارقلیط حسن اس کی بات پر ہنس دیا۔

"اتنی ساری باتوں میں تمہیں صرف میرا لفظ ٹینشن یاد رہا اور پسند آیا جو اس پر بولنا تم نے ضروری سمجھا، لڑکی تمہارا علاج کرنا پڑے گا۔" اس کی بات سے وہ محظوظ ہوئی تھی، اس لئے ہنسنے لگی تھی، اس کا ہنسنا فارقلیط حسن کو ایک انوکھی خوشی اور سکون سے دوچار کرگیا تھا۔

"ہنستی رہا کرو بہت اچھی لگتی ہو۔" اس کی بات پر عروبہ کی ہنسی سمٹ گئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں؟" فارقلیط حسن نے محتاط نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو اسے اچنبھا ہوا کہ ایسی کون سی بات ہے جو کہنے کے لئے اسے اجازت طلب کرنا پڑرہی ہے۔

"جی پوچھئے۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو، لیکن کیا مجھ سے پہلے بھی تم نے کسی سے محبت کی ہے؟" اس نے بڑے نارمل سے انداز میں ایک بہت بڑی بات کہہ دی تھی، عروبہ غضنفر کو اس سے ایسے سوال کی تو توقع نہ تھی، چند ثانیے حیرت

کے عالم میں اس کی جانب دیکھنے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا تھا، فارقلیط حسن نے چونک کر اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا تھا۔

''یہ کیسا سوال ہے؟'' وہ خفگی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی، فارقلیط حسن نے اسے پہلی مرتبہ غصے میں دیکھا تھا۔

''Very simple۔'' وہ بات کو چٹکیوں میں اڑانا چاہتا تھا مگر اب یہ ممکن نہ تھا، تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''جیسے تم سے شادی سے پہلے میری بہت سی لڑکیاں دوست ہوا کرتی تھیں اسی طرح۔''

''Enough فارقلیط حسن!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ میرے متعلق ایسا سوچتے ہیں، مجھے ایسا سمجھتے ہیں۔'' اس کے تیکھے نقوش تن گئے تھے، وہ اس سے دور جا بیٹھی تھی، وہ سخت خفا ہو چکی تھی۔

''نہ میں نے کچھ غلط سوچا ہے اور نہ ہی سمجھا ہے، ایک General بات پوچھی، اس میں اتنا مائنڈ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ اٹھ کر فوراً سے پیشتر اس کے پاس آیا تھا، عروبہ کی ناراضی اسے کسی صورت قبول نہ تھی۔

''یہ General بات نہیں ہے، کیا شوہر اپنی بیوی سے یہ سوال کرتا ہے کہ اس کی زندگی میں پہلے بھی کوئی مرد تھا؟ کیا یہ سوال ایک شوہر کو اپنی شریف بیوی سے کرنا چاہیے؟'' اس کی آنکھوں کی سطح پر نمی تیرنے لگی تھی جسے وہ فارقلیط حسن سے چھپانا چاہتی تھی، مگر وہ کبھی بھی اپنے آنسو اس سے چھپا نہ سکی تھی۔

''یا پھر آپ کی نظر میں، میں اچھی لڑکی نہیں ہوں۔'' وہ خاموش ہو گئی تھی اور اس نے سر جھکا لیا تھا، اب وہ گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''دیکھو عروبہ!'' فارقلیط حسن چند ثانیے خاموش بیٹھا اس کو دیکھتا رہا اور پھر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا، مگر اس نے ہاتھ چھڑوا لیا، گویا وہ واقعی خفا ہو چکی تھی۔

''پلیز! کچھ دیر کے لئے مجھ سے کوئی بات نہ کریں۔'' اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''We have to talk۔'' فارقلیط حسن نرمی سے بولا۔

''I don,t want to talk anymore on this topic۔'' اس نے بات ہی ختم کرنا چاہی۔

''نہ اب نہ پھر کبھی، میں ایسی کسی فضول بات کا کبھی بھی جواب نہیں دوں گی۔'' فارقلیط حسن کو اس سے اتنے شدید ری ایکشن کی امید نہ تھی۔

''اوکے، Leave ti چلو آج تمہیں شاپنگ کرواتا ہوں، کچھ آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔'' وہ اس کا موڈ بہتر کرنا چاہتا تھا، جو کہ خاصا مشکل لگ رہا تھا۔

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' اس نے صاف انکار کیا۔

''تو اب تم ضدی بیویوں کی طرح بات کو طول دو گی، مجھ سے ناراض رہو گی؟'' درحقیقت وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''اگر آپ شکی مزاج شوہر بنیں گے تو پھر میں بھی ضدی بیوی بن جاؤں گی۔'' وہ دوبدو بولی تو فارقلیط حسن حیران رہ گیا۔

''میں نے کوئی بڑی بات نہیں کی، پتا نہیں تم نے اتنا feel کیوں کیا؟'' وہ معاملے کو سلجھانا چاہتا تھا مگر یہ اتنا آسان نہ تھا۔

(جاری ہے)

www.urdusoftbooks.com

شہر دل کے راستے

تحسین اختر

مریم کی چیخ بے ساختہ تھی، مگر منصور نے مہارت سے گاڑی کو اگلی گاڑی سے ٹکرانے سے بچایا تھا اور سائیڈ سے نکال لیا تھا، مریم کی اٹکی سانس بحال ہوئی تھی اور گڑیا اور سنی جو پیچھے بیٹھے تھے انہوں نے بھی خوشی سے تالیاں بجائی تھیں۔

''بیٹا اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں کسی بھی حادثے سے محفوظ رکھا۔'' مریم نے بچوں کو سمجھایا تھا۔

''تھینک گاڈ اللہ میاں۔'' دونوں بچوں نے یک زبان ہو کر کہا تھا، دل ہی دل میں مریم بھی اپنے خدا پاک کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر رہی تھی جس نے انہیں محفوظ و مامون رکھا۔

جب تک وہ گھر پہنچے تھے تب تک مریم کا نیند سے برا حال ہو گیا تھا، اس نے ملازمہ کو منصور اور بچوں کے لئے کھانا لگانے کو کہا تھا اور خود بستر پر ڈھیر ہو گئی تھی۔

ناولٹ

''تم کھانا نہیں کھاؤ گی۔'' منصور فریش ہو کر اس کے پاس آ کر بولے تھے۔

''بس ہلکی پھلکی بھوک ہے مگر بستر سے اٹھنے کو دل نہیں کر رہا۔''

''تھوڑا بہت کچھ کھا لو، تم نہیں کھاؤ گی تو ہم لوگ بھی کہاں کچھ کھا سکیں گے۔'' منصور نے کہا تھا اور اتنی محبت اور کیئر پر مریم کو نا چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا تھا۔

''منصور مجھے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔'' کھانا ختم کر کے دونوں بچے ملازمہ کے ساتھ سونے کے لئے چلے گئے تھے، جبکہ وہ اور منصور ابھی تک ڈائننگ ٹیبل پر ہی بیٹھے ہوئے تھے، جب مریم کو یک دم ایک بات کا خیال آیا تھا۔

''ایک چھوڑ دس کہیے، ہم تو آپ کی سننے کے لئے ہی بیٹھے ہیں۔'' ساری مصروفیات اور

مشکلات چھوڑ کر انہوں نے جو ایک ہفتہ فیملی کے ساتھ بھرپور انجوائے کیا تھا اس نے ان کے مزاج پر کافی خوشگوار اثرات چھوڑے تھے۔

''میں سوچ رہی ہوں جاب چھوڑ دوں۔''

مریم نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا اور آج منصور کو بھی اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' منصور کو سمجھ تو بہت اچھی طرح لگ گئی تھی، مگر حیران ہوئے تھے کیونکہ جانتے تھے مریم کو پڑھانے کا کتنا جنون تھا، اس نے کالج شوق کے تحت نہیں اپنے جنون کو دیکھ کر جوائن کیا تھا اور آج وہ خود ہی اپنے اس جنون کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

''مطلب یہ کہ ابھی گھر کو اور بچوں کو میری ضرورت ہے، جاب تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے۔''

''مریم! جان میری محبت میں اتنا آگے مت بڑھو کہ اپنے خواب اپنے سپنے اپنا جنون، اپنا جوش، اپنا علم سب کچھ قربان کر دو، اس بات کی اجازت میں تمہیں نہیں دے سکتا کہ تم ہمارے لئے اپنی ذات ہی ختم کر دو۔'' وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی تھی، مریم جب سے بیاہ کر ان کی زندگی میں آئی تھی انہیں قدم قدم پر حیران کر رہی تھی، کبھی کبھی تو انہیں لگتا تھا وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔

''آپ کی محبت میں جتنا آگے بڑھنا تھا میں بڑھ چکی، اس محبت کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور اب میں ان تقاضوں کو پورا کرنا چاہتی ہوں۔''

''دیکھو اگر تم بچوں کے لئے اتنا ٹچی ہو رہی ہو تو صبح کے وقت وہ بھی اسکول ہوتے ہیں تمہاری جاب کا تم پر کچھ خاص برڈن نہیں ہے جب تمہاری کلاس ہوتی ہے تم تب بھی کالج جا سکتی ہو، میں نہیں چاہتا کہ اپنے دو بچوں کے لئے میں ان سینکڑوں بچوں کا مستقبل خراب کر دوں جنہیں تم جیسے ہونہار اساتذہ کی ضرورت ہے، خدا کا شکر ہے مجھے تمہاری جاب اور پیسوں کی ضرورت نہیں ہے اللہ کا بہت خاص کرم ہے ہم پر، مگر میں نہیں چاہتا کہ تمہارے علم اور فن کو زنگ لگ جائے۔''

''منصور جب میں نے یہ فیصلہ کیا تو مجھے بھی اپنے شاگرد نظر آتے تھے جو مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں بہت اٹیچ ہیں مجھ سے، مگر پھر اپنے بچوں کو دیکھتی ہوں تو سب کچھ بھول جاتا ہے۔''

''مریم تم جانے میری کون سی نیکی کا صلہ ہو۔'' منصور نے اس کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگائے تھے اور پھر انہیں چوم لیا تھا، ایک عورت مرد کی محبت میں تو سارا کچھ کر سکتی ہے مگر کسی دوسری عورت کی اولاد کے لئے اتنا سب کچھ کرے یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

''چھوڑیں مجھے شرمندہ مت کریں۔'' مریم نے آہستہ سے اپنے ہاتھ چھڑائے تھے۔

''پھر دوبارہ سے کالج جوائن کر رہی ہو نا۔''

''کروں گی، مگر جب دیکھوں گی میرے بچوں کو میری ضرورت ہے تو تب چھوڑ دوں گی۔''

''اوکے ڈن ہو گیا، اب اٹھو بہت تھکے ہوئے ہیں بہت نیند بھی آ رہی ہے۔'' منصور نے مریم کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا۔

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو
نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کے چاہو مجھے پاگل کر دو
تم ہتھیلی کو مرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں مرے نام کا کاجل کر دو
اس کے سائے میں مرے خواب دمک اٹھیں گے

میں مگن ہوگئی تھی جبکہ ممی کے دل میں یہ مسکراہٹ کھب کر رہ گئی تھی۔

''کالج کیسا جا رہا ہے تمہارا۔'' تھوڑی دیر بعد انہوں نے اسے دوبارہ مخاطب کیا تھا۔

''ہوں، اے ون۔''

''اب تو روز ہی ڈرائیور کے ساتھ جا رہی ہو کیا خود ڈرائیونگ کرنا بالکل چھوڑ دیا، تمہیں تو خود ڈرائیونگ کرنا بہت پسند تھا نا۔'' کل سے جو شک کا بیج ذاکرہ نے بو دیا تھا، ایک ہی رات میں اس کی کونپلیں پھوٹ پڑی تھیں۔

''ہاں ابھی بھی پسند ہے مگر آپ اور پاپا جان ہی کہتے ہیں کہ میں بہت ریش ڈرائیونگ کرتی ہوں اور پھر دیکھیں کتنی بار گاڑی مجھ سے لگی ہے اس لئے میں نے سوچا کہ اب ڈرائیور کے ساتھ ہی آیا اور جایا جائے۔'' اس بار وہ بھی چونکی تھی اس لئے موبائل سے توجہ ہٹا کر جس پر بار بار موحد کے میسج آ رہے تھے ممی کی بات کا تفصیل سے جواب دیا تھا۔

''اوکے اچھی بات ہے ہماری بیٹی ہماری اتنی بات ماننے لگی ہے۔'' اب کے انہیں بھی کچھ کھٹکا تھا۔

''آپ کی اچھی بیٹی جو ہوں۔'' اس نے اپنا ناشتہ ختم کر لیا تھا اور اب موبائل سے چھیڑ چھاڑ کرتی اٹھ گئی تھی۔

''ذاکرہ!'' انہوں نے اس کے جانے کے بعد ذاکرہ کو بلایا تھا اور وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر تھا۔

''وانیہ بی بی پر خاص نظر رکھو اور اس کی ایک ایک پل کی رپورٹ مجھے دو اور ہاں اس بات کا شک اور ذکر کسی تیسرے بندے کے سامنے نہیں ہونا چاہیے اور ہاں یہ رکھ لو۔'' انہوں نے ذاکرہ کو سختی سے کہا تھا اور ساتھ ہی اپنے والٹ سے ہزار ہزار کے نوٹ نکال کر ذاکرہ کی طرف بڑھائے تھے۔

''نہیں بی بی جی اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' ذاکرہ ہر طرح سے مالکوں کے ساتھ مخلص تھی اس لئے اس نے نوٹوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''رکھ لو ذاکرہ، یہ میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں۔'' بیگم صاحبہ جانتی تھیں کہ ذاکرہ لالچی فطرت کی عورت نہیں ہے اس لئے اپنے لہجے کو مزید نرم کرتے ہوئے بولی تھیں۔

''رکھ لو، تمہارے کام آئیں گے۔'' ان کا اصرار دیکھ کر ذاکرہ نے نوٹ پکڑے تھے۔

''ہماری سوسائٹی کا کوئی بھی لڑکا ہوتا ہے کبھی اتنی تشویش نہ کرتی کہاں ایک ڈرائیور اور کہاں سیٹھ عماد الدین کی وانیہ عماد۔'' وہ یہی بات سوچتی ہوئی ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ گئی تھیں، ان کا آدھا ادھورا ناشتہ وہیں پڑا ٹھنڈا ہوتا رہا تھا۔

☆☆☆

''مشائم میں مریم بول رہی ہوں۔'' بہن ہو کر بھی مریم کو تعارف کروانا پڑا تھا، کہ ان کی فون پر بات ہی بہت کم ہوتی تھی۔

''مریم آپی! کیا حال ہے۔'' جس طرح مریم بات کرتے ہوئے جھجک رہی تھی اسی طرح مشائم بھی اس کی آواز سن کر حیران ہوئی تھی۔

''خدا کا شکر ہے ٹھیک ٹھاک، تم سناؤ تم کیسی ہو، اسٹڈی کیسی جا رہی ہے۔''

''اے ون، آپ ٹھیک ہیں نا۔'' وہ چہکتی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

''بالکل، کیا تمہیں یقین نہیں آ رہا۔'' مشائم کا لہجہ ہی ایسا مشکوک تھا، مریم ہنستے ہوئے پوچھنے لگی تھی۔

''نہیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی تھی۔

''تو کر لو یقین، میں بہت خوش ہوں، مجھ تو

www.urdusoftbooks.com

لگ رہا ہے میری زندگی خوشیوں میں تو اب رنگ گئی ہے، ورنہ جو زندگی میں نے علوی ہاؤس میں گزاری تھی وہ بھی کوئی زندگی تھی، جینا تو اب آیا ہے ڈیئر۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' مشائم نے زیر لب کہا تھا۔

''اچھا سنو تم آج ڈنر ہمارے ساتھ کرنا اور اس کے لئے میں نے کم اور تمہارے بھائی صاحب نے تمہیں زیادہ انوائٹ کیا ہے۔'' مریم آج مشائم کو حیران پہ حیران کرنے پر تلی ہوئی تھی ورنہ اس طرح کی فارمیلیٹیز اور ریلیشنز انہوں نے کب نبھائے تھے اور نہ ہی ایسا کوئی رواج تھا ان کی فیملی میں۔

''آؤ گی نا۔'' وہ حیران تھی اور گم صم بھی، مریم نے اسے پکارا تھا۔

''جی کیوں نہیں، ضرور آؤں گی۔'' انہوں نے پہلی دفعہ مان سے بلایا تھا منصور بیگ کے ساتھ ان کی فیملی کے لاکھ اختلافات سہی اسے مریم آپی کی خوشی ہر حال میں عزیز تھی، اس لئے اس نے جلدی سے حامی بھر لی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر شام کو ملتے ہیں، اللہ حافظ۔''

''اوکے اللہ حافظ۔'' مشائم نے کال منقطع کر دی تھی۔

''کیا ہوا، کیوں گم صم بیٹھی ہو۔'' وہ ابھی موبائل ہاتھ میں لئے سوچ رہی تھی کہ مریم آپی نے کتنی خوشی سے اسے انوائٹ کیا ہے اور کیا ایسا ماجرا ان کی فیملی میں ہونے جا رہا ہے جب حریم دھپ سے اس کے قریب آ کر بیٹھی تھی، اس نے حریم کو مریم آپی کے انویٹشین کے بارے میں بتایا تھا۔

''ہرا، میں بھی چلوں گی، مجھے تو ویسے بھی ان سے ملنے کا بہت شوق ہے۔'' حریم نے اس کی پوری بات سن کر نعرہ لگایا تھا۔

''کیا، تم کس خوشی میں، تمہیں کس نے انوائٹ کیا ہے۔'' اس نے تو حریم کے کہنے سے پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ وہ حریم کو ساتھ لے کر چلے گی مگر اسے شرارت سے چھیڑنا بھی تو فرض تھا نا۔

''تمہیں انوائٹ کیا ہے نا میرے لئے یہی خوشی بہت ہے۔'' وہ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی۔

''تو چلو پھر تیاری شروع کریں، شام ہونے میں کون سی دیر ہے۔'' مشائم چھلانگ مار کر بیڈ سے اتری تھی اور سب سے پہلے کپڑوں کی الماری کی طرف بھاگی تھی، شام کو پہننے والے کپڑوں کی سلیکشن تو سب سے بڑا مسئلہ تھا آخر وہ پہلی بار بہن کے گھر جا رہی تھی پہلی بار بہنوئی سے ملنے والی تھی۔

حریم اور مشائم کا استقبال منصور بیگ اور حریم نے بہت والہانہ انداز میں کہا تھا، دونوں بچے بھی بہت کیوٹ تھے اور اتنے ہی تمیز دار اور سلجھے ہوئے، مشائم تو جھجکتے ہوئے منصور سے ملی تھی اور بہت تکلفانہ انداز میں سکڑ سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی، جبکہ آج مریم تو وہ مریم لگ ہی نہ رہی تھی جس بہن کو وہ جانتی تھی، بلیک اور ڈارک میرون سوٹ میں جس طرح وہ چمک رہی تھی وہ یقیناً اس کے حسن کا کرشمہ کم اور اس گھر کے رہنے والوں کی محبت کا اعجاز زیادہ تھا، مشائم کی نظریں بہن کے چہرے کی بلائیں لیتے نہ تھکتی تھیں حریم بھی اس فیملی سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی اور سب سے بڑھ کر اسے مریم سے ملنے کی چاہ تھی اور آج پتہ چلا تھا یہ چاہ بے جا نہ تھی، مریم کا حسن رکھ رکھاؤ اور منصور بیگ سے محبت اس کے ہر ہر انگ سے جھلکتی تھی اسے تو مریم کے سامنے مشائم کا حسن بہت ہی ماند لگا تھا۔

مرے چہرے پہ مہکتا ہوا آنچل کر دو
دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کے برسو مجھ پر
اس قدر ہر سو میری روح میں جل تھل کر دو
کبھی دکھ بھری ساعتوں میں نیند اور خواب اڑ جاتے ہیں اور کبھی خوشی میں بھی نیند بھاگ جاتی ہے، کمرے میں مدھم ٹھنڈی سی نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی، مریم کمرے میں جاتے ہی منصور کے بازو پر سر رکھے گہری نیند میں کھو گئی تھی، مگر منصور کی نیند اڑ گئی تھی، کبھی خدا پاک یوں بھی نواز دیتے ہیں کہ انسان کی جھولی تنگ پڑنے لگتی ہے بے شک انسان ہی نہایت ناشکرا ہے۔

☆☆☆

''بیگم صاحبہ ایک بات بتاؤں اگر آپ ناراض نہ ہوں۔'' ذاکرہ بیگم عمادالدین کی سر چڑھی ملازمہ ضرور تھی مگر جو بات وہ کئی دن سے بیگم صاحبہ کو بتانا چاہتی تھی وہ سر چڑھی ہونے کے باوجود اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اپنی زبان تک لائے اور پھر بیگم صاحبہ کے کانوں تک۔

''ہاں بولو'' وہ نیل فائل کر رہی تھیں مصروف سے انداز میں بولی تھیں۔

''بیگم صاحبہ وہ......'' زبان کہاں کچھ کہنے کے قابل رہی تھی وہ منمناتی ہوئی ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گئی تھی۔

''ذاکرہ کیا بات ہے کیوں ہچکچا رہی ہو جو بھی بات ہے بتاتی کیوں نہیں ہو کیا پیسے ویسے چاہیے۔''

''نہیں نہیں بیگم صاحبہ، پیسے تو نہیں چاہیے وہ......وہ مجھے وانیہ بی بی کے بارے میں آپ کو کچھ بتانا تھا۔'' اس کا انداز کچھ مشکوک سا تھا بیگم صاحبہ کو بھی متوجہ ہونا پڑا تھا۔

''کیا بات کرنی ہے وانیہ کے بارے میں۔'' وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔

''وہ جی بات بہت بڑی ہے اور میرا منہ بہت چھوٹا، مگر جی کئی سالوں سے اس گھر کا اور آپ کا نمک کھا رہے ہیں تو جی آنکھوں سے دیکھ کر چپ بھی نہیں رہ سکتے۔''

''ہاں بتاؤ نا کیا بات ہے؟'' وہ اب جھنجھلا کر بولی تھیں۔

''وہ جی سیٹھ صاحب کا ڈرائیور ہے نا وہ موحد، وانیہ بی بی اس کے بہت آگے پیچھے پھرتی ہیں۔'' اس نے جلدی سے کہہ کر زبان دانتوں تلے داب لی تھی۔

''کیا؟'' بیگم صاحبہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''ذاکرہ کیا بکواس کر رہی ہو تم ہوش میں تو ہو، کہاں سیٹھ عمادالدین کی اکلوتی بیٹی وانیہ اور کہاں وہ دو ٹکے کا ڈرائیور۔'' وہ غصے میں پھٹ پڑی تھیں۔

''بی بی جی میں نے تو اپنی گناہ گار آنکھوں سے جو کچھ دیکھا آپ کو بتا دیا، وہ بھی اس لئے کہ آپ وانیہ بی بی پر نظر رکھیں جی، یہ جو جوانی ہوتی ہے نا یہ بڑی اندھی ہوتی ہے، یہ کہاں اونچ نیچ دیکھتی ہے۔'' ذاکرہ کی باتوں سے واقعی تجربہ چھلک رہا تھا، یہ الگ بات کہ بیگم صاحبہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھیں۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی سو ہوئی، اب جاؤ اور جا کر کام کرو، اچھا بھلا موڈ غارت کر کے رکھ دیا۔'' وہ دوبارہ سے بیٹھ گئی تھیں اور خود کو ریلیکس کرنے لگی تھیں ابھی کل کی اپائنٹمنٹ میں ہی ان کی بیوٹیشن نے کہا تھا کہ ٹینشن اور سٹریس تو بالکل نہیں لینا اس سے قبل از وقت جھریاں پڑ جاتی ہیں، انہوں نے لمبے لمبے سانس لے کر خود کو مکمل ریلیکس کر لیا تھا۔

''ڈارلنگ کہاں جا رہی ہو۔'' شام کو وہ ذرا

فارغ تھیں تو ایسے ہی لاؤنج میں بیٹھ کر میگزین دیکھنے لگی تھیں کہ وانیہ بڑا تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلی تھی اور ان کے گال پر بوسہ دے کر باہر نکلنے لگی تو انہوں نے پوچھ لیا تھا۔

''ممی ذرا شیبا کی طرف جا رہی ہوں۔''

اس نے خاصی حیرت سے ممی کو دیکھا تھا کہ آج تک تو اس گھر میں یہ ریت ہی نہ تھی کہ کوئی کسی کے آنے اور جانے کا نوٹس لیتا اور چیک اینڈ بیلنس رکھتا۔

''شیبا کی طرف، جانو تم شاید پرسوں بھی اسی کی طرف گئی تھی جب تم فون پہ کسی سے کہہ رہی تھی۔'' شاید ذاکرہ کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ مزید پوچھنے لگی تھیں بلکہ انہیں کہ بھی یاد آ گیا تھا کہ وہ پرسوں بھی شیبا کی طرف ہی گئی تھی۔

''اوہ کم آن ممی، میں روز بھی تو شیبا کی طرف جا سکتی ہوں آخر کار ہم دونوں بیسٹ فرینڈ ہیں، اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔''

''او کے او کے جاؤ میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔'' وہ ذرا سنبھل کر بولی تھیں۔

''نیور مائنڈ۔'' وہ پرس جھلاتے ہوئے باہر نکل گئی تھی اور اس کی گنگناہٹ بتا رہی تھی کہ وہ کتنی خوش ہے، ممی کے دل میں جانے کیا آیا تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر گلاس وال کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں اور باہر جو منظر تھا وہ انہیں شک میں ڈالنے کے لئے کافی تھا، موحد گاڑی سے باہر نکلا تھا اور وہ دونوں کھڑے آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے تھے پھر موحد ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا تھا اور وانیہ بے شک پیچھے ہی بیٹھی تھی مگر موحد نے جس طرح سامنے کا شیشہ اسے دیکھ کر سیٹ کیا تھا اور جس طرح مسکرایا تھا وہ گلاس وال کے پار کھڑی بیگم صاحبہ سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' ان کی تو واقعی بہت فرینک نیس لگ رہی ہے، وہ سر ہاتھوں میں تھام کر واپس کاؤچ پر آ کر بیٹھ گئی تھیں، پھر وہاں بیٹھ کر بھی چین نہ آیا تو اپنے کمرے میں آ کر ٹہلنے لگی تھیں، ان کی ہائی سوسائٹی میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکا تھا اور وانیہ جو برانڈڈ کے لیبل سے کم پر بات نہیں کرتی تھی اس نے ایک معمولی ڈرائیور کو اپنے قابل کیسے سمجھ لیا۔

''اوہ گاڈ! نہیں میری وانیہ ایسی نہیں ہو سکتی۔''، یہ یقیناً ذاکرہ کی لگائی بجھائی کا اثر ہے کہ میں بھی اس سمت سوچنے لگی ہوں۔'' ان کی سوچیں سڑ لیس کے نتیجے میں بھٹک رہی تھیں، وہ کبھی کچھ سوچ رہی تھیں اور کبھی کچھ، کبھی وانیہ غلط نظر آتی اور کبھی ذاکرہ کی باتیں۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر بیگم صاحبہ کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، رات کچھ خاص نیند نہ آئی تھی عجیب سی بے چینی تھی اور نامعلوم سی پریشانی، سیٹھ صاحب تین دن پہلے بنکاک ایک بزنس ڈیل کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے اس لئے ٹیبل پر وہ دونوں ماں بیٹی ہی موجود تھیں، ان کا برعکس وانیہ بہت فریش سی جوس کے سپ لے رہی تھی اور دائیں ہاتھ دھرا موبائل بھی وقفے وقفے سے دیکھ لیتی تھی جس کی اسکرین بارے بار جل بجھ رہی تھی اور اس کی انگلیاں بھی اسکرین کو ٹچ کرتی تھیں ساتھ ہی جیسی دل کش سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھوتی تھی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

''ناشتہ تو آرام سے کرلو۔'' وہ اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہی تھیں، کچھ دیر تو برداشت کیا پھر اسے کہہ ہی دیا۔

''ہوں، ہوں ممی جان، ناشتہ تو کر رہی ہوں نا۔'' اس نے وہی دل کش سی مسکراہٹ ان کی طرف اچھالی تھی اور دوبارہ سے اپنے مشغلے

شوق نہیں تھا اس لئے اسے مجبوراً رکنا پڑا تھا، وہ چشمہ اتار کر بائیک سے نیچے اتر آیا تھا۔
''میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں مجھے گاڑی کے نیچے دینے کا ارادہ تھا۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔
''بس ماں کا خیال ہے کسی اور کا نہیں۔''
نک چڑھی، مغرور اور طرح دار مشائم علوی جانے اس شخص کے لئے کیسے موم کی مورت میں ڈھل جایا کرتی تھی۔
''فی الحال تو ماں کا خیال ہی سب سے زیادہ ہے۔'' وہ نخوت سے بولا تھا۔
''مگر مجھے تو تمہارا خیال سب سے زیادہ ہے۔'' وہ دیوتا جیسی شان اور آن بان سے کھڑا تھا اسے پجارن بننا پڑا تھا۔
''یہ تمہاری غلطی ہے۔''
''کیسی غلطی۔'' وہ دوبدو بولی تھی۔
''اچھا اب مجھے جانے دو کیوں روکا ہے۔''
وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا، اس نے تو کبھی غور سے مشائم علوی کو دیکھا تک نہیں تھا اور مشائم تھی کہ اس ستم گر کو دل دے بیٹھی تھی۔
''چلے جانا، اتنی جلدی کس بات کی ہے۔''
وہ بھی گاڑی سے نکل آئی ہے اور اب دونوں سڑک پہ ہی ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔
''میں تمہاری طرح فارغ بندہ نہیں ہوں، مجھے سو کام ہوتے ہیں۔''
''کام تو ہوتے ہی رہتے ہیں اگر یہ اتفاقاً ملاقات ہو ہی گئی ہے تو کیوں نہ چند گھڑیاں ساتھ بتالی جائیں۔''
''کس کے ساتھ، تمہارے میرا مطلب ہے آپ کے، آخر میرے باس کی بہن ہیں۔'' اس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

''ہاں تو اس وقت یہاں میرے سوا اور کون ہے۔'' وہ اس کی باتوں سے زچ آ گئی تھی۔
''مجھے وقت برباد نہیں کرنا۔'' وہ اسے گھور کر بولا تھا اور بائیک پر بیٹھ کر یہ جا وہ جا، وہ بس پیچھے رہ جانے والی دھول دیکھتی رہ گئی تھی۔
''مجھے وقت برباد نہیں کرنا۔'' کہنے والا چلا گیا تھا اور بازگشت سانپ بن کر فضا میں سرسرا رہی تھی۔
''نہال شیخ! دِس از ٹو مچ۔'' وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولی تھی، جیسے نہال شیخ کو کچا ہی چبا جائے گی۔
''اب یاد نہیں رہا تھا کہ کس کام سے نکلی تھی اور کیا کرنا تھا۔'' اب تو ایک غصے کی لہر تھی جو کرنٹ بن کر رگ وپے میں دوڑ رہی تھی۔
''یہ شخص اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔'' وہ دوبارہ سے گاڑی میں جا بیٹھی تھی، گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور اتنے غصے سے ریورس کی تھی کہ گاڑی کے ٹائر اور سڑک دونوں میں خاصی تکرار ہوئی تھی، اردگرد کے لوگوں نے رک کر پیچھے مڑ مڑ کر دیکھا تھا اور وہ طوفانی انداز میں چلی گئی تھی۔
''ہونہہ، ایسی لڑکیاں ہر بندے کو اپنی پراپرٹی سمجھتی ہیں۔'' دوسری طرف نہال شیخ کو بھی کم غصہ نہیں آ رہا تھا۔
''ہونہہ، محبت ان کی محبت وجبت کا کیا پتہ۔'' وہ بھی غصے میں کھولتا ہوا اور مختلف سوچیں سوچتا ہی جا رہا تھا۔

☆☆☆

''میں تو خدا کا شکر بھی نہیں ادا کر سکتی، جس نے مجھ آپ جیسے باس سے ملوایا۔'' حریم یاشر علوی کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی۔
''مجھ میں ایسا کیا خاص ہے۔''
''خاص، آپ تو خاص الخاص ہیں، بہت کم

www.urdusoftbooks.com

لوگ آپ جیسے ہوتے ہیں، آپ فرشتہ ہی ہیں میرے لئے۔"

"اوہ لڑکی یار خدا کو مانو، کیوں مجھے کبھی فرشتہ کبھی دیوتا کبھی کچھ بھی کچھ بتا رہی ہو، میں تو اسے روئے زمین پر ایک عام سا بندہ ہوں۔"

"اچھا اب ان تعریفوں کو چھوڑو اور تم یہ فائل رکھ لو، ابھی ہم لنچ کے لئے جائیں گے صدیقی صاحب کے ساتھ لنچ ہے ہمارا۔"

"او کے سر۔" وہ فائل لے کر باہر آ گئی تھی۔

"السلام علیکم!" وہ فائل اسٹڈی کر رہی تھی جب نہال شیخ اس کے سر پر آ کر کھنکھارا تھا۔

"وعلیکم السلام۔" جب سے یاشر صاحب نے اسے محدود رہنے اور اپنے کام سے کام رکھنے کا کہا تھا تب سے وہ ہر طرح سے محتاط ہو گئی تھی، اس لئے چہرے پر مسکراہٹ لائے بغیر اور مصروف سے انداز میں بولی تھی۔

"بہت مصروف نظر آ رہی ہیں۔" وہ بھی اتنی جلدی ٹلنے والا نہیں تھا۔

"جی، آفس میں تو کام ہی کرنے آتے ہیں نا۔" وہ بہت میٹھے سے طنز میں بولی تھی۔

"آفس میں صرف کام ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔"

"کچھ نہیں، بس جس طرح آپ نے ایک بات کی اس طرح میں نے بھی کہہ دیا۔"

"آپ تو لگتا ہے فارغ ہی ہوتے ہیں آفس میں بھی۔" اسے نا چاہتے ہوئے بھی بات سے بات چلانا پڑتی تھی یہ شخص جب بھی آتا تھا اسے بولنے پر اکساتا اور مجبور کر دیتا تھا۔

"مگر مجھے تو لگتا ہے میں آپ سب سے زیادہ کام کرتا ہوں۔"

"ہر فارغ بندے کو یہی لگتا ہے۔"

"ہاہاہا، خوب کہا آپ نے ویسے ذوق اچھا ہے آپ کا، مذاق خوب کر لیتی ہیں۔" وہ قہقہہ لگا کر چلا گیا تھا، حریم سر جھٹک کر فائل میں کھو گئی تھی، نہال شیخ سے ایسی طنزیہ چھیڑ چھاڑ تو معمول کا حصہ بن گئی تھی۔

"مریم یار مجھے ایک ضروری کام سے گھر جانا پڑ گیا ہے، تم صدیقی صاحب کی طرف یہ فائل لے کر چلی جانا میں تو شاید اب تمہارے ساتھ نہ جا سکوں، ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا اور لے بھی آئے گا۔" تقریباً دو بجے یاشر نے اسے اپنے آفس میں بلوایا تھا اور جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

"مگر سر میں اکیلی، میری یہ پہلی میٹنگ ہے اگر آپ بھی ساتھ ہوتے تو مجھے حوصلہ رہتا۔" وہ فائل سینے سے لگائے کھڑی تھی۔

"تم یہ سب ہینڈل کر لو گی، مجھے تمہاری کوالیبیز پر کوئی شک نہیں اسی لئے تو تمہیں کہا ہے ورنہ آفس میں اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔" وہ اپنا بریف کیس اٹھا کر باہر نکل آیا تھا وہ بھی پیچھے پیچھے باہر آ گئی تھی، اب تو کچھ بھی کہنے کی گنجائش کہاں تھی، وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ چلے گئے تھے اور دوسری گاڑی اس کی منتظر کھڑی تھی۔

"یہ کس مشکل میں پھنسا دیا یاشر صاحب نے۔" وہ فائل اور پرس سنبھال کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"اچھا تو آپ ہیں حریم شہباز، بہت تعریف سنی ہے یاشر سے آپ کی۔" صدیقی صاحب اس کے آنے کے دس منٹ بعد آئے تھے اور مخصوص ٹیبل پر بیٹھ گئے تھے، تقریباً 50,45 کے پیٹے میں صدیقی صاحب کا وقار اور پرسنالٹی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، حریم پہلے بھی گھبرا رہی تھی اور ایسی کیفیت کے سامنے تو اس کی

www.urdusoftbooks.com

''آؤ پہلے ڈنر کرتے ہیں باقی باتیں بعد میں ہوں گی آپ لوگوں کو بھی بھوک لگی ہوگی اور بچوں کے کھانے کا بھی ٹائم ہو رہا ہے۔'' منصور بیگ ان دونوں سے اِدھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہے تھے جب مریم نے پکارا تھا۔

''مشائم اور حریم آ جاؤ پہلے ڈنر کے لیتے ہیں، ہماری بیگم صاحبہ کو اپنے بچوں کی بہت فکر رہتی ہے کہ یہ ٹائم ان کے کھانے کا ہے یہ دودھ کا ہے یہ فلاں یہ فلاں۔'' وہ ہنستے ہوئے اٹھے تھے حریم اور مشائم نے بھی ان کی تقلید کی تھی، ان کے ہر ہر حرف سے مریم کے لئے محبت اور مان چھلکتا تھا۔

''آپی آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا۔'' حریم نے لمبی سی میز کو رنگا رنگ کے کھانوں سے سجے ہوئے دیکھ کر کہا تھا۔

''ہاں ہم دونوں کتنا کھا لیتے، آپ نے یونہی اتنا کیا۔'' مشائم کو بھی وہ سب بہت زیادہ لگ رہا تھا۔

''بھئی مریم کی فیملی میں سے آج پہلی مرتبہ کوئی ہمارے گھر آیا ہے یہ تو کچھ بھی نہیں ہم تو جو بھی کرتے وہ کم ہوتا۔'' منصور نے کہا تھا اور مشائم کو آج یہاں اس وقت بیٹھ کر پہلی بار لگا تھا کہ مریم آپی نے اپنی زندگی کا جو فیصلہ کیا تھا اور جسے وہ سب لوگ غلط سمجھ رہے تھے وہ غلط نہیں بلکہ بہت زبردست تھا۔

''شروع کرو نا آپ لوگ۔'' مریم اچھے میزبان کی طرح سب کی پلیٹیں بھرنے پر تلی ہوئی تھی، وہ دونوں نہایت خوش ذائقہ اور خوش رنگ کھانا پوری رغبت سے کھانے لگی تھیں۔

''ماما آپ نے پڈنگ بہت مزے کی بنائی ہے۔'' سنی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مریم کے گال چومے تھے۔

''اوہ تھینک گاڈ میرے بیٹے کو پڈنگ اچھی لگی۔'' مریم نے کھانا چھوڑ کر اسے بانہوں میں بھر لیا تھا۔

''اور ماما جانی یہ والا کھانا بھی بہت اچھا ہے۔'' گڑیا کہاں پیچھے رہتی وہ بھی بول اٹھی تھی اور دوڑ کر مریم کی گود میں چڑھ گئی تھی۔

''بچو! پہلے ماما جانی کو کھانا تو ختم کرنے دو، یہ پیار و یار کے مظاہرے بعد میں کر لینا۔'' منصور نے جب دیکھا کہ وہ دونوں ماں سے چمٹ گئے ہیں اور مریم نے کھانا وہیں چھوڑ دیا ہے تو انہیں ٹوکے بنا نہ رہ سکے تھے۔

''گرلز، آپ دونوں ٹھیک سے کھا رہے ہو نا۔'' اب منصور صاحب ان دونوں کی طرف مڑے تھے۔

''جی جی بلکہ ہم نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی کھا لیا ہے۔'' مشائم ایک مکمل فیملی کے حسین تصور میں کھوئی ہوئی تھی، ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولی تھی، کھانے کے بعد گرین ٹی کا دور چلا تھا، پھر مریم نے بچوں کو سونے کے لئے بھیج دیا تھا اور خود مشائم کے لئے خریدے گئے تحائف نکال لائی تھی۔

''مشائم یہ سب میں نے اور منصور نے مل کر تمہارے لئے خریدے تھے اور تب ہمیں تمہاری اس پیاری سی دوست کا نہیں پتہ تھا اس لئے اب میں تمہارے یہ گفٹس حریم میں اور تم میں دونوں میں تقسیم کر رہی ہوں۔''

''اوہ آپی اس سب کی کیا ضرورت تھی۔'' آج سے پہلے انہوں نے کب ایک دوسرے کو کچھ دیا تھا، مشائم تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی منصور بیگ سے شادی کے بعد مریم آپی اتنا بدل جائیں گی، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مریم کے پاس آ گئی تھی۔

''جانو ضرورت تھی نا، ہم شادی کے بعد پہلی بار گھومنے پھرنے گئے تھے تو کیا تمہارے لئے کچھ نہ لاتے۔'' مریم نے محبت سے مشائم کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔

''لیکن آپی ان سب چیزوں پر مشائم کا حق ہے آپ نے اس کے لئے خریدی ہے، میرے لئے آپ نے کہہ دیا مجھے گفٹ مل گئے پلیز آپ یہ سب مشائم کو دے دیں۔'' حریم کی پلکیں بھی مریم کی اتنی محبت اور خلوص پر نم ہوئی تھیں، وہ بھی سوتیلی ماں کے ساتھ رہی تھی، محبت کے یہ مظاہرے اس کے لئے بھی انوکھے ہی تھے۔

''اس وقت تم دونوں میں میرے لئے کوئی فرق نہیں ہے، جیسے مشائم ویسے ہی تم ہی میرے لئے۔'' مریم نے اٹھ کر دونوں کو آدھی آدھی چیزیں دے دی تھیں جسے دونوں نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا تھا۔

''تم لوگ آج کی رات یہیں رہو گی ہمارے ساتھ، کل صبح صبح منصور تم دونوں کو ہاسٹل چھوڑ آئیں گے۔'' مریم نے نیا حکم صادر کیا تھا۔

''نہیں آپی پلیز ہمیں جانے دیں، ہاسٹل میں ہمارے کافی کام ہیں جو ہمیں کرنے ہیں ابھی۔'' حریم نے کہا تھا، دل تو ان دونوں کا واقعی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس محبت بھری خفا سے جائیں لیکن جانا تو تھا۔

''چلو پھر میں اور منصور تم دونوں کو چھوڑ کر آتے ہیں، راستے میں آئس کریم بھی ہو جائے گی۔'' آج مریم معمول سے زیادہ چہک رہی تھی منصور کو اس کی خوشی سے بڑھ کر کوئی شے عزیز نہ تھی، اس لئے وہ بھی بہت خوش تھے۔

''یہ ٹھیک ہے۔'' اس آفر پر وہ دونوں بھی خوش ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

خوشی کے دن کم ہو رہے ہیں
جاناں! یافت حیات کی طرح
تیری محبت دل میں اگی ہے
جنگل میں خود رو نباتات کی طرح
میرا آنچل بھیگتا جا رہا ہے
دھیرے دھیرے شبنمی رات کی طرح
اس بار اس سے حساب جاں ہو گا
وہ ملے تو سہی آخر ساعت کی طرح
تیرا انتظار پوری عمر پر محیط رہا
تو نے رابطہ بھی رکھا تکلفات کی طرح
تیرے وعدوں نے ہمیں الجھائے رکھا
ریشمی لچھے جیسی بات کی طرح
آنسو چہرے کے مکیں ٹھہرے ہیں
دیکھو بن موسم برسات کی طرح
میرے لئے تیرا وجود ہی کافی ہے
اس جہاں میں کل کائنات کی طرح

وہ گاڑی لے کر نکلی تھی اور جس شخص نے سامنے سے کراس کیا تھا وہ مشائم علوی کے دل و دماغ کو ہلا گیا تھا، وہ کس کام سے نکلی تھی یہ بھول گیا تھا یاد رہا تو بس وہ شخص جو سامنے جا رہا تھا اس کی گاڑی کی اسپیڈ بڑھی تھی اور تقریباً بائیک کے برابر ہوگئی تھی، وہ شخص کیسے نوٹس نہ لیتا اس نے بھی گردن موڑ کر دیکھا تھا اور گردن اکڑا لی تھی، وہ مشائم علوی کی آنکھوں کے بدلتے رنگ چہرے پر پھیلتی محبت اور ہر ادا سے چھلکتی بے چینی سے کوئی آج سے نہیں تب سے واقف تھا جب سے اس نے یاشر علوی کے پاس جاب شروع کی تھی اور اس کے آفس میں ان دونوں کا پہلی بار ٹکراؤ ہوا تھا۔

وہ رکنے والا نہیں تھا اور مشائم اس کو جانے نہ دینا چاہتی تھی، اس نے گاڑی بائیک کے سامنے لگائی تھی بائیک والے کو ابھی مرنے کا

کر دیئے۔" مشائم نے دکھ سے کہا تھا۔

"بس دیکھ لو یہ تو اپنی سوچ کی بات ہوتی ہے۔"

"شاید ممی کو پاپا سے محبت نہیں تھی، اگر ہوتی تو وہ بھی مریم آپی کی طرح سیکری فائس کرتیں۔"

"ہاں مشائم ڈیئر یہ محبت بڑے بڑے کام کروا لیتی ہے، جو بندہ سوچ بھی نہیں سکتا اور یہ روایتی کام سے بنی ہوئی جیکٹ بھی تم پہ خوب جچ رہی ہے، مریم آپی کی پسند بہت اچھی ہے۔" حریم نے پلین بلیک سوٹ پر اسے ملٹی شیڈڈ جیکٹ پہنے دیکھ کر کہا تھا۔

"ہاں آج اور لڑکیوں نے بھی اس کی تعریف کی اور مجھے بہت اچھا لگا۔" مشائم نے کہا تھا۔

"اب ہم بھی مریم آپی کے لئے کچھ گفٹس خریدیں گے اور ان کو دے کر آئیں گے۔"

"ہاں تمہیں تو بہانہ چاہیے ان کے گھر جانے کا۔" مشائم نے حریم کو چھیڑا تھا۔

"جناب اچھے لوگوں سے ملنے کا بہانہ ہی چاہیے ہوتا ہے۔" حریم جلدی سے بولی تھی۔

☆☆☆

"ممی میں ذرا شاپنگ کے لئے جا رہی ہوں۔" وانیہ پرس جھلاتی ہوئی اپنے کمرے سے نکلی تو ممی سے سامنا ہونے پر جلدی سے بولی تھی۔

"کس کے ساتھ جا رہی ہو؟"

"موحد کے ساتھ میرا مطلب ہے ڈرائیور کے ساتھ۔"

"ادھر آؤ ذرا میرے ساتھ۔" ان کا موڈ کافی خراب لگ رہا تھا، وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

وانیہ بھی کندھے اچکا کر ان کے پیچھے گھس گئی تھی، ممی کچھ ڈسٹرب لگتی ہیں یہ اس نے ضرور سوچا تھا۔

"دیکھو وانیہ اس معاشرے میں اس سوسائٹی میں ہمارا ایک اسٹیٹس ہے، ایک نام ہے، ہم لوگ سوسائٹی کے اس حصے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں بس ایک چیز کی فکر کی جاتی ہے اور اسی کے بارے میں ٹینشن لی جاتی ہے اور وہ ہے اسٹیٹس، ہمارا ہائی فائی اسٹیٹس اور کچھ نہیں۔"

"جی ممی میں جانتی ہوں، مگر آپ آج یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ سیل پہ مسلسل ٹک ٹک کر رہی تھی اور بے دلی سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"اس کو چھوڑو اور دھیان میں میری بات سنو۔" انہوں نے سیل فون کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔

"بات کچھ خاص لگتی تھی ممی کا موڈ اتنی احتیاط اور جھنجھلاہٹ۔" وانیہ کو توجہ دینا پڑی تھی۔

"جی۔" وہ سیل فون بیگ میں رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"تم اپنی کلاس کے جس لڑکے سے بھی دوستی کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر موحد ہمارا ڈرائیور ہے، ڈرائیور، سمجھتی ہو نا ڈرائیور کا مطلب، تمہارا اتنا التفات اور اس کے ساتھ ساتھ پھرنا یہ مجھے پسند نہیں، بس مجھے اور کچھ نہیں کہنا باقی تم خود سمجھ سکتی ہو۔" ممی نے بلا کسی تمہید کے اپنا دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا، وہ بھی اندر سے ایک بار تو ہل گئی تھی کہ اتنی اندر کی خبر صرف وہ اور موحد ہی جانتے ہیں وہ ممی تک کیسے پہنچی۔

"تم خود بھی ڈرائیونگ کر سکتی ہو پھر ہر وقت اس کا دم چھلا ساتھ ساتھ رکھنا کوئی ضروری نہیں، میں ویسے بھی تھوڑے دنوں تک اسے

نوکری سے نکال رہی ہوں، ہمارے لئے ڈرائیور بہت، اگر وہ اپنی اوقات بھول رہا ہے تو ہمیں اسے اپنی اوقات پر رکھنا خوب آتا ہے۔" وہ تو بہت آگے کا سوچے بیٹھی تھیں۔

"ممی آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔" وہ ممی کے خطرناک ارادوں کو جان کر جلدی سے بولی تھی۔

"کیوں تمہیں کیا مسئلہ ہے۔" انہوں نے اسے گھورا تھا۔

"بس آپ اسے نہیں نکالیں گی۔"

"وجہ۔"

"وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔" وہ نظر چرا گئی تھی۔

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔" وہ آج جانے کیا اگلوانے پر تلی ہوئی تھیں۔

"بس وہ اچھا ہے، کام کا بندہ ہے۔"

"سارے لوگ کام کے ہی ہوتے ہیں، بس منہ کو پیسہ لگنا چاہیے۔"

"لیکن ممی!" وہ ضد پر آ گئی تھی۔

"وانیہ آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے، لیکن آپ اسے نوکری سے نہیں نکالیں گی۔"

"کیا ٹھیک ہے، مجھے تمہاری کسی ایک بات کی سمجھ نہیں آ رہی، بس میں اب اسے مزید برداشت نہیں کر سکتی۔"

"ممی ہماری سوسائٹی میں اس جیسا مرد ایک بھی نہیں، سارے ایک سے بڑھ کر ایک نکمے اور فلرٹی ہیں، آپ سچ سننا چاہتی ہیں تو سنیں پھر مجھے موحد اچھا لگتا ہے، میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں، اس لئے آپ اسے کسی بھی صورت جاب سے نہیں نکالیں گی۔" وہ بھی اسی والدین کی اولاد تھی اس میں بھی صبر اور تحمل نہیں تھا، اس نے سارا سچ ممی کے سامنے اگل دیا تھا، ویسے بھی محبت کب تک چھپتی، ایک دن تو اسے سامنے آنا ہی تھا، یہ اور بات کہ جلدی سامنے آ گئی تھی، بیٹی کے منہ سے یہ سب سن کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

"وانیہ!" وہ شاک کی کیفیت میں بیڈ پر بیٹھتی چلی گئی تھیں۔

"وانیہ یہ کیا بکواس کر رہی ہو، تمہارے باپ کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی نا تو تمہیں زندہ گاڑ دیں گے، تم جانتی ہو نا وہ کس قدر اسٹیٹس کانشئس ہیں۔"

"تو ممی میں کیا کروں، مجھے نہیں پتہ مجھے وہ کب اور کیسے اچھا لگنے لگا، بہت بہت محبت کرنے لگی ہوں اس سے۔" وہ بے خوفی سے بولی تھی۔

"اور یہ کیا آپ نے اسٹیٹس اسٹیٹس کی رٹ لگائی ہوئی ہے، وہ بھی آخر انسان ہے ہماری ہی طرح کا، ہمیں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے۔"

"اوہ مائی گاڈ، وہ وانیہ عماد جو دیکھ پرکھ کر چیزیں خریدتی ہے اس کا ٹیسٹ اتنا خراب ہو گیا کہ اسے اپنے اور ایک ڈرائیور کے درمیان موجود فرق بھی نظر آنا بند ہو گیا ہے۔" انہوں نے طنز سے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کبھی میں ایسی تھی، مگر انسان کو بدلتے کون سا دیر لگتی ہے۔" وہ بھی ہارنے والوں میں سے نہ تھی، وہ اپنی محبت کا دفاع کر رہی تھی اور خوب کر رہی تھی۔

"وانیہ خدا کے لئے چپ کر جاؤ اور دفع ہو جاؤ یہاں سے، اب تمہارے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلے۔" وہ ٹمپر لوز کر گئی تھیں اور دھاڑتے ہوئے بولی تھیں، وانیہ ان کو دیکھ کر باہر نکل گئی تھی،

بولتی ہی بند ہو گئی تھی۔

''سر شکریہ، یہ فائل بھیجی ہے سر نے۔'' اس نے فائل ان کے آگے رکھی تھی، انہوں نے فائل کھولی تھی اور سرسری سا دیکھ کر ایک طرف کھسکا دی تھی، اتنے میں دو ویٹرز جوان کی ٹیبل کے لئے مخصوص تھے وہ انواع واقسام کے کھانوں سے ٹیبل کو سجانے لگے تھے، یہ لنچ اور سارا اہتمام یاشر علوی کی طرف سے تھا، صدیقی صاحب سے اسے ایک بڑا کنٹریکٹ سائن کروانا تھا۔

''یاشر علوی بے شک ہم سے بڑا اور منجھا ہوا بزنس مین نہیں مگر ایک بات میں وہ ہمیشہ ہم سے سبقت سے جاتا ہے، ایسا انمول اور قیمتی حسن اور ذہانت اسے نصیب ہو جاتی ہے اور ہم اس معاملے میں اس سے مار کھا جاتے ہیں۔''

کھانا چنا جا چکا تھا وہ بے تکلفی سے اس کی اور اپنی پلیٹ بھرنے لگے تھے اور ساتھ ہی حریم کے بے مثال حسن کو سراہنا بھی لازمی سمجھا تھا۔

''شام کو کیا کرتی ہیں آپ؟''

''کچھ نہیں، فارغ ہوتی ہوں سر۔''

''او کے، اس کا مطلب ہے اگر ہمیں شام کو کچھ کام ہوا تو آپ کی خدمات لے سکتے ہیں۔'' وہ ذومعنی انداز میں بولے تھے، حریم کھانا ٹونگتے ہوئے اثبات میں سر ہلا گئی تھی۔

فی الحال اسے بس اتنا پتہ تھا کہ صدیقی صاحب کی کسی بات سے انکار نہیں کرنا اور فائل پہ سائن کروانے ہیں، صدیقی صاحب خوش ہو گئے تھے۔

''لگتا ہے آپ بہت کم بولتی ہیں۔''

''نہیں سر ایسی تو کوئی بات نہیں۔''

''کبھی یاشر علوی کے آفس میں جاب چھوڑنے کا خیال آئے تو یہ کارڈ رکھ لیجئے ہمارے دروازے آپ کے لئے کھلے ہوں گے۔''

کھانے کے دوران ہی انہوں نے ایک کارڈ نکال کر اس کے آگے رکھ دیا تھا، اسے صدیقی صاحب ایک دم ہی چھچھورے سے انسان لگنے لگے تھے۔

''ہونہہ یاشر صاحب کے تم تو پاسنگ بھی نہیں۔'' وہ دل ہی دل میں اس آفر پہ لعنت بھیج کر سوچنے لگی تھی۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا تھا، اس نے ایک سائیڈ پر رکھی ہوئی فائل اٹھا کر ایک بار پھر صدیقی صاحب کے آگے رکھی تھی۔

''سر سائن تو کر دیں پلیز۔''

''بہت جلدی ہے آپ کو۔''

''نہیں سر جلدی نہیں، آپ کا موڈ اچھا دیکھا تو اس لئے کہہ دیا۔''

''ہاہاہا، بہت صاف گو ہیں آپ۔'' صدیقی صاحب نے اس کی بات کا خوب مزہ لیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے آپ نے سوچا میرے موڈ کا جلدی سے فائدہ اٹھا لیں۔''

''جی سر، یہ فائل کب سے آپ کے موڈ کے لئے ہی بے یارومددگار پڑی ہے۔''

''اوہو، بہت فکر ہے، آپ کو اس فائل کی، تو لائیے پھر، پہلے آپ کی یہ ٹینشن تو ختم کیے دیتے ہیں تاکہ آپ ریلیکس ہو کر ہم سے بات تو کر سکیں۔'' انہوں نے چائے کا کپ نیچے رکھ کے فائل کھولی تھی اور سائن کر دیئے تھے، کام ہو گیا تھا، حریم کے چہرے پر ایک دم سے طمانیت اور سکون اترا تھا، اس کے سکون کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ یاشر صاحب کی امیدوں پر پورا اتری تھی۔

''لیجئے یہ ٹینشن تو ختم ہوئی آپ کی۔'' صدیقی صاحب نے سائن کر کے فائل اس کے آگے رکھ دی تھی۔

''کتنا عرصہ ہوا ہے آپ کو یاشر کے پاس جاب کرتے ہوئے؟''
''تقریباً چھ ماہ سر۔''
''اور چھ ماہ پہلے کہاں تھیں آپ؟'' وہ پہلے والی جاب کا ذکر گول کر گئی تھی۔
''سر اسٹڈی میں بزی تھی۔''
''یاشر کے پاس کام کا زیادہ برڈن تو نہیں۔''
''نو سر۔''
''او کے کبھی ہو تو بتائیے گا۔'' وہ ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے، ایک سیل فون انہوں نے اپنا آف کر رکھا تھا اور ایک سائیلنٹ پر لگایا ہوا تھا، جو سائیلنٹ پہ تھا اس کی اسکرین ہر دو منٹ بعد جلتی اور جل بجھ کر خود ہی آف ہو جاتی، اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ کتنا بزی تھا۔
''سر بہت اچھا لگا آپ سے مل کر۔'' وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اب الوداعی اور روایتی کلمات کہہ رہی تھی۔
''مجھے تو آپ خود بہت اچھی لگیں، بہت عرصے بعد ایسا مکمل حسن دیکھا ہے، پھر ملیں گے۔'' وہ اس کا فائل والا ہاتھ تھپتھپا کر چلے گئے تھے۔
''بدتمیز۔'' حریم کے ہاتھ پر انگارہ سا سلگنے لگا تھا اور کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔

☆☆☆

''یار تمہاری مریم آپی بہت سویٹ ہیں، بہت اچھا لگا مجھے ان سے مل کے اور ان کے دیئے گئے گفٹس بھی بہت خوبصورت اور اچھے ہیں، اتنے تو اچھے ہیں تمہارے گھر والے پھر تم لوگ آپس میں اتنا فاصلہ کیوں رکھتے ہو۔''
آج موسم بہت اچھا تھا کالے بادل ہر سو چھائے ہوئے تھے ایسے میں ہاسٹل کی لڑکیوں نے ہاسٹل کے گراؤنڈ میں ڈیرا جما رکھا تھا، حریم اور مشائم بھی سبز گھاس پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں اور سامنے خوب ترو تازہ مالٹے رکھے تھے اور باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے بھی بھرپور انصاف کر رہی تھیں۔
''ہوں، اس بار مجھے بھی مریم آپی کے رویے پر بہت حیرت ہوئی، شادی سے پہلے وہ ایسی نہیں تھیں، شادی کے بعد تو وہ بہت بدل گئی ہیں۔''
''وہ پہلے بھی ایسی ہی ہوں گی، تم نے کبھی نوٹس نہیں لیا ہو گا تم لوگوں میں دوریاں جو اتنی تھیں۔''
''ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''
''ان کے ہزبینڈ بھی بہت اچھے ہیں، پروقار سلجھے ہوئے اور خوبصورت بلکہ بچے بھی بہت کیوٹ ہیں، بہت مکمل فیملی ہے ان کی۔'' حریم نے کینو کی پھانک منہ میں رکھتے ہوئے کہا تھا۔
''ہوں، منصور بھائی مجھے بھی اچھے لگے، حالانکہ اس شادی پر ہم سارے مریم آپی کے خلاف تھے، مگر اب مجھے لگ رہا ہے انہوں نے اپنی زندگی کے بارے میں اچھا فیصلہ کیا۔''
''ویسے بھی بندہ جس سے محبت کرتا ہو وہ مل جائے تو اور کیا چاہیے ہوتا ہے دنیا میں، اگر وہ ان کو چھوڑ کر کسی سے شادی کر لیتیں تو شاید اتنا خوش نہ رہ پاتیں، کیونکہ محبت تو وہ ان سے ہی کرتی تھیں نا۔''
''صحیح کہہ رہی ہو تم، میں سوچتی ہوں مریم آپی میں اتنا ظرف کیسے آ گیا وہ ایک دوسری عورت کے بچوں کو ماں بن کر پال رہی ہیں اور ایک ہماری ممی ہیں جن سے اپنے بچے بھی سنبھالے نہ گئے اور انہوں نے ملازموں کے سپرد

تاثرات نوٹ کیے تھے۔

''اگر زمانے میں آپ رسوا ہوئے تو ہم بھی ہوں گے، میں اکیلے تو نہیں چھوڑوں گی آخر ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی ہیں۔''

''دیکھ لیں دعویٰ تو بہت بڑے بڑے ہیں، جب وقت آئے تو کہیں مکر ہی نہ جائیں۔''

''مجھے ایسا سمجھ رکھا ہے۔''

''سمجھتا تو نہیں ہوں مگر بندے کا کیا پتہ چلتا ہے بدلتے ہوئے۔''

''اس کا مطلب ہے تمہیں مجھ پر یقین ہی نہیں ہے۔''

''یقین ہے، بات یقین کی نہیں ہے۔'' وہ پریشان تھی موحد نے اسے تسلی اور دلاسہ دینے کی بجائے اسے مزید پریشان کر دیا تھا، یعنی اس نے جو محبت کی تھی اسے اب نبھانا بھی تنہا تھا، وہ پیشانی پکڑ کر بیٹھ گئی تھی، موحد سے بات کر کے فرسٹریشن اور بڑھی تھی۔

''اب میں نے یہ تو نہیں کہا کہ اس طرح پریشان ہو کر بیٹھ جاؤ۔''

''نہیں میں پریشان نہیں ہوں، جب محبت کی ہے تو اسے پوری شان سے نبھاؤں گی بھی۔'' وہ پختہ عزم سے بولی تھی، موحد کے لئے یہاں بھی آسانی تھی، محبت کی شروعات تو وانیہ نے ہی کی تھیں اور اب وہ ہی اسے نبھانے کا ٹھیکہ لے رہی تھی تو اسے اور کیا چاہیے تھا۔

☆☆☆

''میں بہت پریشان ہوں، میں نے ایسے ہی نہیں تمہارا انتخاب کیا تھا مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تم بہت ٹیلینٹڈ لڑکی ہو، صدیقی صاحب کی کال آئی تھی وہ بھی بہت خوش تھے تم سے مل کر، سچ حریم تم نے تو میری بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے۔'' یاشر علوی آج بے تحاشا خوش تھا اتنا کہ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی، حریم کو صدیقی صاحب سے مل کر ذرا بھی اچھا نہیں لگا تھا، مگر نوکری کی مجبوری کی وجہ سے وہ یہ بات یاشر علوی کو کہہ نہ سکتی تھی۔

''آج سے تمہاری سیلری بڑھا رہا ہوں۔''

''جی تھینک یو سر۔'' آخری بات نے اس کے سارے خدشے بھی ہوا کر دیئے تھے۔

''تھینک یو والی اس میں کیا بات ہے، یہ تمہارا حق بنتا ہے۔''

''سر مجھے آپ سے ایک اور بات کرنی ہے۔''

''جی کہیے۔''

''مجھے آج گھر جانا ہے، ایک ضروری کام پڑ گیا ہے، دو دن کی لیو چاہیے۔'' وہ بے بسی سے بولی تھی صبح اٹھتے ہی لبنیٰ بیگم کی کال آئی تھی اور اسے دربار حاضر کر لیا گیا تھا اور وہ جب بھی بلاتی تھیں اسی طرح ایمرجنسی میں، حریم کو جیسے بھی ہو جانا پڑتا تھا۔

''خیریت تو ہے نا۔''

''سر پتہ نہیں، صبح گھر سے فون آیا تھا ایمرجنسی میں بلایا ہے۔''

''اوکے، آپ چلی جائیں اور ہاں اگر پیسوں وغیرہ کی ضرورت ہو تو کیشئر سے رابطہ کریں۔''

''جی تھینک یو سر۔'' وہ اٹھ کر چلی گئی تھی۔

آفس سے جلدی آف کر کے وہ سیدھا بس میں جا بیٹھی تھی تاکہ شام ہونے سے پہلے پہلے گھر پہنچ سکے، اس کے پرس میں ابھی بیس ہزار روپے رکھے ہوئے تھے جو اس کی سیونگ تھی اس نے ان پیسوں کو احتیاط سے پرس میں رکھا تھا کہ گھر جاتے ہی کام خواہ کچھ بھی ہوتا ایمرجنسی کیسی بھی ہوتی لبنیٰ بیگم کی پہلی ڈیمانڈ بس پیسوں کی ہی ہوتی

ہے، شام ڈھلنے میں ابھی بہت وقت باقی تھا جب وہ گاؤں جا پہنچی تھی، گاؤں کا ویسا ہی سادہ سا ماحول تھا جیسا ہو پچھلے ماہ چھوڑ کر گئی تھی، شام کی سرخی آسمان پر نمودار ہونا شروع ہوئی تھی کہ وہ گھر کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے بیگ کچے پکے صحن میں رکھا تھا اور طائرانہ نگاہ ادھر ادھر ڈالی تھی، ابا صحن میں ایک طرف چارپائی پر لیٹا تھا، لبنیٰ بیگم چھوٹے سے باورچی خانے میں بیٹھی شاید ہنڈیاں بھون رہی تھیں اور بچے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے، اس وقت وہ مسجد سے واپس آنے والے ہوتے ہیں سپارہ پڑھ کے، وہ سیدھا ابا کی طرف بڑھی تھی کہ خدانخواستہ ان کی طبیعت ہی نہ خراب ہو۔

"ابا!" وہ ان کی چارپائی پر ٹک گئی تھی، انہوں نے منہ موڑا تھا اور اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھے تھے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ابا آپ ٹھیک تو ہیں نا۔"

"ہاں میں ٹھیک ہوں، تم اپنی ماں سے ملیں۔" وہ لبنیٰ بیگم کے عتاب کے ڈر سے حریم سے کم ہی نظریں ملا پاتے تھے ابھی بھی وہ دو منٹ کے لئے ان کے پاس بیٹھی تو انہیں لبنیٰ بیگم کا خوف ستانے لگا تھا۔

"نہیں بس ابھی ملتی ہوں۔" اسے بھی باپ کی خوشی میں خوش رہنا پڑتا تھا، جب سے اس کی ماں کی وفات کے بعد لبنیٰ بیگم سے انہوں نے شادی کی تھی تب سے ایک طرح سے انہوں نے اپنی زندگی کا سکون تباہ و برباد کر کے رکھ لیا تھا، لبنیٰ بیگم نے شوہر کو ایسے دبا رکھا تھا کہ اس کے سامنے ان کی آواز بھی نہ نکلتی تھی، وہ تو اب نام کے ہی اس گھر کے سربراہ تھے ورنہ سیاہ کرے یا سفید یہ لبنیٰ بیگم کے اختیار میں تھا۔

"باپ سے راز و نیاز ہو گئے ہوں تو دو گھڑی ماں کا بھی حال احوال پوچھ لو۔" وہ کب باپ بیٹی کو اکٹھا بیٹھا دیکھ سکتی تھیں، ابھی بھی ان کے سر پر پہنچ کر چیخی تھیں۔

"جج...... جی میں آپ کے پاس ہی آ رہی تھی، کیا حال ہے آپ کا؟" وہ باپ کی چارپائی سے اٹھ کر جلدی سے ماں کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔" انہوں نے ناک سے جیسے مکھی اڑائی تھی۔

"کھانا پک گیا، بہت بھوک لگ رہی ہے، آج کیا بنایا ہے۔" وہ ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کے لئے ہلکے پھلکے لہجے میں بولی تھی۔

"کریلے۔" تین سوالوں کا ایک ہی جواب آیا تھا اور کھائے بغیر ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا، یہ اس کی ناپسندیدہ ترین سبزی تھی، بھوک جیسے ایک دم سے اڑ گئی تھی۔

"میں نے کہا بھی تھا حریم کو کریلے پسند نہیں آج کچھ اور بنا لینا۔" ابا نے منمناتے ہوئے کہا تھا اور جانے کتنی ہمت کے بعد کہا تھا، بیٹی کا اتنے دنوں بعد گھر آنا، اس کے چہرے میں سفر کی تھکاوٹ اور چہرے کی شادابی کا بہت جلد پچتکی میں بدل جانا سوتیلی ماں کو تو نظر نہیں آ سکتا تھا مگر باپ تو سگا تھا اسے تو نظر آ گیا تھا۔

"اور کچھ نہیں تھا گھر میں اور پیسے بھی نہیں تھے، تمہیں کیا پتہ کن دقتوں سے میں گھر کا خرچ چلاتی ہوں تمہیں تو ہر وقت بس مرغ مسلم کے خواب ہی نظر آتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں میں کھا لوں گی، اب آپ کیوں خواہ مخواہ ٹینشن لیتے ہیں۔" وہ ماں کو چڑتے دیکھ کر جلدی سے بولی تھی، ابھی اسے دو دن اور یہاں گزارنے تھے اور وہ آتے ہی ماں کی

وہ بیڈ پر ڈھے گئی تھیں وانیہ کا بھی سارا موڈ غارت ہوگیا تھا، وہ بھی اپنے کمرے میں جا کر بند ہوگئی تھی، باہر کھڑا موحد بھی اس کا انتظار کررہا تھا، وہ اس کا انتظار ہی کرتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

مریم کی آج طبیعت خراب تھی اور منصور بیگ کی جان پر بنی ہوئی تھی، اسے تو کالج سے چھٹی کرنی پڑی تھی، منصور نے بھی چھٹی کرلی تھی، مریم الٹیاں کرکر کے تھک گئی تھی اور اب نڈھال سی پڑی تھی، منصور اسے لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے تھے اور وہاں جا کر ڈاکٹر نے جو خبر سنائی تھی وہ سن کر ان دونوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔

''مریم مجھے یقین نہیں آرہا کہ میں ایک بار پھر سے باپ بننے والا ہوں۔'' واپسی کا سارا راستہ منصور نے مریم سے پوچھ پوچھ کر بس اس بات کے یقین میں ہی گزارا تھا، گھر آکر بھی وہ پروانہ بن کر مریم کے اردگرد چکراتے رہے تھے۔

''بس اب تم نے بیڈ سے پاؤں نیچے نہیں اتارنا، مکمل آرام کرنا ہے، میڈیسن ٹائم پہ کھانی ہے اور کسی قسم کی ٹینشن نہیں لینی۔'' ان کے پاس ایک لمبا چوڑا ہدایت نامہ تھا جو مریم کے لئے جاری کردیا گیا تھا، مریم بس مسکرائے جاتی تھی اور اپنے مجازی خدا کو دیکھے جاتی تھی، دل میں وہ بھی خدا پاک کی لاکھ شکر گزار تھی جس نے اسے اس مرتبے پر سرفراز کردیا تھا جسے ماں کہتے ہیں۔

''مریم میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا میری زندگی میں اس طرح بھی بہار آسکتی ہے کبھی۔'' مریم نڈھال سی بیڈ پر نیم دراز تھی مگر اس کے چہرے پر بھی انوکھا نور چھایا ہوا تھا، منصور اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ کر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے بولے تھے۔

''میں نے بھی ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔'' وہ بھی نم آنکھوں سے بولی تھی۔

''بس ہمیں اللہ پاک کا جتنا بھی شکر ادا کرنا چاہیے کم ہے۔''

''آپ آج صدقہ کردیں۔'' مریم کو لیٹے لیٹے خیال آیا تو بولی تھی۔

''ہاں کیوں نہیں، صدقہ تو بہت ضروری ہے، میں ابھی اس کا انتظام کرتا ہوں۔'' وہ اس کی صبیح پیشانی پر بوسہ دے کر باہر چلے گئے تھے۔

''ہیلو مشائم۔'' مریم کو جانے کیا سوجھی کہ مشائم کا نمبر ملا دیا تھا، شاید خوشی ہی اتنی تھی کہ وہ کسی اپنے سے شیئر کرنا چاہتی تھی۔

''ہیلو مریم آپی، کیا حال ہے۔'' مشائم کال ریسیو کرتے ہی پوچھنے لگی تھی۔

''حال ہی تو ٹھیک نہیں، بہت برا حال ہے۔'' وہ مسکراہٹ لبوں میں چھپا کر شرارت سے بولی تھی۔

''خیریت کیا ہوا آپ کو؟'' مشائم گھبرا گئی تھی۔

''تم خالہ بننے والی ہو۔'' مریم نے مشائم کو مزید پریشان کیے بغیر جلدی سے بتا دیا تھا۔

''کیا؟'' مشائم نے فون میں ہی زوردار چیخ ماری تھی۔

''ہاں۔'' مریم نے ایک بار پھر تصدیق کی تھی۔

''واؤ۔'' وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی، مریم نے مسکرا کر فون بند کردیا تھا اور اب امریکہ ریشم کا نمبر ملانے لگی تھی، ایک مکمل فیملی سے کیا جڑی تھی اپنی ٹوٹی پھوٹی فیملی کا خیال آنے لگا تھا اور اب وہ سب کو اکٹھا کرنے کی کوشش کررہی تھی، ریشم جانے کہاں بزی تھی اس نے کال اٹینڈ نہیں کی تھی تبھی مشائم کا نمبر سیل فون پر دوبارہ جگمگانے

www.urdusoftbooks.com

لگا تھا۔

''آپ ممی کو بتادیں۔'' اس نے آہستہ سے کہا تھا۔

''وہ جانے کہاں بزی ہوں گی، انہیں ہمارا خیال ہی کب ہے۔''

''ہوں یوں بھی آج کل وہ مصروف صنعت کار آفتاب گوریجہ کے ساتھ کافی بزی ہیں۔'' وہ طنز سے بولی تھی۔

''تو پھران کو اس مصروفیت میں کس کا کیا خیال ہوگا۔''

''مگر آپ بتائیں تو سہی شاید انہیں احساس ہو جائے۔''

''اوکے تم کہتی ہو تو میں فون کرلوں گی۔'' مریم مانتے ہوئے بولی تھی۔

''ٹھیک ہے بائے، اپنا خیال رکھئے گا بہت۔'' مشائم نے کہا تھا اور مریم اس محبت پر مسکرا دی تھی۔

مشائم نے اس خبر کو سب سے شیئر کیا تھا اور سب ہی پیچھے پڑ گئی تھیں کہ اس خوشی کی خبر پر کوئی زبردست سی ٹریٹ ہونی چاہیے، مشائم کو پیسوں کی کیا کمی تھی، اس نے شام کو سب کو اچھی سی ٹریٹ دینے کی حامی بھر لی تھی۔

☆☆☆

''کچھ پریشان ہو، خیر تو ہے نا۔'' موحد وانیہ کو پک کرنے آیا تھا تو عام روٹین سے ہٹ کر اس کے چہرے پر بارہ بجے دیکھ کر پوچھے بنا نہ رہ سکا تھا۔

''بات ہی پریشانی والی ہے۔'' وہ گاڑی میں پیچھے بیٹھتے ہوئے بولی تھی، موحد نے پہلے اس کے چہرے کی پریشانی نوٹ کی تھی اور اب اس کا یوں پیچھے بیٹھنا، ورنہ وہ تو بہت استحقاق سے آگے بیٹھا کرتی تھی اس کے برابر۔

''کیا ہوا، مجھے بتایئے تو سہی۔'' وہ بھی پریشان ہو اٹھا تھا۔

''ممی کو جانے کیسے ہمارے بارے میں شک ہو گیا ہے، انہوں نے مجھ سے سیدھے اور صاف لفظوں میں بات کی کہ میں تم سے اتنا فری ہونا چھوڑ دوں۔''

''اوہ یہ تو بہت برا ہوا، وہ کیا سوچتی ہوں گی ہمارے بارے میں۔'' وانیہ جس طرح اس کی مالی مدد کررہی تھی دنوں میں اس کے تو وارے نیارے ہو گئے تھے اور اوپر سے اتنی طرح دار اور خوبصورت لڑکی کا ساتھ اور اس کی محبت، وہ تو اپنا سر ہی گھی کی کڑاہی میں ڈبوئے بیٹھا تھا کہ یہ ممی بیچ میں کہاں سے آ گئیں، وہ بھی صحیح معنوں میں پریشان ہو بیٹھا تھا۔

''اب کیا ہوگا۔''

''ہونا کیا ہے، وہ تو کہہ رہی تھیں وہ تمہاری جاب ختم کروا دیں گی۔''

''ہوں، وہ تو ہونا ہی تھا، اس میں نقصان میرا ہی ہونا تھا مجھے پہلے ہی پتہ تھا مالی لحاظ سے بھی اور آپ کی طرف سے بھی۔'' وہ ڈرائیونگ کرنے کے ساتھ ساتھ نہایت پریشانی سے بولا تھا، گیند اس نے بڑی احتیاط سے وانیہ کے کورٹ میں پھینک دی تھی، اسے اتنا مایوس اور دل گرفتہ دیکھ کر وانیہ تو تڑپ اٹھی تھی۔

''ایسی بات بھی نہیں ہے، میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہونے دوں گی۔''

''اچھا، کیا کریں گی آپ، میری اور اپنی محبت کا ڈھنڈورا پیٹیں گی سارے زمانے میں، آپ کا تو کچھ نہیں جائے گا میرا مذاق بنے گا اور کچھ نہیں۔'' وہ فرنٹ سیٹ کا شیشہ اس کے چہرے پر سیٹ کرتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں بولا تھا اور ساتھ ہی وانیہ کے چہرے کے

ناراضگی مول نہیں لے سکتی تھی یہ اور بات کہ ابا نے اس کی ذرا سی سائیڈ لے کر بیوی کو ناراض تو کر دیا تھا، وہ صافہ کندھے پر رکھ کر باہر نکل گیا تھا، لبنیٰ بیگم کے سامنے زیادہ دیر رہنا زیر عتاب ہی رہنا تھا، حریم بھی اپنا بیگ لے کر کمرے میں چلی گئی تھی، جب اس کی ماں زندہ تھیں تو اس کے لئے بھی وہ چیز نہ پکتی تھی جو اسے ناپسند تھی بلکہ گھر میں ہی نہ پکتی تھی مگر اب، ماں نہ رہی تھی تو وقت بھی وہ نہ رہا تھا۔

''وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا یہ سنا تھا دیکھ بھی لیا۔''

''آج میں کچھ اور بھی مانگتی تو مجھے مل جاتا۔'' وہ ابھی منہ ہاتھ دھو کے سفر کی دھول مٹی اتار کے غسل خانے سے نکلی ہی تھی کہ سامنے والی چاندنی پلاؤ کی خوب بڑی سی پلیٹ تھامے چلی آئی تھی، وہ اور چاندنی پکی سہیلیاں بھی تھیں، چاندنی کو تو اس کی خوشبو ہی بتا دیا کرتی تھی کہ حریم آئی ہوئی ہے، اس نے جوش کے ساتھ گلے ملتے ہی پلیٹ حریم کے ہاتھ میں تھمائی تھی۔

''تو مانگ لیتی نا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ تھا کہ یہ قبولیت کی گھڑی ہے۔'' وہ چاندنی کو لے کر نیم کے درخت کی گہری چھاؤں تلے چارپائی پر لے آئی تھی اور چارپائی پر بیٹھتے ہی پلاؤ کے بڑے بڑے نوالے بنا کر ہاتھ سے ہی کھانا شروع کر دیئے تھے، اس وقت کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ یاشر علوی کے آفس میں جاب کرنے والی پروقار اور سلجھتی ہوئی لڑکی ہے بلکہ اس وقت وہ گاؤں کی ایک الھڑ دوشیزہ لگ رہی تھی، یاشر علوی اسے اس حال میں دیکھ لیتا تو شاید اپنا سر ہی پیٹ لیتا۔

''واقعی یہی تو نہیں پتہ ہوتا، اچھا خالہ کہاں ہیں۔'' چاندنی نے اسے کہہ کر اگلی بات اشارے سے پوچھی تھی۔

''چھت پر گئی ہیں۔'' حریم نے اوپر کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''کیا اوپر۔'' چاندنی نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تھا اور دونوں قل قل ہنسنے لگی تھیں، اتنی دیر میں حریم نے پلیٹ بھر کر چاول کھا لئے تھے اور تھوڑے سے بچا کر لبنیٰ بیگم کے لئے بھی رکھ دیئے تھے کیونکہ ان کو کوئی چیز نہ دینا گھر میں ایک نیا محاذ کھول دینے کے مترادف ہوتا ہے۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے محبت کرنے لگا ہوں آپ سے میں۔'' آسمان تاروں سے بھرا ہوا تھا اور نہال کھلی فضا میں چہل قدمی کرتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں کہہ رہا تھا اس وقت اس کے تصور میں بس حریم کا چہرہ تھا اس کا سراپا تھا اور اسی کا انداز و نیاز تھا۔

''جانے یہ محبت کب ہوئی۔''

''پتہ ہی نہ چلا۔''

''محبت جب ہوتی ہے تو پتہ کب چلتا ہے۔'' ایک بار اس نے کسی جگہ پڑھا تھا اور آج اسی کے ساتھ یہ سب ہو گیا تھا۔

''حریم اچھی لڑکی ہے مگر دنیا اچھی نہیں ہے۔'' اب اس کی سوچ یاشر علوی کی طرف مڑ گئی تھی۔

''خیر، میں ہوں نا۔'' اس نے اپنے دل کو تسلی دی تھی اور موبائل نکال کر آفس میں گیٹ ٹو گیدر کی تصاویر دیکھنے لگا تھا جس میں حریم نمایاں تھی وہ Zoom کر کے اس کا چہرہ دیکھنے لگا تھا، یہ چہرہ بھولنے والا ابھی کب تھا۔

جاناں! ایسے ہی میرے ہونٹوں پہ وہ بات اترے
جسے سن کر تیرے چہرے پہ رنگوں کی برسات

اترے
میں کہیں بھی جاؤں عکس تک اپنا بھول جاؤں
تیری ہی خوشبو ہو میری سوچوں پہ تیری ذات
اترے
وہ گھڑیاں نصیب کی تھیں میری قربتوں میں تو ہی
تو تھا
پھر میرے چھوٹے سے آنگن میں اے خدا وہی
رات اترے
ہوا نے گل کو چھو کر مستی میں گلاب کر دیا ہے
پاگل تیزی بھی چاہے اس پر ایسی کوئی ساعت
اترے
جاناں! ہوش گنوا کر بھی تیرا ہی نام لئے جاؤں
خواب میں بھی میرے نام کی حنا کا رنگ تیرے
ہاتھ اترے
تمام اشعار اور تشبیہیں اس کے دم سے سوغات
اترے
ستارے ٹھہر ٹھہر کر ان آنکھوں میں جگمگاتے ہیں
ان کی صورت پہ جو کبھی مری نظر التفات اترے

وہ تصور میں حریم سے مخاطب تھا اور آج اس کے دل پر بھی یہ خوبصورت غزل ٹھنڈی پھوار بن کر برس رہی تھی اور دل کی تپتی زمین خوب خوب سیراب ہو رہی تھی۔

☆☆☆

''میں نے کہا تھا نا کہ تم اس ڈرائیور سے دور ہو لیکن وانیہ تمہیں شاید میری بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔'' وہ کالج سے موحد کے ہمراہ لوٹی تو ممی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

''ممی آپ میری بات کیوں نہیں سمجھتی ہیں میں موحد سے دور نہیں رہ سکتی۔'' بات جب کھلنے والی تھی تو اس نے خود ہی کھول دی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر ابھی دیکھو۔'' انہوں نے انٹرکام بجا کر ملازم سے کہا تھا کہ موحد کو بلا کر لائے، ملازم دو چار منٹوں میں موحد کو بلا لایا تھا۔

موحد بیگم صاحبہ کے کمرے میں آیا تو ماحول خاصا کشیدہ اور گرم لگ رہا تھا، وانیہ ایک کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی اور پریشان سی ناخن کھرچ رہی تھی جبکہ بیگم صاحبہ نہایت غصے سے ماتھے پر ہزاروں بل لئے اِدھر اُدھر ٹہل رہی تھیں۔

''جی!'' اس نے بیگم صاحبہ سے کہا تھا۔

''موحد تمہیں اس لئے تو ہم نے نوکری نہیں دی تھی کہ تم ہماری برابری کرنے لگ جاؤ، یہ تو معاملہ ابھی میرے تک ہے اگر سیٹھ صاحب کو پتہ چل گیا تو وہ تمہیں شاید زندہ گاڑ دیں اتنی نرمی کا سلوک نہ کریں تمہارے ساتھ، اس لئے بہتر یہی ہے کہ ہماری بیٹی نادانی اور کم عقلی میں جو کچھ کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے ہم اس کو سامنے رکھتے ہوئے تمہیں ابھی اور اسی وقت نوکری سے نکال رہے ہیں، تمہارا جو بھی حساب کتاب ہے وہ منیجر کر دے گا، اب تم جا سکتے ہو اور ہاں جانے سے پہلے اتنی بات سنتے جاؤ مخمل میں کبھی ٹاٹ کا پیوند نہیں لگا کرتا اور......''

''ممی آپ موحد کو نوکری سے نہیں نکال سکتیں۔'' وہ منہ اونچا کر کے بولی تھی۔

''بس، تمہیں ہمارے فیصلوں کو چیلنج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے وانیہ کو ڈانٹ کر رکھ دیا تھا۔

''جاؤ تم۔'' اور ساتھ ہی موحد کو غصے سے کہا تھا، موحد ایک منٹ میں کمرے سے باہر نکل گیا تھا، اسے یہ جنگ لڑنے کی ضرورت ہی نہ تھی یہ جنگ وانیہ نے شروع کی تھی اور اب اسے لڑنا بھی خود تھی۔

''ممی آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں۔'' موحد کے جانے کے بعد وہ چیخ کر بولی تھی۔

''شٹ اپ، تم ہمارے ساتھ کون سی اچھائی کر رہی ہو، ہماری اونچی شان اور ہمارے اسٹیٹس کو خاک میں ملا رہی ہو۔''

''ہونہہ اسٹیٹس، دیکھ لوں گی میں اس اسٹیٹس کو۔'' اس نے دروازہ بدتمیزی سے بند کیا تھا اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے لائٹیں آف کی تھیں اور تکیوں میں منہ چھپا کر رونے لگی تھی، اس نے موحد کے ساتھ کے بہت سارے خواب دیکھے تھے، اس نے اپنی پڑھائی مکمل کرنا تھی موحد کو ڈرائیوری چھوڑ کر کوئی اچھی سی نوکری ڈھونڈنا تھی مگر یہ اتنی جلدی ممی کو جانے کس نے خبردار کر دیا کہ سارے خواب ادھورے کے ادھورے رہ گئے تھے۔

''میں جا رہا ہوں۔'' پہلے فون بجتا رہا تھا مگر اس نے اپنے دکھ میں گم نہیں سنا تھا مگر جب ایک دم خیال آیا کہ موحد کا ہوگا تو فون اٹھا کر سامنے کیا تھا تو ایک میسج سامنے تھا، اس نے فوراً کال کی تھی۔

''آپ رو رہی ہیں۔'' موحد نے اس کی بھیگی آواز سن کر فوراً کہا تھا۔

''نہیں تو۔'' اس نے حتی الامکان اپنی آواز کو نارمل بنانے کی کوشش کی تھی۔

''کیوں نہیں، جھوٹ بول رہی ہیں یا مجھ سے، چھپا رہی ہیں خود کو، آپ رو رہی تھیں تو تبھی میرا دل عجیب طریقے سے بے چین تھا۔''

''ہاں رو رہی تھی، اس لئے کہ تم جا رہے ہو۔'' اس نے اب کہ رو کے ہوئے آنسوؤں کو بہنے دیا تھا، صاف شفاف گالوں پر لکیریں سی بننے لگی تھیں۔

''جا رہا ہوں مگر ہمارا رابطہ تو برقرار رہے گا نا۔''

''پر دوری تو دوری ہوتی ہے نا۔''

''اب اس دور میں دوری ہی کہاں رہی ہے، یہ موبائل فون نے سب فاصلہ سمیٹ دیا ہے۔''

''لیکن موحد یہ بات یاد رکھنا میں اب زیادہ دیر تم سے الگ اور دور نہیں رہ سکتی۔''

''میں بھی نہیں رہ سکتا، اس کے لئے ہم کچھ سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے لیکن پلیز ابھی خود کو سنبھالیں، آپ اس طرح بکھر جائیں گی تو مجھے کون سنبھالے گا۔'' موحد نے اسے تسلی دی تھی۔

''اوکے اوکے، میں نہیں روؤں گی اب۔'' اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے تھے۔

''یہ ہوئی نا بات۔''

''ابھی کہاں جاؤ گے۔''

''ابھی تو فی الحال ایک دوست ہے یہاں اس کے پاس جاؤں گا، پھر نئے سرے سے نوکری ڈھونڈوں گا۔''

''موحد پریشان ہونے اور نوکری ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے، میرے پاس بہت پیسے ہیں اور یہ سب تمہارے ہی ہیں۔''

''وہ پیسے آپ کے ہیں اور ان پر آپ کا ہی حق ہے۔'' یوں تو موحد دل سے خوش ہو گیا تھا مگر اپنا بھرم رکھنا بھی تو ضروری تھا۔

''ہم دونوں ایک ہیں تو پھر ہماری ہر چیز بھی مشترکہ ہی ہے، تم ایسا کیوں سوچتے ہو، اگر ایسا ویسا کچھ سوچا تو میں ناراض ہو جاؤں گی اور تم جانتے ہو نا میں پہلے ہی کتنی پریشان اور ڈسٹرب ہوں۔''

''ٹھیک ہے کچھ نہیں کہتا، بس آپ ٹینشن ختم کر لیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' وانیہ نے نم آنکھیں پونچھ کر اثبات میں سر ہلایا تھا، موحد نے بھی مطمئن ہو کر فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

حریم سی گرین سوٹ میں ملبوس ہم رنگ دوپٹہ سلیقے سے سر پر اوڑھے نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی، وہ اور نہال ایک بہت خوبصورت منظر میں بیٹھے تھے اور اسی منظر کا حصہ لگ رہے تھے۔

''حریم تم نے تو مجھے اسیر کرلیا ہے۔'' وہ حریم کے موی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے کہہ رہا تھا۔

''اسیر تو آپ نے بھی مجھے کرلیا ہے، میں اب حریم کہاں رہی ہوں خود اپنی ہی پہچان بھولتی جا رہی ہوں آپ کو سوچ سوچ کر۔'' حریم نے اپنے ہاتھ میں چھڑائے تھے بلکہ نہال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی، نہال اس کی اس ادا پر نہال ہی تو ہوگیا تھا۔

''بس دیکھ لو ہماری قسمت میں ملنا تھا اور ہم مل گئے، اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کرسکتی۔'' نہال نے جذبات سے پر لہجے میں کہا تھا۔

''نہال مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں اس آفس میں جاب کروں گی تو آپ مجھے مل پائیں گے۔'' حریم پاس کھلا سرخ گلاب توڑ کر اس کے ہاتھوں میں دے کر بولی تھی، گلاب کے ساتھ شاید کانٹا تھا جو زبردست طریقے سے نہال کے ہاتھ میں چھپا تھا نہال بلبلا اٹھا تھا اور ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی، اس نے ہتھیلی میں کانٹے کی چبھن تلاشنا چاہی تھی مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا، آنکھ کھلتے ہی سب کچھ خواب وخیال ہوگیا تھا۔

''اوہ شٹ یار۔'' اس نے مکا بیڈ پر مارا تھا اور جھنجلا اٹھا تھا۔

''اگر یہ خواب تھا تو اس خواب پہ قربان جاؤں، ہائے میری آنکھ کیوں کھلی۔'' وہ اب تکیہ سینے کے ساتھ لگائے افسوس کررہا تھا اور تصور میں حریم کا سراپا مسکرا اٹھا تھا کہ یہ محبت بندے کو پاگل کردیتی ہے، نہال جیسے بندے کو بھی اس محبت نے پاگل کردیا تھا۔

☆☆☆

رات ڈھل گئی تھی، رات کا کھانا گاؤں میں سرشام ہی کھالیا جاتا تھا، اس لئے کھانے سے فارغ ہوکر سب اپنے اپنے بستروں میں لیٹے ہوئے تھے جبکہ لبنیٰ بیگم نے حریم کو بلایا تھا وہ بات کرنے کو جس کی وجہ سے اسے ایمرجنسی میں شہر سے گھر آنا پڑا تھا۔

حریم بھی جب سے گھر آئی تھی اس بات کی منتظر تھی کہ جانے اب لبنیٰ بیگم کے تھیلے سے کون سی بلی برآمد ہوتی ہے مگر خود سے پوچھنے کی ہمت بھی نہ پائی تھی۔

''حریم مجھے ایک لاکھ روپے کی ضرورت ہے، تمہاری خالہ سلمیٰ نے شگفتہ کا بیاہ رکھ لیا ہے، اس نے مجھ سے پیسے مانگے ہیں میں کیسے اسے جواب دے دوں، تمہاری خالہ نے پہلی بار مجھ سے کچھ مانگا ہے، اب اسے ہمارے حالات کا تو نہیں پتہ اور ہم اپنے حالات کا ڈھنڈورا پیٹتے، اچھے بھی نہیں لگیں گے، بس تمہیں اسی لئے بلایا ہے کہ تم نے کہیں سے بھی ان پیسوں کا انتظام کرنا ہے، یہ بات فون پر بھی اس لئے نہیں کی کہ شاید اچھی طرح تمہیں سمجھ آتی کہ نہ کہ مجھے تمہاری خالہ سلمیٰ کو انکار نہیں کرنا۔'' لبنیٰ بیگم یوں تو میری بہن میری بہن کر کے سلمیٰ بیگم کا ذکر کرتی تھیں آج مگر حریم سے مطلب تھا اس لئے تمہاری خالہ تمہاری خالہ کی گردان جاری تھی، آج شام کو مرغی کے گوشت کا شوربہ اور ساتھ دودھ والی میٹھی سویاں بھی بنائی تھیں وہ بھی شاید اسی کرم فرمائی کا نتیجہ تھا، حریم کو تھوک تک نگلنا مشکل ہوگیا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

''ایک لاکھ روپیہ بہت بڑی رقم ہوتی ہے اور اس صورت میں تو پہاڑ جتنی بڑی جب آپ کے پاس اتنے روپے نہ ہوں۔''

اور لبنیٰ بیگم کے منہ سے جو بات ایک دفعہ نکل جاتی تھی وہ ہر حال میں پوری ہونی چاہیے تھی اس کے لئے خواہ کچھ بھی کرنا پڑتا۔

''بس تھوڑے دنوں تک چاہیے، شگفتہ کی شادی میں زیادہ دن نہیں ہیں۔'' وہ حریم کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی تھیں، یہ جانے بغیر کہ حریم کی کیا حالت تھی۔

حریم جو تقریباً سونے کے قریب تھی اس کی آنکھوں کی نیند ایک دم سے ہی اڑ گئی تھی، لبنیٰ بیگم تو چلی گئی تھیں مگر حریم کے لئے ایک نئی ٹینشن چھوڑ گئی تھیں، پھر وہ تمام رات کروٹیں لیتے ہی گزری تھی، کچی پکی سی جو نیند آئی تھی اس میں بھی عجیب سے خواب آتے رہے تھے، ابھی صبح کی اذان ہونے میں کافی وقت تھا جب اس نے بستر چھوڑ دیا تھا، کروٹیں بدل بدل کر جسم ہی دکھنے لگا تھا۔

''ابا اماں نے مجھے کیوں بلایا ہے آپ کو پتہ ہے۔'' صبح ناشتے کے بعد گلی میں کوئی فوتگی ہوگئی تھی اور لبنیٰ بیگم کو نا چاہتے ہوئے بھی وہاں جانا پڑا تھا، ورنہ وہ کبھی باپ اور بیٹی کو اکیلے چھوڑ کر نہ جاتی، حریم نے موقع غنیمت جانا تھا اور ابا کے پاس آگئی تھی۔

''ہوں پتہ ہے۔'' اڑتی پڑتی خبر انہوں نے بھی سن لی تھی، اس نے نظریں چرا کر وہ آہستہ سے بولے تھے۔

''ابا آپ کو پتہ ہے میری تنخواہ اتنی نہیں ہے میں بس اپنے خرچ کے پیسے رکھ کر باقی سب اماں کو بھجوا دیتی ہوں، اب آپ مجھے بتائیں میں ایک لاکھ روپیہ کہاں سے لاؤں، کہاں سے انتظام کروں، پھر ہمیں اپنے گھر کے لئے بھی نہیں چاہیے اماں کی بھانجی کی شادی ہے وہ لوگ خود انتظام کریں نا اماں کو آگے ہونے کا بہت شوق ہے۔''

اس کی ایک ایک بات ٹھیک تھی مگر ابا میں اتنا دم خم کہاں تھا کہ بیٹی کے لئے آواز اٹھا سکتا یا لبنیٰ بیگم کی کسی بات سے انحراف کرسکتا۔

''پتر تم کوشش کرو شاید پیسوں کا انتظام ہو جائے ورنہ تمہاری اماں کا موڈ بہت خراب ہو جائے گا۔'' ان کی بات نے حریم کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی، ابا نے لبنیٰ بیگم سے دوسری شادی کیا کی تھی اپنا سب کچھ لبنیٰ بیگم کے پاس رہن رکھوا دیا تھا، حریم اب آگے کیا بولتی، ابا کے پاس بیٹھنے کا فائدہ ہی نہیں تھا وہ لبنیٰ بیگم کے سامنے بھی چپ تھے اور بعد میں بھی ان کے ڈر سے چپ ہی رہتے تھے، حریم بے دلی سے اٹھ کر سامنے والے گھر میں چلی آئی تھی، جہاں چاندنی صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھی۔

''آؤ، کچنار گوشت بنا رہی ہوں، تمہیں بہت پسند ہے نا۔'' چاندنی نے چیزیں سمیٹ کر اس کے بیٹھنے کے لئے جگہ بناتے ہوئے کہا تھا۔

''ابھی کہاں بنا رہی ہو ابھی تو بس کچنار صاف کررہی ہو، بلکہ کاٹ رہی ہو۔'' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں تو بناؤں گی ابھی، تم بتاؤ پریشان لگ رہی ہو۔'' چاندنی نے بس ایک نظر اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

''بہت پریشان ہوں۔''

''کیوں خیر تو ہے نا۔''

''بس ایسے ہی، تمہیں اماں کا تو پتہ ہے نا کوئی نیا قصہ چھیڑے ہی رکھتی ہے میری پریشان کے لئے۔'' وہ پیسوں کا ذکر گول کر گئی تھی، حالانکہ چاندنی سے اس کی کوئی بات چھپی نہ تھی۔

"حریم مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی، چاچا تمہارا کوئی رشتہ کیوں نہیں دیکھتا، تم اپنے گھر بار والی بن جاؤ تو تمہاری اس مصیبت سے جان چھوٹے۔" چاندنی نے ایک نیا حل پیش کیا تھا۔

"میری شادی ہوگئی تو ابا کے ننھے بچوں کو کون پالے گا، ابا کی جو تھوڑی بہت دکانداری چلتی ہے اس میں تو دو وقت کا کھانا ہی مشکل سے پکتا ہے، بلکہ میں پیسے نہ بھیجوں تو شاید وہ بھی نہ ملے۔"

"تو یہ تمہارا مسئلہ تو نہیں ہے نا، ابا سے کس نے کہا تھا شادی کرنے کو، اب بچے پیدا کیے ہیں تو انہیں پالے بھی وہ خود نا۔"

"بس میں بھی انہی کی بیٹی ہوں انہیں پریشان کیسے دیکھ سکتی ہوں۔"

"اور جوان کی بیگم تمہیں ہر وقت پریشان کرتی رہتی ہے، وہ انہیں نظر نہیں آتا۔"

"انہیں سب نظر آتا ہے بس کچھ کہہ نہیں سکتے۔" وہ دھنیے کے پتے توڑتے ہوئے بولی تھی۔

"کیوں نہیں کہہ سکتے، اس گھر کے سربراہ ہیں، شوہر ہیں لبنیٰ بیگم کے، سب اختیارات رکھتے ہیں، مگر تمہارے گھر کا تو الٹا ہی نظام ہے سارے اختیارات تو لبنیٰ بیگم کے پاس ہیں۔"

"اچھا چھوڑو اب، پہلے ہی دل بہت اداس ہے کوئی اور بات کرو۔"

"کون سی بات؟"

"کوئی بھی جس سے دل بہل جائے، چلو نواز کی ہی سنا دو، آج کل تمہارے اور اس کے بیچ کیا چل رہا ہے۔" حریم نے چاندنی کا من پسند موضوع چھیڑا تھا، نواز اس کا چچا زاد بھی تھا منگیتر بھی اور محبت بھی، چاندنی کو نواز کا موضوع مل جائے تو پھر اور کہاں کچھ یاد رہتا تھا۔

"نواز ٹھیک ہے، روزانہ آتا ہے ایک یا دو چکر اس نے لازمی لگانے ہوتے ہیں، وہ کہتا ہے تمہارا چہرا نہ دیکھوں تو نہ صبح ہوتی ہے اور نہ شام۔" چاندنی نے آہستہ سے بتایا تھا اس دوران شفق کی ساری لالی اس کے گالوں پر پھیل گئی تھی، حریم نے بہت دلچسپی سے یہ رنگین منظر دیکھا تھا۔

"اور شادی کا کیا کہتا ہے، کب تک ارادہ ہے؟"

"یہ گرمیاں نکلتے ہی، چچی اس دن آئی تھی تو کہہ رہی تھیں۔"

"ہوں اچھی بات ہے۔"

"چلو آؤ باورچی خانے میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں ساتھ ساتھ میں کھانا بھی بنا لوں گی۔" چاندنی سبزی والی ٹوکری اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں میں چلوں گی اب، اماں آگئی ہوں گی۔"

"ارے ابھی تو میں نے تمہیں چائے بھی نہیں پلائی۔"

"نہیں یار، تمہیں پتہ تو ہے میں چائے کہاں شوق سے پیتی ہوں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا پھر دوپہر کا کھانا مت کھانا، میں بنا کر لاتی ہوں، بلکہ ایسا کرتے ہیں تمہاری طرف ہی لے آؤں گی اکٹھے بیٹھ کر کھائیں گے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" حریم اس کی محبت پر ہنستے ہوئے واپس آگئی تھی، اس سے بات کر کے دل کافی حد تک ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔

☆☆☆

مریم علوی کے لئے تو زندگی اب زندگی بنی تھی، وہ تھی اور منصور بیگ کی محبت مریم پر اس

محبت کا وہ رنگ چڑھا تھا کہ جو کوئی اس کو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا تھا، کالج میں ویسے ہی لڑکیاں میڈم مریم کی دیوانی تھیں مگر اب تو جیسے ان پر مرتی تھیں، انہیں میڈم مریم اور سر منصور کا کپل بہت پسند تھا۔

''مریم دل چاہتا ہے روز تمہاری نظر اتاروں۔'' اس نے گہرے کلر کی ساڑھی پہن رکھی تھی جس کے بارڈر پر سیاہ پٹی لگی ہوئی تھی وہ دونوں گاڑی میں کالج کے لئے آرہے تھے جب منصور نے اس کے وقار اور خوبصورتی کو خاصی گہری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تو اتار لیا کریں کس نے منع کیا ہے۔'' وہ کھلکھلائی تھی۔

''اچھا یہ بات ہے تو اب اتارا کروں گا۔'' منصور بھی ہنس پڑے تھے۔

''میڈیسن لی ہے نا آج۔'' انہیں خیال آیا تو پوچھنے لگے تھے۔

''جی ہاں لی ہے جناب۔'' جس طرح منصور بار بار روز پوچھتے تھے وہ عاجز بھی آجاتی تھی اور کبھی کبھی اس محبت پر دل سے ممنون ہوتی تھی۔

''ہوں ویری گڈ۔''

''آپ نے مشتاق صاحب کو کیوں بتایا؟''

''کیا؟'' وہ انجان بن کر بولے تھے۔

''یہی میرے بارے میں۔''

''یار وہ میرا بہت اچھا دوست ہے، بس خوشی اتنی تھی کہ چھپا نہ سکا اس لئے اس خوشی کو اس کے ساتھ شیئر کر لیا۔''

''ہوں، لیکن مجھے ان کے سامنے شرم آتی ہے۔''

''اوہو یار، شرم کیسی، ہم تو خوش نصیب ہیں جنہیں خدا پاک نے اس نعمت سے نوازنے کے قابل سمجھا ہے۔''

''ارے یہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' گاڑی جب کالج والا روڈ چھوڑ کر آگے بڑھ گئی تھی تو مریم نے پوچھا تھا۔

''بوجھو تو بھلا جانیں۔''

''بتائیں نا، مجھے کیا پتہ، گھر سے تو ہم کالج آنے کے لئے ہی نکلے ہیں نا۔''

''نہیں آج ہم کالج نہیں جا رہے بلکہ آج ہم شاپنگ کے لئے جا رہے ہیں اپنے بے بی کے لئے۔'' منصور نے بڑی ترنگ میں کہا تھا۔

''تو اس کے لئے کالج سے آف لینے کی کیا ضرورت تھی ہم یہ کام چھٹی والے دن بھی تو کر سکتے تھے نا، آج میری بہت ضروری کلاس تھی ایک، بے بی کے لئے اتنی ایمرجنسی کیا ابھی۔''

''بیگم صاحبہ بے بی کو ایمرجنسی نہیں مگر ہمیں تو ایمرجنسی ہے نا، ہم اتنا لمبا چوڑا صبر نہیں کر سکتے اور باقی رہی آپ کی کلاس کی بات تو کوئی بات نہیں آپ یہ ضروری کلاس کل بھی لے سکتی ہیں۔''

''بچوں کا تو حرج ہو گیا نا۔''

''کیا مصیبت ہے یار، آپ کو یوں تو سارے زمانے کی فکر ہے ایک سوائے میرے دل کے۔'' وہ نظریں اس کے چہرے پر گاڑ کر بولے تھے۔

''خدا کے لئے سامنے دیکھ کر گاڑی چلائیں، مجھے آپ کی فکر کیوں نہیں ہے سارا زمانہ ایک طرف مجھے بس آپ کی ہی تو فکر ہے۔''

''تو بس پھر اسی بات کے صدقے ہمارا ساتھ بھی انجوائے کیجئے نا، آج میں جب صبح اٹھا تو میرا موڈ ایک دم سے بدل گیا، بس دل چاہا آج سارا دن اور کوئی کام نہیں کرنا بس میں اور آپ ایک اچھا سا دن گزاریں گی۔''

''پھر بچوں کو بھی اسکول سے چھٹی کروا

www.urdusoftbooks.com

لیتے، وہ بھی ہمارے ساتھ انجوائے کرتے۔"

"یار بچوں کو ہم بہت اٹینڈ کرواتے ہیں مگر بس میں اور آپ اور تیسرا کوئی نہیں۔"

"ہوں، خیر ہے بڑے رومانٹک ہو رہے ہیں۔" شوہر کا موڈ اچھا تھا تو مریم نے بھی سب ٹینشن بھلا دی تھی۔

"جب اتنی حسین بیوی کا ساتھ ہو تو رومانٹک ہونا پڑتا ہے۔" تب تک ایک بڑا شاپنگ مال آ گیا تھا انہوں نے گاڑی اس کی پارکنگ میں لگائی تھی اور مریم کو اترنے کا اشارہ کیا تھا۔

مریم کے لئے یہ فرسٹ ایکسپیرئنس تھا اور بہت انوکھا تھا، نیو بورن بے بی کی شاپنگ بھی کتنے مزے کا کام ہے، مگر منصور کو بھی مریم کی طرح یہ اپنا پہلا تجربہ ہی لگ رہا تھا، ان دونوں نے اتنی ساری چیزیں خریدی تھیں کہ گاڑی میں رکھنے کی جگہ کم پڑ گئی تھی۔

پھر ان دونوں نے اچھے سے ہوٹل سے لنچ کیا تھا اور خوب ڈھیر ساری باتیں کی تھیں، وہ سب باتیں جو آج تک ان کہی تھیں، مگر آج ان کو زبان مل گئی تھی۔

"منصور اب گھر چلیں بچوں کے آنے کا ٹائم ہو رہا ہے۔" مریم نے کلائی پر بندھی نازک سی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا تھا۔

"ہوں، چلو۔" لنچ بھی ختم ہو گیا تھا اور بعد میں انہوں نے سکون سے کافی بھی پی لی تھی، اس لئے اب بچوں کے لئے گھر جانا ضروری تھا۔

"بچوں کے لئے برگر پیک کروا لیں۔" مریم نے چلتے چلتے منصور کو یاد کروایا تھا۔

"اچھا جناب کچھ اور۔"

"ہاں مجھے یاد آ گیا گڑیا کا لنچ بکس بھی پرانا ہو گیا ہے، اس کے لئے ایک لنچ بکس بھی لینا ہے، میں نے سوچا تھا بازار جائیں گے تو لوں گی، آج تو اچانک پروگرام بنا، اچھا ہوا مجھے یاد آ گیا۔" برگر پیک کرواتے ہوئے مریم کو یاد آیا تھا، منصور نے لنچ بکس بھی خرید دیا تھا۔

"اور کچھ جناب؟"

"نہیں آج کے لئے بس اتنا ہی کافی ہے۔" منصور کے کہنے پر مریم نے دلکش ہنسی ہنستے ہوئے کہا تھا اور گاڑی کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"اللہ کے نام پر کچھ دے دو، بی بی اللہ جوڑی سلامت رکھے، سدا سہاگن ہوا، سدا جگ جگ جیو۔" وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی تھی جب ایک بھکارن نے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا تھا اور دعاؤں کی بوچھاڑ کر دی تھی، مریم کو اپنی زندگی کے لئے بس دعاؤں کی ہی تو ضرورت تھی، اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پرس کھولا تھا اور سارا پرس اس کی جھولی میں الٹ دیا تھا، وہ بھکارن تو اتنے سارے نوٹ دیکھ کر بے ہوش ہونے کے قریب ہوئی تھی، مریم کو ان دعاؤں کے بدلے میں یہ سب بھی تھوڑا لگ رہا تھا، جو اسے مل گیا تھا اور مل رہا تھا ان سب کے لئے وہ جتنا بھی شکر گزار ہوتی کم تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

☆☆☆

سوچ سے کہیں زیادہ
مریم ماہ منیر

''مجھے تم سے محبت ہے۔'' شادی کی دوسری سالگرہ پر وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''محبت۔'' اس کے پہلو میں بیٹھی زویا زیر لب بولی تھی۔

''اعتبار نہیں؟'' نجانے اس دو حرفی جملے میں سوال تھا یا پھر محض اطلاع۔

''اعتبار۔'' ایک مرتبہ پھر سے جھکے چہرے جھکی نظر سے ہونٹ ہلے تھے۔

''جانتی ہو دنیا میں سب سے زیادہ تمہیں پیار کرتا ہوں۔'' گود میں دھرے ہاتھوں کو اپنے مردانہ ہاتھوں کی گرمی میں قید کیے گمبھیر لہجے میں بولا۔

''پیار۔'' انداز ہنوز تھا، زویا کی آواز نے کمرے کی خاموش فضا میں ارتعاش پیدا کیا، پھر اگلے لمحے ہی اس نے اپنے دودھیا ہاتھوں کو اس کے مردانہ ہاتھوں کی گرفت سے آزاد کرنا چاہا۔

''تمہیں یاد ہے جب میں نے تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔'' لہجے میں اشتیاق تھا، گویا پہلی مرتبہ سوال کیا جا رہا ہو، لیکن وہ جانتی تھی کہ شادی شدہ زندگی کے دو سالوں میں وہ تیسری مرتبہ یہ جملہ سن رہی تھی۔

پہلی مرتبہ شادی کی رات، دوسری مرتبہ شادی کی پہلی سالگرہ کے موقع پر اور اب تیسری مرتبہ۔

لیکن نہ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس جملے کی پذیرائی پر مجبور تھی وہ اگلے انسان کے لہجے میں چھپے اشتیاق کا احساس ختم نہیں کرنا چاہتی تھی، سو نفی میں سر ہلا گئی۔

''میں...... امی...... ابو اور پھپھو کے ساتھ تمہارے گھر آیا تھا۔''

کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ زویا نے بے ساختہ ہی نگاہ اٹھائی، اس کی آنکھوں میں بہت کچھ پنہاں تھا لیکن مدمقابل کو محض اس کی نگاہوں میں حیرانگی کے رنگ نظر آئے تھے۔

''حیران ہونا۔'' وہ بے ساختہ ہی ہنسا۔

وہ جواب میں مسکرا کر نگاہیں جھکا گئی کہ مدمقابل ہنسا تھا تو اس کا ہنسنا بھی واجب تھا، دل تھا کہ ہمک ہمک کر پوچھنے کو بے تاب تھا، اگر میرے گھر مجھے دیکھا تو تو آج میں کس کے گھر میں ہوں، میری ماں کا کہنا ہے کہ شوہر کا گھر ہی عورت کا اصل گھر ہے، وہ کہنا چاہتی تھی لیکن کہہ نہیں پائی۔

میری آنکھوں میں محض حیرانگی نظر آئی، دکھ، پریشانی نظر نہیں آئی، دو سال جان ماری ہے شوہر کے گھر کی رکھوالی کرتے اس کے گھر کو اپنا بناتے اور آج دو سال بعد پتہ چلے کہ گھر کا مالک ہی کہہ دے کہ باپ کا گھر اس کا تھا تو اس پر کیا بیتی ہے۔

''یاد ہے نا۔'' وہ تصدیق چاہ رہا تھا۔

''تصویر بھی تو تھی۔''

''او ہاں۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

''تمہیں یاد ہے تصویر والی بات۔''

''ہاں کیسے بھول سکتی ہے۔''

''تم لوگوں نے جب تصویر دینے سے انکار کیا تو پہلے تو ہم لوگ سمجھے کہ شاید لڑکی میں کوئی نقص ہے۔''

''نقص؟'' بے ساختہ ہی اس کے لبوں سے آزاد ہوا۔

''ارے...... بھینگی...... اندھی...... کالی۔''

ایک فقرے میں اکٹھے تین نقص گنوا دیے گئے تھے، وہ چاہتے ہوئے بھی نہ پوچھ پائی، سب کچھ غلط ہی سوچتے رہے، اچھا بھی تو سوچا جا سکتا تھا، ہنوز دونوں ہاتھوں کو اسامہ کے ہاتھوں میں قید دیکھتے ہوئے پھر سے چھڑانے کی کمزور سی کوشش

کی جسے ہنہ کے انکار سے ناکام بنا دیا گیا۔
''بیٹھی رہو...... تمہارے ہاتھ بہت نرم ہیں۔''
''کبھی ہوتے تھے، شادی سے پہلے اب شوہر کا گھر سنوارتے، شوہر کے گھر کے کچن میں ڈھیروں برتنوں کو دھونے، دیگچیوں کو مانجھتے کھدرے ہو رہے ہیں۔''
''کیا سوچنے بیٹھ گئی ہو۔'' سیدھے سادھے انداز میں پوچھا گیا۔
''کچھ نہیں۔'' ایک مرتبہ وہ پھر سے نفی میں سر ہلانے پر مجبور تھی۔
''اچھا تو پھر بتایا نہیں، تصویر دیکھ کر کیسا لگا۔''
''ٹھیک۔'' مختصر جواب آیا۔
''بس ٹھیک۔'' اسامہ کو اتنے مختصر جواب کی امید نہیں تھی۔
جواب میں وہ چاہتے ہوئے بھی نہیں کہہ پائی کہ کاش تصویر دیکھنے کے بجائے بات چیت ہوتی، اگر عادات و اطوار کا پہلے پتہ چل جاتا تو آج شاید اس کے گھر اس کے کمرے میں اس کے پہلو کی بجائے کسی اور گھر اور کمرے اور کسی اور کے پہلو کا نصیب ہوتی۔
''پھر کیسے سوچنے لگ گئیں۔''
''نصیب کو۔''
''نصیب کو، خوش نصیب لگا ہو گا نا میری تصویر دیکھ کر۔''
''خوش فہمی ہے جناب کی۔'' اس مرتبہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگ گئی، جواب میں اسامہ نے مصنوعی غصے سے گھورا تھا۔
''واہ رے شادی شدہ زندگی کی مہربانی، تیرا شکریہ، ہونٹوں کی مسکراہٹ نے دل کے جذبوں کا بھرم رکھ لیا، چہرہ بھی کیا خوبصورت تخلیق ہے

اس رب العزت کی دلوں کے بھیدوں کو چھپائے رکھتا ہے، گر دلوں تک ہر انسان کی رسائی ہوتی تو زندگی کتنی تلخ ہوتی۔''

''پہلے ہی بھیج دیتے تمہارے امی ابو تمہاری تصویر تو اتنی غلط فہمی جنم نہ لیتی۔'' مسکراتے ہوئے اسامہ نے معصوم سا شکوہ کیا تھا۔

''پہلی ہی مرتبہ میں تصویر بھیج دیتے تو آج سن رہی ہوتی کہ ہر کسی کو تمہارے امی ابو تصویر کیوں بھیج دیتے تھے۔''

''کیا سوچ رہی ہو؟''

واہ صاحب بیوی کی ہر سوچ کو زبان دینا لازم اور اگر بیوی شوہر سے اسی بات کا مطالبہ کرے تو یہ کہہ کر خاموش کرا دیا جائے، اتنا مت سوچا کرو کہ میں ہر وقت کیا سوچتا رہتا ہوں۔

''امی ابو کو پسند نہیں تھا ہر رشتے والے کو میری تصویر بھیجنا۔''

''اچھا۔'' اسامہ کے لہجے میں نہ جانے تصدیق تھی یا سوال وہ سمجھ نہیں پائی لیکن شادی شدہ زندگی کے ان دو سالوں میں اتنا ضرور سمجھ چکی تھی کہ شوہر کے کسی بھی جملے کو چاہے وہ سوال ہو یا پھر تصدیق ادھورا چھوڑ دیا خود کو اذیت میں ڈالنے کے مترادف ہے، ادھورا پن مرد کے ذہن کی سوچوں کو مختلف راستوں پر ڈال دیتا ہے پھر چاہے وہ رستہ وہم تک جائے یا اس کی منزل شک کی وادی میں اترے، بہتر سے بہترین کہ اس بات کی نوبت ہی نہ آئے، امی ابو کا خیال تھا کہ پہلے تھوڑی بات تو چلے تو پھر تصویر کی نوبت آئے، وہ تو آپ لوگوں کو لگا کہ کسی وجہ سے تصویر نہیں دکھانا چاہ رہے۔

''ہاہاہا۔''

''اسی لئے تو میں بھی ساتھ میں ہی چلا آیا کہ خود اپنی نظروں سے دیکھوں کہ لڑکی کیسی ہے اور پھر پہلی ہی نظر میں اس لڑکی کا فدا ہو گیا۔'' اپنا ایک ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر ہلکے سے ہلایا تھا، جواب میں وہ مسکرائی۔

''اور تم۔''

''میں۔''

''ہاں تم نے کیا سوچا، پہلی نظر مجھے دیکھتے ہی۔''

''محبت ہوئی یا پھر عشق۔''

''نہ محبت نہ عشق۔''

''کیا مطلب، یہ کیسے ہو سکتا ہے، تھوڑی سی تو ہوئی ہوگی محبت۔''

''نہ تھوڑی، نہ زیادہ، کچھ بھی نہیں سوچا پہلی نظر دیکھتے ہی۔'' ہونٹوں پر چھوٹی مسکراہٹ سجائے وہ بڑی صفائی سے جھوٹ بول گئی کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔

''اب ایسے بھی نہ کہو۔'' وہ ماننے سے بالکل انکاری تھا۔

''ایسا ہی ہے، کبھی نہیں سوچا کہ شادی سے پہلے کسی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے کو، سوچا تھا شادی کے بعد ہی پسند اور پھر محبت ہوگی جو بھی نصیب ہوگا۔'' وہ یہ چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ پائی کہ پہلی نظر میں وہ اسے اچھا لگا تھا، اپنا سا، لیکن اگر وہ یہ سب کہہ دیتی تو پھر آج نہیں تو کبھی نہ کبھی اسے سننا پڑتا کہ ہر گھر آنے والے رشتے کے ساتھ آنے والے لڑکے کو پسند کر لیتی تھیں، وہ تھیں اچھا لگنے لگتا تھا۔

بیوی جو ٹھہری...... شادی شدہ زندگی کے تقاضے جو ٹھہرے، پورے کرنا بھی واجب ٹھہرے، یکدم سے کچھ یاد آنے پر اسامہ نے مڑ کر سائیڈ ٹیبل کی اوپری دراز کو کھولا اور ایک چھوٹی سی نیلی شنیل کے کور والی ڈبیہ نکال کر اس کی جانب بڑھائی۔

ڈبیہ پر ایک نظر ڈال کر دوسری نظر اس نے اسامہ کے چہرے پر ڈالی جہاں آنکھوں اور ہونٹوں پر مسکراہٹوں اور خوشیوں کے رنگ دمک رہے تھے۔

''کھول کر دیکھو۔''

سفید ڈائمنڈ والی تین نگوں والی انگوٹھی کھلی ڈبیہ میں جگمگا رہی تھی۔

''تمہارے نام میری محبت، میری چاہت، میری عاشقی، میری روح۔''

''شکریہ۔'' وہ دل سے مسکرائی تھی، بیوی جو ٹھہری شوہر کی توجہ پذیرائی اس کے وجود کو جلا بخشنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

''آسمان سے زمین تک تمام بکھری چاہتیں، محبتیں، تمہارے نام، اتنی محبت ہے مجھے تم سے کہ تم شمار بھی نہ کر پاؤ۔''

جواب میں وہ کھل کر مسکرائی اور شرمائی تھی، بیوی کیا چاہے اپنے ہم سفر کے دل میں جگہ، بیوی کے ساتھ وہ جو گن جو ٹھہری۔

''اب تم بتاؤ۔''

''کیا؟''

''کتنی محبت ہے مجھ سے۔''

جواب میں ایک نگاہ اٹھا کر اپنے مجازی خدا پر ڈالی تھی، اس کا انگ انگ اس کی روح پکار رہی تھی، بتانے کی کیا ضرورت، نظر نہیں آتا، شادی کی پہلی رات سے لے کر ان دو سالوں میں گزری کسی ایک رات کے کسی ایک پل کی ساعت جب تمہیں نہ چاہا ہو، کسی ایک دن کا احوال جب تمہیں نہ سوچا ہو، میرے وجود پر چھائے ہر رنگ میں تم ہی تم ہو، کیا تمہیں اب بھی نظر نہیں آتا کیا اب بھی اعتراف کی ضرورت ہے؟

وہ ہفتہ بھی تو یاد کرو جب تم سخت موسمی نزلے بخار کا شکار تھے، چھ دن اور چھ راتیں تمہارے سرہانے جاگ کر گزاریں تھیں، کیا وہ دن بھی یاد نہیں جب تمہاری نوکری چھوٹ گئی تھی اور تم نے دو مہینے جاب کی تلاش میں آفسوں کے دھکے کھائے لیکن مناسب نوکری نہ ملی، صبر شکر سے تھوڑے میں تمہارے ساتھ گزارا کیا تھا اور وہ دن بیتے بھی تو زیادہ عرصہ نہیں گزرا جب تم نے خود اپنا گارمینٹس کا بزنس کرنے کا سوچا تھا، اس کاروبار کو شروع کرنے کے لئے تمہیں سرمایہ کی ضرورت تھی تو میکے کا زیور بیچ کر سرمایہ کی مطلوبہ رقم پوری کی تھی، کیا اب بھی ضرورت ہے بتانے کی کہ ایک وفادار خدمت گزار بیوی کو اپنے شوہر سے کتنی محبت کتنی چاہت کتنا عشق ہے۔

''آخر مجھے بھی تو پتہ چلے نا۔'' اسامہ اس کے دل میں ابھرتے جذبات و احساسات سے بےخبر اسے جواب دینے پر اکسا رہا تھا۔

وہ بیوی تھی خاموش رہ کر شوہر کے دل میں کوئی وسوسہ نہیں ڈالنا چاہتی تھی، سو اظہار لازم تھا۔

اگلے لمحے اس نے نگاہ اٹھا کر اپنے شوہر کی نگاہوں کو دیکھا، مسکرائی، شرمائی، پلکیں جھکائیں اور قدرے جھجکتے ہوئے اپنے دونوں بازو اس کے وجود کے گرد لپیٹ دیئے، اپنے مجازی خدا کے سینے سے سر ٹکائے فقط اتنا بولی۔

''آپ کی سوچ سے کہیں زیادہ۔''

☆☆☆

فرحت انصاری
تیسری قسط

''نوشینہ! نوشینہ!'' وسیم خلاف معمول آفس سے جلد لوٹ آیا، وہ غصے سے تن فن کرتا اسے پکارتا سیدھا اوپر چلا گیا، وسیم کا دل آفس میں نہ لگا تھا، اشتعال و غصہ اس کے خون کو گرما رہا تھا، منزہ شور کی آواز پر اوپر آ گئی، نائلہ نے اس کا کام کر دیا تھا۔

''جی بھیا!'' نوشینہ متحیر سی اپنے کمرے سے گھبرا کر باہر نکلی، وہ عجلت میں چپل بھی نہ پہن پائی تھی۔

''تم نے شہروز سے نکاح کب کیا ہے؟'' وسیم غصے سے لال پیلا گرج اٹھا، وہ حق دق رہ گئی، اس کا راز تیسرے روز ہی پھوٹ جائے گا اس کے گمان میں نہ تھا۔

اس نے منزہ بھابھی سے مناسب موقع ملتے ہی گزارش کرنا تھی کہ وہ بھائی سے بات کرے وہ منزہ کی لومڑی صفت عیار فطرت سے ناواقف تھی، منزہ نے اس کی نوبت ہی نہ آنے دی تھی۔ فاخرہ بت کی مانند ساکت رہ گئی، منزہ بناوٹی تحیر سے منہ کھولے پھٹی پھٹی آنکھوں سے وسیم اور نوشینہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

''بھیا وہ......'' نوشینہ کی جان بھائی کے غصے سے ہوا ہونے لگی تھی، اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے، اس نے بمشکل تھوک نگل کر حلق تر کیا، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، جیسے کوئی چور چوری کرتے وقت رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔

''نوشینہ تم نے یہ کیا کیا ہے، تم نے مجھے اعتماد میں ہی لیا ہوتا۔'' نوشینہ کے پھیکے رنگ اڑے چہرے پر سچائی واضح رقم تھی، وسیم کا غصہ صدمے میں ڈھلنے لگا، اس نے ہمیشہ بہن کی خاطر بیوی کو ڈانٹا تھا، بہن کی محبت میں منزہ کی

مکمل ناول

اچھائیاں بھی نظر انداز کی تھیں اسے پہلی بار منزہ سے کی ''زیادتی'' کا شدت سے احساس ہوا، نوشینہ اس کے دل کا ٹکڑا تھی، وہ ہمیشہ یہی سمجھتا رہا کہ منزہ ان دونوں کی محبت سے جیلس ہوتی ہے وہ کتنا غلط تھا، وسیم کے لہجے میں دکھ اتر آیا، نوشینہ نے زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کسی کو بھی اعتماد میں لئے بغیر خود کرلیا تھا۔

''بھیا، میں آپ.....'' نوشینہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے۔

''مجھے آئندہ کبھی بھی اپنی صورت نہ دکھانا، مجھے تمہاری مکروہ صورت سے نفرت ہے۔'' وسیم نے سختی سے اسے ٹوک دیا، اس کی آنکھوں سے لپکتے نفرت کے شراروں نے نوشینہ کو جلا کر بھسم کر دیا، اس کے الفاظ اس کے گلے میں اٹک کر رہ گئے، وسیم اس پر دوسری نگاہ ڈالے بنا تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا، فاخرہ اور رمزہ بے یقینی سے مجسموں کی مانند ساکت تھیں۔

نہ جانے کتنے پل بیت گئے تھے، وہ گھٹنوں میں چہرہ چھپائے ساکت بیٹھی تھی، فاخرہ بھابھی اسے کھانے کے لئے دوبارہ بلانے آئیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی، غیر معمولی تنگی کہ سب بہن بھائیوں کو خبر نہ ہوتی، ندیم بھائی کا ردعمل بھی وسیم سے کچھ کم نہ تھا، وہ تو اس پر ہاتھ اٹھانے سے باز نہ آتا اگر فاخرہ بھابھی بیچ میں نہ آجاتیں، سدرہ آپی نے اسے فون پر خوب ملامت کی تھی، انہوں نے کل آنا تھا، گھر میں ٹینشن و کشیدگی پھیلی تھی، اس کی بھوک پیاس مٹ چکی تھی۔

''مجھے شہروز سے بات کرنی چاہیے۔'' اس نے سر جھٹکے سے اٹھایا۔

''نہیں، کل کالج میں بات کروں گی۔'' اس نے سر جھٹک دیا، فی الحال اسے فون کرنا مناسب نہ تھا، اس کا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا، اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرالیا۔

''امی آپ مجھے کیوں چھوڑ گئیں۔'' اسے ماں کی بے تحاشا یاد آرہی تھی، اگر وہ زندہ ہوتیں تو ایسی سچویشن ہی نہ پیدا ہوتی۔

''نوشینہ تم کب تک بھوکی پیاسی رہو گی، کھانا کھالو۔'' فاخرہ بھابھی کھانے کے بعد کچن سمیٹ کر اس کے لئے کھانا لے کر کمرے میں آگئیں، انہیں نوشینہ سے یہ توقع نہ تھی وہ بھی شاکڈ تھیں مگر انہوں نے نہ تو اس سے کوئی باز پرس کی تھی اور نہ ہی کوئی ملامت وہ گھر میں پھیلی حد درجہ کشیدگی کی وجہ سے بے حد ٹینشن تھی وہ اسے مزید پریشان نہ کرنا چاہتی تھیں، ان کے ذہن میں بھی کئی سوالات جنم لے رہے تھے مگر انہوں نے مصلحتاً خاموشی سادھ رکھی تھی، فاخرہ نے محبت سے اس کے سامنے کھانا کھا۔

''بھابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔'' نوشینہ کی آنکھیں مسلسل رونے سے سوج چکی تھیں، اس نے کھانے کی ٹرے دور کھسکا دی۔

''نوشینہ رزق سے منہ موڑنا کفران نعمت ہے۔'' فاخرہ نے اسے بچکانہ انداز میں پچکارتے ہوئے نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا، ناچار اسے کھانا پڑا۔

''بس بھابھی۔'' نوشینہ نے چند لقمے لینے کے بعد اس کا ہاتھ پیچھے کر دیا، اس کا دل بھر بھر کر آرہا تھا، اپنوں کی ناراضگی اور بے رخی اس کا دل چیر رہی تھی، وہ خود کو بے حد تنہا محسوس کر رہی تھی، اس کے لئے امید کا واحد سہارا منزہ بھابھی کا تھا، اس نے انہی کی شہہ پر انتہائی قدم اٹھایا تھا، وہی اس کی مدد بھی کریں گی، فاخرہ نے مزید اصرار نہ کیا اور چلی گئی۔

''بھابھی میرا ساتھ ضرور دیں گی۔'' نوشینہ نے گھر آتے ہی منزہ کے استفسار پر اسے نکاح کا

بتا دیا تھا، منزہ نے اسے بے حد حوصلہ اور تسلی دی تھی، اس کے لئے امید کی آخری کرن منزہ تھی، اسے جلد بھابھی سے دوٹوک بات کرنا ہو گی، نوشینہ اپنے مسلسل دکھتے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبانے لگی۔

☆☆☆

''منزہ! مجھے معاف کر دو، میں غلط تھا، میں نے ہمیشہ تمہارے خلوص و محبت کو شک کی نظر سے دیکھا۔'' رات کافی ہو چکی تھی، منزہ کے وجود میں سکون کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا، سب کچھ ان کے پلان کے مطابق ہوا تھا، اب اسے آخری چال چلنا تھی، وہ جلد بازی میں بنا بنایا کھیل نہ بگاڑنا چاہتی تھی، گھر میں بے حد کشیدگی پھیلی تھی اک جان لیوا سناٹا تھا روح کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا، وسیم کو تو جیسے چپ لگ گئی تھی، منزہ کا وجود خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا، وہ بمشکل اپنے احساس مسرت کو چھپائے مغموم چہرہ لئے وسیم کی دلجوئی کے لئے آئی تو وسیم نے اس کے لب کھولنے سے پہلے ہی اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے، وہ بے حد شرمندہ تھا، کوئی سکون سا سکون تھا جو منزہ کی روح کو شانت کر گیا تھا، اک کمینگی بھری مسرت نے اسے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا، اس کا کھیل کامیاب رہا تھا، وہ سرخرو ٹھہری تھی۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں وسیم، مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔'' منزہ نے تڑپ کر اس کے ہاتھ الگ کرتے ہوئے لبوں سے لگا لئے، وہ وسیم کی نظروں میں بالآخر معتبر ٹھہری تھی، اس کے دل میں چھ سال سے جلتی آگ کے بھانبڑ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑے تھے، وہ اس پل بھول گئی تھی کہ اک ذات اوپر بھی ہے جو اپنے بندے کی ڈوریں ڈھیلی چھوڑ کر اسے من مانی کی کھلی چھوٹ دیتا ہے اس مان پر کہ شاید اس کا بندہ کبھی تو اس کی راہ پر لوٹے گا اور جب وہ بندے کی سرکشی پر غیض و غضب سے اس کی ڈھیلی ڈوریں کھینچتا ہے تو بندہ عبرت کا نشان بن جاتا ہے، اس نے وفا شعاری و معصومیت کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے، وہ وفا شعار تو تھی لیکن معصوم ہر گز نہ تھی۔

''تم بہت اچھی ہو منزہ، میں رب کا شکر گزار ہوں کہ مجھے تم جیسی بیوی ملی۔'' وسیم کا رواں رواں ممنون تھا اس نے محبت سے بیوی کو سینے سے لگا لیا، منزہ کے چہرے پر پرفریب و مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

''بھابھی پلیز آپ بھائی سے بات کریں۔'' نوشینہ نے کالج سے چھٹی کر لی تھی، وسیم اور ندیم کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا، دونوں بھائی اسے ملے بغیر آفس چلے گئے تھے، اسے دونوں بھائیوں کی خفگی کا احساس مسلسل کچوکے لگا رہا تھا، خصوصاً وسیم کی خفگی تو اس سے بالکل نہ سہی جا رہی تھی، وسیم نے اس کے ناز نخرے و لاڈ سب سے زیادہ سہے تھے اسے بھی اپنے بھائیوں میں وسیم سب سے زیادہ پیارا تھا دراصل دونوں بہن بھائی

کی اسی والہانہ محبت نے تو منزہ کو احساس رقابت میں مبتلا کیا تھا اور وہ یہ بات بے بات نوشینہ سے خار کھانے لگی تھی نوشینہ نے ناشتہ بھی نہ کیا تھا جس اسے دونوں بھائیوں کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تو وہ دبے قدموں نیچے آ گئی، منزہ کچن سمیٹ رہی تھی، اس کی آواز پر پلٹ کر باہر آ گئی۔

''بیٹھو نوشینہ! میں بھی تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔'' منزہ نے شیریں گھلے لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کن انکھیوں سے سیڑھیوں پر نظر ڈالی پھر مطمئن ہو کر اسے لئے کمرے میں آ گئی تھی۔

''نوشینہ میں نے وسیم کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن ان کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا ہے، تم فکر نہ کرو میں دو چار روز میں پھر بات کروں گی تب تک ان کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو چکا ہو گا۔'' نوشینہ کی آنکھیں مسلسل رونے سے سوج چکی تھیں، اس کے چہرے پر دکھ کے سائے لرزاں تھے، منزہ نے مکاری سے اسے جھوٹی تسلی دی، ابھی تو وہ وسیم کے پلٹنے کے سرور میں تھی، وہ آسانی سے کیسے وسیم کو ہاتھ سے نکلنے دیتی، بات کرتی منزہ کی نظر رونے کی تیاری کرتی نوشینہ پر پڑی تو اس نے بہانہ بنا دیا۔

''بھابھی وقت کم ہے اگر آپ جلدی بات نہیں کر سکتیں، تو میں خود وسیم بھائی سے بات کر لیتی ہوں۔'' نوشینہ پر لحہ لحہ بھاری تھا، اپنوں کی بیگانگی سہنا آسان کا تو نہ تھا، اس نے بچپن سے جن آنکھوں میں اپنے لئے نرمی و محبت دیکھی تھی اب انہی آنکھوں میں سختی اور نفرت اس کے لئے ناقابل برداشت تھی، وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی اپنوں کی بے رخی اور بیگانگی نہیں۔

''نہیں نہیں تم ایسا ہرگز نہ کرنا۔'' منزہ نے دل ہی دل میں سخت تاؤ کھاتے ہوئے ڈانٹ کچکچائے، وہ اس کا سارا بنا بنایا کھیل بگاڑنے پر تلی بیٹھی تھی۔

''میں آج لازماً وسیم کو رام کر لوں گی تم کل تک انتظار کر لو۔'' منزہ نے محبت سے اس کا گال تھپتھپا کر اسے اس کے عزائم سے روکنا چاہا، اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اس کا سارا پول وسیم کے سامنے کھول کر رکھ دیتی اور وسیم کا نوشینہ پر غصہ اور منزہ کی محبت صابن کا جھاگ ثابت ہوتی وہ پھر بہن پر جان نچھاور کرنے لگتا، نوشینہ متورم و پر تفکر چہرہ لئے سیڑھیاں چڑھ گئی، منزہ کا دماغ تیزی سے اس مسئلے سے نبٹنے کے منصوبے سوچنے لگا، نوشینہ اوپر چلی گئی تو فاخرہ بھابھی اپنے کاموں میں مصروف تھیں نوشینہ ان کی نظر میں آئے بغیر تیزی سے اپنے کمرے میں گھس گئی، وہ فاخرہ بھابھی کی کسی جرح کا سامنا کرنے کے موڈ میں ہرگز نہ تھی۔

☆☆☆

''وسیم مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔'' وسیم کھانے کے بعد ٹی وی چینل کی سرچنگ میں محو تھا، بچے سو چکے تھے، وسیم نے کھانا بمشکل زہر مار کیا تھا، اس کی بھوک پیاس اڑ گئی تھی، اس کا ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا تھا، اس نے ٹی وی آف کر کے ریموٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور رخ منزہ کی طرف کر لیا۔

''وسیم آپ شہروز کے گھر والوں کو بلا کر نوشینہ کی رخصتی کروا دیں۔'' نوشینہ بہت فکر مند تھی، وہ اپنے کہے پر عمل بھی کر سکتی تھی، وہ وسیم کا حقیقت جان کر متوقع ردعمل کا سوچ کر ہی خوف سے کانپ اٹھی تھی، وسیم اس سے بے حد نادم تھا، وہ اپنے کیے پر اس سے کئی بار معافی بھی مانگ چکا تھا، منزہ نے بہت سوچ سمجھ کر آخری چال چلنے کا فیصلہ کر لیا، وہ اس معاملہ کو لٹکا کر نوشینہ کی وسیم

سے ہتک و توہین کروا کر اپنی انا کی تسکین کرنا چاہتی تھی، اگر نوشینہ اسے سے خود وسیم سے بات کرنے کا نہ کہتی تو وہ ہرگز وسیم سے اتنی جلدی یہ بات نہ کرتی، منزہ نے ہمدردی سے وسیم کا کندھا تھاما۔

''تمہارا دماغ صحیح ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟'' وسیم نے قدرے خفگی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، اسے منزہ پر پاگل پن کا شبہ ہوا، منزہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''وسیم ہمیں جگ ہنسائی سے بچنے کے لئے یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی ہوگا، نوشینہ نے نکاح خود کر لیا ہے تو وہ کچھ بھی کر سکتی ہے، بہتر یہی ہے کہ ہم دنیا کو یہی تاثر دیں کہ ہم نے خود نوشینہ کا رشتہ طے کیا ہے۔'' منزہ نے نرمی بھری رسانیت سے اسے سمجھایا، وہ وسیم کو یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ اس سے بڑھ کر نوشینہ کا کوئی خیر خواہ نہیں ہے، وہ تحمل سے اگلی چال چل رہی تھی، تاکہ اسے وسیم کی تمام تر ہمدردیاں حاصل رہیں۔

''میرا بس چلے تو اسے جان سے مار دوں۔'' وسیم نے اشتعال بھرے بے بس لہجے میں شدید غصے و نفرت کا اظہار کیا، اس کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے لپک رہے تھے، وہ مصلحتاً خاموش تھا ورنہ وہ ہر حد سے گزرنے کو تیار تھا، وسیم کی غصے سے مٹھیاں بھینچ گئیں۔

''ارے اس نے کام ہی ایسا کیا ہے، اس نے ہمارے منہ پر کالک ملی ہے۔'' وسیم کی آنکھوں سے لپکتے نفرت کے شرارے منزہ کے لئے باعث تسکین تھے، اس نے دانستہ وسیم کے دل میں بھڑکتے نفرت کے شعلوں کو ہوا دی، منزہ کا لہجہ حقارت بھرا تھا۔

''وسیم ہمیں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا ہے، فی الحال ہمیں دنیا کی جگ ہنسائی سے

بچنا ہے، آپ اسے رخصتی کے وقت کہہ دیجئے گا کہ وہ آپ کے لئے مرگئی آئندہ وہ اس گھر کا رخ نہ کرے۔'' وہ شوہر کی تمام تر ہمدردیاں خود سمیٹنا چاہتی تھی اس نے کمال ہوشیاری سے خود کو بچاتے ہوئے نوشینہ سے جان چھڑانے کے لئے وسیم کو بھڑکایا۔

''میں نعیم بھائی اور ندیم بھائی سے بات کرتا ہوں۔'' وسیم نے پرسوچ انداز میں ٹھوڑی مسلی، منزہ کی آنکھوں میں طمانیت اور فتح کا سرور نشہ بن کر پھیل گیا۔

☆☆☆

''بھیا ہمیں جگ ہنسائی سے بچنا ہوگا، بہتر ہے وہ اپنے والدین کے ہمراہ آ کر شادی کی ڈیٹ فکس کر جائیں، ہم اگلے ہفتے ہی نوشینہ کی رخصتی کر دیتے ہیں۔'' شام ہوتے ہی سدرہ آپی، نعیم بھیا اور رمزہ بھابھی آ گئی تھیں، تھوڑی دیر بعد ندیم اور وسیم بھی ان میں شامل ہو گئے، ہال کمرے میں بھائیوں، بھابھیوں اور آپی کی میٹنگ جاری تھی نوشینہ کو بے چینی ہو رہی تھی، وہ جلے پیر کی بلی کی طرح بیقراری سے کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی، اس نے دوپہر کو منزہ بھابھی سے اپنے سوال کا جواب مانگا تو انہوں نے مسکرا کر اسے شام کا انتظار کرنے کا کہہ کر ٹال دیا تھا، یہ میٹنگ وسیم نے ہی بلوائی تھی، وسیم نے بڑے بھائی کو مشورہ دیا۔

''تم کیسی پاگلوں جیسی باتیں کر رہے ہو، ان لوگوں نے ہمیں نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے۔'' نعیم بھیا ہوش کے بجائے جوش سے کام لے رہے تھے، انہیں ہاشم عمر پر سخت تاؤ تھا جس نے ان کے انکار کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیا تھا

''بھیا آپ کا غصہ بے جا ہے سارا قصور تو آپ کی اپنی بہن کا ہے اگر اس کی پسند شامل نہ ہوتی تو وہ کیسے خفیہ نکاح پڑھوا لیتے۔'' منزہ کو نعیم بھائی کی منطق پر شدید غصہ آ گیا وہ غصے کو دباتی نرمی سے گویا ہوئی، وہ اس مسئلے کو جلد از جلد سلجھانا چاہتی تھی نوشینہ اس کی جان کو آئی ہوئی تھی، وہ وسیم سے بات کرنے کا پختہ ارادہ کیے بیٹھے تھی، منزہ ہر صورت نوشینہ کی رخصتی چاہتی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ اس میں نوشینہ کی پسند شامل ہے۔'' فاخرہ نے اسے کڑی نظروں سے گھورتے اس کی بات پکڑ لی۔

''یہ بات تو کسی عقل کے اندھے کو ہی نہیں سمجھ آ سکتی ورنہ اگر ذرا سا بھی غور کیا جائے تو صاف ظاہر لگتا ہے کہ نوشینہ کی مرضی شامل ہے، وہ دونوں کلاس فیلوز بھی تو ہیں۔'' فاخرہ کے ڈائریکٹ سوال اور گھورتی نظروں نے منزہ کو لمحہ بھر کے لئے گڑبڑانے پر مجبور کر دیا، دوسری طرف بھی منزہ تھی اس نے فوراً خود پر قابو پا کر چہرہ نارمل بنا کر اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

''منزہ صحیح کہہ رہی ہے یہ تو کامن سینس کی بات ہے نکاح کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے اگر نوشینہ کی مرضی نہ ہوتی تو یہ ناممکن تھا۔'' ندیم بھی بہن سے سخت خفا تھا اس نے فاخرہ کو درشتی سے ڈانٹ دیا، وہ بیچاری خفیف ہوگئی، منزہ نے سکون بھرا سانس لیا وہ ایک بار پھر صاف بچ گئی تھی، وہ تو رب کی شکر گزار تھی کہ گھر میں کسی کا بھی دھیان فون کرنے والی کی طرف نہ گیا تھا، کوئی بھی اس جرح میں نہ پڑا تھا کہ فون کس نے اور کیوں کیا تھا، خبر صحیح تھی سب کے لئے یہی کافی تھا، اگر فاخرہ جرح پر اتر آتی تو اس کا بچنا محال تھا، اس نے تو زارا اور آذر کی شادی اٹینڈ کر کے گھر آ کر اس سے طرح طرح کے سوالات کر کے اسے زچ کر دیا وہ بمشکل اسے مطمئن کر پائی تھی، وہ فاخرہ سے خاصا محتاط ہوگئی تھی۔

''بھیا بہتر یہی ہے کہ ہم خود مل کر نوشینہ کی شادی کر دیں۔'' وسیم نے دوبارہ اپنی بات پر زور دیا، نعیم اب کوئی اعتراض نہ کر سکے، ان کی سمجھ میں بات آ گئی تھی منزہ کی بات میں بے حد وزن تھا، نوشینہ شہروز کو پسند کرتی تھی وہ خفیہ نکاح کر سکتی تھی تو گھر سے بھی بھاگ سکتی تھی، اس طرح ان کی بے حد بے عزتی اور جگ ہنسائی ہوتی، ان کے خاندان کی عزت خاک میں مل جاتی۔

''بلاؤ نوشینہ کو۔'' چند لمحوں بعد نعیم بھائی حتمی فیصلے پر پہنچ چکے تھے، رمزہ جا کر اسے بلا لائی، کمرے میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا، وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے سب کے درمیان خالی چیئر پر ٹک گئی، سب کی چبھتی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔

''نوشینہ تم شہروز کو کہو وہ کل اپنے والدین کے ہمراہ آ کر اگلے ہفتے کی شادی کی ڈیٹ فکس کر لیں۔'' نعیم بھائی نے مختصر الفاظ میں اسے اپنا فیصلہ سنا کر جانے کا اشارہ دیا، وہ خاموشی سے اٹھ کر آ گئی، فیصلہ اس کا من چاہا تھا مگر وہ قطعاً خوش نہ تھی، اسے اپنے مستقبل سے خوف آنے لگا تھا وہ رخصتی بھائیوں کو منا کر کروانا چاہتی تھی، نعیم بھائی کے بے لچک لہجے نے اس کی قوت گویائی سلب کر دی تھی اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

اگلے روز اس کی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی، وہ تین روز سے کالج سے غائب تھی شہروز نے اس کے گھر فون بھی کیا مگر اس سے بات نہ ہو پائی تھی، نوشینہ نے خود اسے فون کر کے ساری صورتحال بتائی تھی، وہ بھی پریشان ہو گیا تھا، اس نے اپنے ڈیڈی سے مشورہ کیا تو انہوں نے فی الحال رخصتی کروانے کا عندیہ دیا، ان کے خیال میں بعد میں صلح ہو سکتی تھی، وہ فی الحال صلح پر زور دے کر ان کے غصے کو ہوا نہ دینا چاہتے تھے اس طرح معاملہ مزید بگڑ سکتا تھا۔

''مبارک ہو نوشینہ!'' منزہ نند کے سامنے بھی سرخرو ٹھہری تھی، اس نے نوشینہ کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تھا اور اس کا بھرپور ساتھ دے کر اس کی خوشیوں کی راہ ہموار کی تھی مہمان رخصت ہوتے ہی منزہ نے اسے مبارکباد دی، وہ جواباً اک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔

''تم خوش تو ہو نا نوشینہ۔'' منزہ نے خود پر ہمدردی کا ملمع چڑھا لیا۔

''بھابھی سب مجھ سے خفا ہیں۔'' وہ دکھ سے رو پڑی، اسے انجانے خدشات ہولا رہے تھے۔

''ارے نہیں بس وقتی غصہ ہے بھلا ناخن بھی گوشت سے جدا ہو سکتا ہے۔'' منزہ نے اسے خود سے لپٹا کر محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا، نوشینہ کے دل بے قرار کو کسی پل قرار نہ تھا، تینوں بھائیوں نے رسم دنیا نبھانے کے لئے بے رخی سے اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا تھا۔

''بھابھی آپ آگے بھی میرا ساتھ دیں گی نا، آپ بھائی کو منا لیں گی نا۔'' نوشینہ نے بہتے آنسوؤں سے اس کا ہاتھ تھام لیا، اسے صرف اسی سے امید تھی اس نے اس کے لئے اتنا کچھ کیا تھا وہی بھائی کو منا سکتی تھی نوشینہ کا لہجہ آس بھرا تھا۔

''مجھے کسی پاگل کتے نے کاٹا ہے۔'' منزہ نے نخوت بھری نفرت سے پر سوچ ہنکارا ابھرا۔

''بالکل میری جان، کیوں نہیں۔'' منزہ کے لہجے میں بناوٹ نمایاں تھی، نوشینہ اسے مددگار سمجھ رہی تھی، وہ بے خبر تھی کہ منزہ نے انتہائی مجبوری میں یہ قدم اٹھایا ہے ورنہ وہ خود بھی بری طرح پھنس جاتی، بہرحال وہ نوشینہ کی نظر میں اس کی

www.urdusoftbooks.com

محسنہ تھی، نوشینہ کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ بکھر گئی، برے دن جلد ڈھل جائیں گے، اس کے بھائی اس سے خفا رہ ہی نہیں سکتے ہیں، نوشینہ خود میں مگن پر یقین تھی۔

''نوشینہ تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔''

ہاشم عمر فیملی سمیت جا چکے تھے، طے پایا تھا کہ نوشینہ اور شہروز کا نکاح رخصتی والے دن دوبارہ ہوگا ہاشم عمر نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا، انہیں صرف بیٹے کی خوشیاں عزیز تھیں، انہوں نے نوشینہ کی فیملی کی تمام شرائط بلاحیل و حجت مان لی تھیں، سدرہ آپی اپنے سسرالیوں سمیت آئی تھیں، انہوں نے شوہر سے بھی نوشینہ کے خفیہ نکاح کی خبر چھپالی تھی، وہ سسرال میں اپنی بے عزتی نہیں کروانا چاہتی تھیں، وہ بطور خاص جانے سے پہلے نوشینہ سے ملنے آئی تھیں، وہ ان کی لاڈلی، اکلوتی و چہیتی بہن تھی، وہ سسرال اور گھر بار کی مصروفیات میں محو اسے زیادہ ٹائم نہ دے پاتی تھی مگر وہ اسے بے حد عزیز تھی، اسے بے حد قلق تھا کہ نوشینہ نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ تن تنہا کرلیا تھا اور اسے بتانا تک گوارا نہ کیا تھا۔

''آپی! میں امی کی ڈیتھ کے بعد بالکل اکیلی رہ گئی تھی اگر ایسے میں مجھے......'' نوشینہ آپی کے محبت بھرے گلہ پر بے حد نادم تھی وہ اسے منزہ کے متعلق بتانے ہی لگی تھی کہ منزہ نے عین موقع پر چھاپہ مار دیا، وہ حسب عادت دونوں بہنوں کی جاسوسی کر رہی تھی، اس نے کبھی دونوں کو تنہا اکٹھا بیٹھ کر دکھ درد بانٹنے ہی نہ دیا تھا۔

''آپی آپ کو آنٹی بلا رہی ہیں۔'' سدرہ کی ساس جانے کو تیار تھیں حالانکہ انہوں نے سدرہ کو نہ بلایا تھا۔

''تم چلو میں آتی ہوں۔'' سدرہ کو اس کی مداخلت سخت ناگوار گزری، اس نے غصے سے دانت پیسے، وہ بہن سے تنہائی میں کچھ دیر بات کرنے کی خواہاں تھی، وہ ہمیشہ یونہی غیر محسوس انداز میں دونوں بہنوں کے درمیان آ بیٹھتی تھی آج سدرہ کو پہلی بار اس کی آمد ''جاسوسی'' لگی تھی، سدرہ نے قطعیت سے جواب دیا۔

''اوکے آپ جلدی آ جائیں۔'' منزہ کو ناچار اس کے دوٹوک انداز پر جانا پڑا، اسے کسی پل قرار نہ تھا، اسے اپنا بعید کھل جانے کا خوف ناگ کی مانند لمحہ لمحہ ڈس رہا تھا۔

''آپی وہ میرا کلاس فیلو ہے مجھے پسند کرتا تھا مگر اس نے پانچ سالوں میں کبھی مجھ سے اظہار محبت تک نہ کیا تھا تاکہ میں ڈسٹرب ہو کر پڑھائی سے غافل نہ ہو جاؤں، اس نے سیدھے سبھاؤ سے ڈائریکٹ اپنا رشتہ بھجوایا پھر آپ سب کچھ جانتی ہیں، رہی بات میرے نکاح کی تو میں نے یہ فیصلہ تنہا......'' دونوں بہنوں کو عرصے بعد تنہائی میں اپنا دکھ درد بانٹنے کا موقع ملا تھا، وہ اس کی ماں جائی تھی اس سے بڑھ کر کون بھلا اس کا خیر خواہ ہوسکتا تھا، نوشینہ اسے تفصیلاً سب کچھ بتا رہی تھی کہ آہٹ پر دونوں چونک کر خاموش ہو گئیں۔

''مما! دادو آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔'' ذیشان نے آتے ہی ماں کا دوپٹہ پکڑ کر جانے پر اصرار کیا، اسے منزہ نے بہانے سے بھجوایا تھا، وہ اپنے چھ سال کی محنت بیکار نہ کرنا چاہتی تھی کچھ روز کی بات تھی پھر نوشینہ سے کوئی بھی ملنے کا روادار نہ ہوتا۔

''نوشینہ میں تم سے فون پر بات کروں گی اب چلتی ہوں۔'' نوشینہ نے دوبار بہن کو اپنے بھید میں شریک کرنا چاہا تھا اور دونوں بار ناکام رہی تھی، سدرہ بعجلت اٹھ کر چلی گئی، نوشینہ نے مسکرا کر سر ہولے سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''اب مجھے مزید چوکس رہنا ہوگا۔'' منزہ کے چہرے پر سوچوں کا گہرا جال تھا دروازے سے چپکی منزہ آہٹ پر تیزی سے اوٹ میں ہوگئی، اس کی پر تفکر و پرسوچ نگاہیں دور جاتی سدرہ آپی پر جمی تھیں۔

☆☆☆

''مجھے یقین نہیں آ رہا نوشینہ یہ حقیقت ہے۔'' نوشینہ بھائیوں کی پر شفقت دعاؤں کے بغیر ان کی حد درجہ سرد مہری میں رخصت ہو کر پیا دیس آ گئی، بھائیوں نے وقت رخصتی جھوٹے منہ بھی اسے کوئی دعا نہ دی تھی، نوشینہ کو اس کے سجے سجائے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا، شہروز کی آمد بھی جلدی ہوگئی، شہروز نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیا، بھائیوں کی ناراضگی نوشینہ کو اداس کیے ہوئے تھی منزہ بھابھی نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ جلد حالات سازگار کر لے گی، اس کے دل کو کسی پل قرار نہ تھا، وہم و اندیشے اس کا دل ہولا رہے تھے، وہ اپنی جگہ پر ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''نوشینہ!'' شہروز نے نرمی سے اس کا چہرہ اوپر کیا، اس کے حسن سوگوار نے شہروز کا دل موہ لیا تھا، وہ وارفتگی سے اسے دیکھنے لگا تھا، نوشینہ کے وجود میں ہلچل ہوئی، نوشینہ کو اس کی والہانہ نظروں کے ارتکاز نے کسمسا کر پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''مجھے بہت خوف آ رہا ہے شہروز۔'' نوشینہ خوبصورت ہرنی کی طرح سہمی ہوئی شہروز کے دل کو مزید بے قرار کر گئی، نعیم بھیا نے سرپرست کے خانے میں دستخط ضرور کیے تھے لیکن اسے ایک سرپرست کی سی شفقت تلے اسے رخصت نہ کیا تھا، اسے خدشات بے جا نہ تھے اس کی چھٹی حس اسے مسلسل پریشان کر رہی تھی۔

''نوشینہ میں تمہارے ساتھ ہوں میں خود منزہ بھابھی سے بات کروں گا تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔'' شہروز بلاشبہ بہترین ہمدم تھا، اس نے نوشینہ کو اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا، نوشینہ کو یک گونہ سکون ملا، اس کے چہرے سے تفکر کے بادل دھیرے دھیرے چھٹنے لگے تھے۔

''ریلیکس ہو جاؤ یار۔'' شہروز نے محبت سے اس کی کمر تھپتھپا کر اپنی محبت بھری نرم آغوش میں سمو لیا، نوشینہ کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ بکھر گئی، اس نے مطمئن ہو کر سر شہروز کے سینے سے ٹکا لیا کہ اب یہی اس کی جنت تھی۔

☆☆☆

''بھابھی آخر آپ کب بھائی سے بات کریں گی۔'' نوشینہ ولیمے سے اگلے روز ہی شہروز کے ساتھ ہنی مون ٹرپ پر مری چلی گئی تھی، اس کے میکے والے مہمانوں کی طرح ولیمے میں شریک ہوئے تھے، نوشینہ ہنی مون سے واپس آتے ہی میکے صبح سویرے پہنچ گئی تھی، ندیم بھیا اور وسیم آفس جا چکے تھے فاخرہ اور منزہ نے اس کا پرتپاک استقبال کیا تھا اور اسے میکے کا بھرپور مان دیا تھا، وہ فاخرہ کے پاس کچھ دیر بیٹھ کر نیچے چلی آئی تھی، منزہ اسے مسلسل ٹرخائے جا رہی تھی، جبکہ وہ منزہ سے حتمی بات کرنے آئی تھی، منزہ کے انکار یا عدم تعاون پر شہروز نے اسے وسیم سے خود بات کرنے کا یقین دلایا تھا، نوشینہ اس کے لاروں پر جھنجلا کر قدرے خفگی سے چیخی، وقت گزرتا جا رہا تھا اور منزہ کچھ بھی نہ کر رہی تھی۔

''نوشینہ تم حالات کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو اور ذرا صبر سے کام لو۔'' منزہ الٹا غصے سے اس پر بگڑی تھی، نوشینہ جلد بازی سے کام لے رہی تھی، وہ اسے ٹرخانے کے موڈ میں تھی۔

''بھابھی میں اور کتنا صبر کروں مجھ سے

بھائیوں کی خفگی نہیں سہی جاتی ہے۔'' نوشینہ روٹھی ہوئی، وہ بھی بھائیوں سے اتنے دن دور نہ رہی تھی، اس کے آنے سے پہلے دونوں بھائی آفس جا چکے تھے، اس کا ارادہ واپسی پر ان سے مل کر جانے کا تھا۔

''نوشینہ تمہیں بھائیوں کی خفگی کی اتنی پرواہ تھی تو تم نے کورٹ میرج کیوں کی۔'' منزہ نے نخوت سے اسے طعنہ دے مارا، وہ اس کی کسی مدد کرنے کے لئے نہ پہلے تیار تھی اور نہ ہی اس کا آئندہ کوئی ارادہ تھا، اس نے تو نوشینہ کا پرتپاک استقبال بھی فاخرہ کی وجہ سے مارے مروت کے کیا تھا، فاخرہ کا رویہ نوشینہ کی شادی کے بعد اس سے بہت بدل گیا تھا، وہ نہ جانے کیوں منزہ سے کھنچی کھنچی رہنے لگی تھی حالانکہ منزہ کا رویہ پہلے جیسا تھا وہ فاخرہ کے رویئے کے بدلاؤ کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئی تھی اور فاخرہ سے ضرورتاً بات کرتی تھی۔

''کیا؟ بھابھی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' نوشینہ اس کے طعنہ دینے پر تحیر سے آنکھیں پھاڑے، منہ کھولے اسے گھورنے لگی، اس نے یہ انتہائی قدم منزہ کی شہہ پر ہی تو اٹھایا تھا اور وہ اسے کتنی آسانی سے طعنہ دے گئی تھی، وہ کئی پل صدمے سے گنگ رہ گئی۔

''تم اتنی معصوم تو ہو نہیں کہ میں جو کہوں تم مان لو گی، تمہارا اپنا بھی یہی ارادہ ہے اب تم میرے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانا بند کرو۔'' منزہ نے بے مروتی و روکھائی کی انتہا کر دی، اس نے نوشینہ کے خلاف وسیم کے اتنے کان بھر دیئے تھے، کہ وہ نوشینہ کی کوئی بات سننے پر بھی تیار نہ ہوتا، وسیم کانوں کا کچا نہ تھا، مگر نوشینہ کے کورٹ میرج کرنے پر وہ منزہ کا دم بھرنے لگا تھا، اسے بہن کی صورت سے بھی نفرت ہو گئی تھی، نوشینہ صدمے سے گنگ ساکت رہ گئی۔

☆☆☆

''السلام علیکم وسیم بھائی۔'' نوشینہ بچوں کے کمرے میں اسی کا انتظار کر رہی تھی شام ڈھلنے لگی تھی، شہروز اسے لینے آنے والا تھا، وسیم گھر آ کر چینج کر کے بچوں سے ملنے ان کے کمرے میں آیا تو نوشینہ مودب کھڑی ہو گئی۔

''تم...... تم یہاں کیسے؟'' وسیم سلام کا جواب دینے کی بجائے الٹا غصے سے اس پر بری طرح بگڑا تھا، وسیم کا خون اسے دیکھتے ہی اشتعال سے ابل پڑا۔

''بھیا وہ......'' نوشینہ اس کی کڑی نظروں کے حصار میں تھی اس کی جھجک سے زبان ہکلانے لگی، اسے منزہ کے عزائم نظر آ گئے تھے، وہ آج خود وسیم کو حقیقت بتا دینا چاہتی تھی، وہ چاہ کر بھی آپی سے بھی فون پر بات نہ کر پائی تھی، وہ تنہا اپنے ناکردہ گناہ کا بوجھ جھیلتے جھیلتے تھکنے لگی تھی، وہ فاخرہ اور رمزہ سے خود بات نہ کرنا چاہتی تھی، رمزہ سے اس کی فرینکنس نہ تھی اور فاخرہ کے ذریعے بات پورے خاندان میں پھیلنے کا خدشہ تھا، وہ ندیم بھائی کے ڈر سے زبان بند کیے ہوئے تھی، اگر وہ اسے شریک راز کرتی تو وہ بھی بدظن ہو جاتی۔

حالانکہ یہ اس کی محض خام خیالی تھی، گھر میں اس کی سب سے زیادہ خیر خواہ فاخرہ ہی تھی، فاخرہ کا رویہ اس سے اب بھی پہلے جیسا تھا، اس نے کم از کم منزہ کی طرح پیٹھ میں چھرا نہ گھونپا تھا، منزہ نے تو اپنا مقصد پورا ہوتے ہی اسے ڈھکے چھپے انداز میں صاف ہری جھنڈی دکھا دی تھی، وہ نادانی میں کھرے کھوٹے کی پہچان نہ کر پائی تھی۔

''منزہ...... منزہ۔'' وہ اس کی بات سننے کی بجائے باآواز بلند بیوی کو پکارنے لگا۔

''جی...... جی۔'' وہ اگلے لمحے بوتل کے جن کی طرح حاضر تھی۔

''یہ میرے گھر کیوں آئی ہے۔'' وہ بہن کو نفرت بھری تحقیر سے گھورتا بیوی سے مخاطب تھا۔

''بھیا آپ صرف ایک بار میری بات سن لیں پلیز۔'' نوشینہ نے لجاجت سے اس کے ہاتھ تھام لئے، وہ ہر صورت اسے حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتی تھی، اس کی نفرت نے نوشینہ کو بے دم کر دیا تھا، حالات اس کی توقع سے بڑھ کر بگڑ گئے تھے۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننا نوشینہ، کاش تم بھی امی کے ساتھ مرگئی ہوتی تو آج ہم یوں دنیا سے نظریں نہ چرا رہے ہوتے۔'' وسیم کے شعلہ بار لہجے میں درد سمٹ آیا، اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا، دنیا بال کی کھال اتارتی ہے لوگ نوشینہ کی ایمرجنسی میں کی شادی پر طرح طرح کے سوال کر رہے تھے، دنیا کی انگلیاں ان کی عزت پر اٹھ رہی تھیں، وہ لوگوں سے منہ چھپانے پر مجبور ہو گئے تھے، بات چھپ کر بھی نہ چھپی تھی لوگ بات کو من چاہا رنگ دے کر ان کی عزت اچھال رہے تھے اور یہ سب نوشینہ کی وجہ سے ہوا تھا، وہ اس سے نفرت نہ کرتے تو کیا کرتے۔

''نوشینہ کاش کہ تم نے صرف ایک بار مجھ پر اعتماد کیا ہوتا۔'' وسیم نے درز دیدہ نظر نوشینہ پر ڈالتے ہوئے دکھ سے سوچا تھا۔

''بھیا!'' اس کے لب بے آواز پھڑ پھڑائے، تینوں بھائی اس کی صورت تک دیکھنے کے روادار نہ تھے اسے وسیم سے امید تھی کہ وہ جلد مان جائے گا اور دوسرے بھائیوں کو بھی منا لے گا، مگر وہ تو اس کی بات تک سننے کا روادار نہ تھا، وہ تو آئی ہی اسی سے بات کرنے تھی وہ تہیہ کر چکی تھی کہ ہر صورت وسیم کو حقیقت سے آگاہ کرنا تھا، وہ صدمے سے ساکت رہ گئی۔

''یہ مجھے آئندہ کبھی اپنے گھر نظر نہ آئے منزہ، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' وسیم کے لہجے میں کیا کچھ نہ تھا، نفرت، حقارت اور توہین، وہ غصے سے پیر پٹختا وہاں سے چلا گیا، نوشینہ کا دکھ انتہا کو پہنچ گیا، اس کا ماں جایا اس سے ہر رشتہ توڑ کر چلا گیا تھا، اس کے حلق میں گھٹی گھٹی سسکیاں پھنس کر رہ گئیں۔

''سن لیا تم نے، تم آئندہ یہاں کبھی مت آنا۔'' منزہ کا کھیل بخیر و خوبی انجام کو پہنچ گیا تھا، اس نے مکمل فتح پالی تھی، اس نے فتح کے نشے میں چور ساکت بیٹھی نوشینہ کو جتلایا اور شوہر کے پیچھے لپکی، وہ کھل کر سامنے آچکی تھی، اس کا کھیل ختم ہو گیا تھا، وہ ہر فکر سے آزار ہو چکی تھی، نوشینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اسی پل وہ کسی سے بھی ملے بغیر شہروز کی گاڑی کا ہارن سن کر باہر آگئی شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اس میں مزید کسی کی نفرت سہنے کا یارا نہ تھا۔

☆☆☆

''میں وسیم سے بات کروں گا نوشینہ، انہیں میری بات سننا ہی ہوگی۔'' نوشینہ بے حد اداس رہنے لگی تھی، اس روز اسے شہروز کے بے حد اصرار پر اسے بتانا ہی پڑا، پہلے تو وہ نوشینہ پر بات چھپانے پر بگڑا پھر اس کی ملول صورت دیکھ کر نرم پڑ گیا۔

اس نے محبت سے نوشینہ کو پر یقین دلاسا دیا، وہ منزہ کی طرح اسے بہلا رہا تھا، وہ خود وسیم سے ملنے کا تہیہ کر چکا تھا، اس روز اسے نوشینہ کو پک کرنے کی عجلت تھی اسے واپسی پر ضروری کام تھا اور پھر نوشینہ نے بھی بھائیوں کے گھر نہ ہونے کا بہانہ بنا دیا تھا۔

''نہیں شہروز، وسیم بھائی نے میری بات نہیں سنی تو وہ تمہاری کہاں سنیں گے۔'' نوشینہ نے اسے قطعیت بھری سختی سے روک دیا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ شہروز کی کوئی انسلٹ کرے اسے شہروز کی عزت بے حد عزیز تھی۔

''نوشینہ یوں حالات خراب ہو گئے ہیں، منزہ بھابھی نے بھی تمہیں صاف انکار کر دیا ہے تم تنہا کیسے حالات سدھارو گی۔'' شہروز اس کی بات ماننے پر راضی نہ تھا، نوشینہ روز بروز تنہا ہوتی جا رہی تھی اور اپنوں کی جدائی میں گھلنے لگی تھی، اس کے چہرے پر پھیلے ملال سے اس کے چہرے کی ساری شادابی نچڑ گئی تھی۔

''وہ آپ کی بے عزتی بھی کر سکتے ہیں شہروز، جو مجھے ہرگز گوارا نہیں ہے۔'' نوشینہ کے لہجے میں قطعیت ہی قطعیت تھی، شہروز چپ رہ گیا۔

''تم اپنے اور میرے ساتھ بہت برا کر رہی ہو نوشینہ، وہ زیادہ سے زیادہ مجھے ڈانٹیں گے یا الزام دے لیں گے، اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا۔'' شہروز قطعاً قائل نہ ہوا تھا، اسے نوشینہ کی فکر تھی، اپنوں سے جدائی اس کی جان کا ناسور بنتی جا رہی تھی۔

''پلیز شہروز، پلیز۔'' نوشینہ ملتجی ہو کر رندھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی، اس کی التجا بھری نظروں نے اسے چاروں شانے چت کر دیا، وہ اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گیا نوشینہ کو اس کی عزت اپنوں سے جدائی سے بڑھ کر عزیز تھی اس نے نرمی سے سر اثبات میں ہلا کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنے تعاون کا یقین دلایا، نوشینہ کے چہرے پر مطمئن ہنسی بکھر گئی۔

☆☆☆

''آپی آپ کی وجہ سے میں اس بڑھیا کی نوکرانی بن کر رہ گئی ہوں۔'' سارہ نے عبداللہ کو سلانے میں ناکام ہو کر اسے ایک زوردار دھموکا جڑتے ہوئے ریسیور کندھے اور کان کے درمیان دبایا اور بھاں بھاں کر کے روتے عبداللہ کو زبردستی تھپک تھپک کر سلانے لگی، مسز نیازی کی بیماری خاصا طول پکڑ چکی تھی، جواد نے اس کا الگ گھر کا مطالبہ سختی سے مسترد کر دیا تھا اسے سارا دن ملازمہ کے سر پر کھڑے ہو کر مسز نیازی کی نگرانی اور گھر کی دیکھ بھال کرنا پڑتی تھی، جواد ماں کو گندے حلیے میں دیکھ لیتا تو سارا کی شامت اعمال لازمی ہوتی وہ روز روز کی چخ چخ سے سخت تنگ آ گئی تھی، اسے اپنی خوش قسمتی پر رشک بھی نہ رہا تھا۔

اس کی عیش پرستی اور آرام پرستی قصہ پارینہ بن چکی تھی، اس نے حسب عادت منزہ سے شکوہ کیا، اسے منزہ سے یہی گلہ رہنے لگا تھا اس کی وجہ سے ہی اس کی زندگی میں یہ عذاب آیا تھا۔

''تم سدا ناشکری رہنا سارا، ہم چاروں بہنوں میں تمہیں سب سے زیادہ آرام دہ زندگی میسر ہے تمہیں آخر ملازمہ کے سر پر ہی تو کھڑا ہونا ہوتا ہے۔'' منزہ کو اس کے گلہ کرنے پر بری طرح تپ چڑھ گئی اس نے سارا کا باقی بہنوں سے موازنہ کرتے ہوئے اسے حقیقت کا آئینہ دکھایا وہ صرف ملازمہ سے اپنی نگرانی میں سارا کام کرواتی تھی اور عاجز آ چکی تھی، سارا خفیف پڑ گئی۔

''آپی مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب۔'' عبداللہ سو گیا تھا اس نے ریسیور پکڑتے ہوئے بیڈ کی بیک سے کمر ٹکائی، اس نے میکے اور سسرال میں عیش کیا تھا اسے ہل کر پانی پینے کی عادت بھی نہ تھی، اسی لئے اسے اتنا معمولی کام بھی بارگراں گزر رہا تھا، وہ جھنجلا گئی۔

''سارا تمہیں یہ سب تو اب کرنا پڑے گا

ورنہ جواد کا موڈ بگڑا ہی رہے گا۔'' منزہ نے اسے بچکانہ انداز میں پچکارتے ہوئے شوہر کو مٹھی میں رکھنے کا گر بتایا۔

''آپ نے تو نوشینہ سے جان چھڑوالی ہے نا۔'' سارا کو مسز نیازی کی طویل بیماری نے سخت چڑچڑا کر دیا تھا اس نے چڑ کر منزہ کو طعنہ دے مارا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' منزہ حق دق رہ گئی، وہ سارا سے ہر بات شیئر کرنے کی عادی تھی اسے بالکل امید نہ تھی کہ اس کی ماں جائی اسے یوں طعنہ دے گی، وہ غصے سے چیخ گئی۔

''بس میرا منہ نہ کھلوائیں اب، آپ بھی سب کچھ جانتی ہیں اور میں بھی مجھے مطلب سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سارا نے بدلحاظی کی انتہا کرتے ہوئے منزہ کو کھری کھری سنا ڈالیں۔

''تمہارے ساتھ جو ہو رہا ہے نا، تم اسی قابل ہو۔'' منزہ کو طعنہ سر تا پا سلگا گیا، وہ غصے سے کھول کر اس پر بگڑ اٹھی۔

''آپ بھی اب وسیم بھائی کے کان بھرنا بند کر دیں، اب تو بیچاری نوشینہ کو بخش دیں۔'' سارا بھی اسی کی بہن تھی وہ بھلا کیسے طعنہ برداشت کرتی، اس نے سلگتے لہجے میں منزہ کے بڑے پن کا لحاظ کیے بغیر اسے بری طرح لتاڑ کر غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا، منزہ نے غصے سے ساکن ریسیور کو گھورا، اسے سارہ کی بدلحاظی پر رہ رہ کر غصہ آرہا تھا، وہ گویا جلتے توے پر بیٹھی تھی۔

☆☆☆

''میرا دماغ ماؤف ہوا جا رہا ہے نوشینہ، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی ہے۔'' نوشینہ نے بھائیوں کی غیر موجودگی میکے کا دوبارہ چکر لگایا تھا، منزہ نے تو آنکھیں ہی پھیر لی تھیں، وہ تو فون پر بھی بات سننے کی روادار نہ تھی، آخر کار نوشینہ کو مسئلے کا حل یہی سوجھا کہ سدرہ آپی کو حقیقت بتا دی جائے، وہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں، وہ اس مسئلے کو بخوبی ہینڈل کر سکتی تھیں، سدرہ آپی کا دماغ حقیقتاً ماؤف ہو گیا تھا حقیقت ان کے گمان سے برعکس تھی۔

''آپی یہی حقیقت ہے، میں وسیم بھائی کو اعتماد میں لینا چاہتی تھی مگر بھابھی نے مجھے کورٹ میرج کی راہ دیکھائی کہ وہ بعد میں سب ٹھیک کر لیں گی۔'' نوشینہ نے گلوگیر لہجے میں آپی کو یقین دلایا، اس کے لہجے سے پریشانی مترشح تھی۔

''تم بالکل فکر نہ کرو نوشینہ میں تمہارے ساتھ ہوں میں کچھ کرتی ہوں۔'' آپی سے اس کے آنسو برداشت نہ ہوئے، وہ تڑپ اٹھیں، وہ ان کی ماں جائی تھی انہیں نوشینہ کی سادگی و معصومیت پر پورا بھروسہ تھا، وہ منزہ کی اس سے بلاوجہ کی پرخاش سے بھی آگاہ تھیں، وہ اکثر میکے جاتی تو امی منزہ کی نوشینہ سے پرخاش کا ذکر کرتی تھیں وہ منزہ کی وجہ سے بہت پریشان رہتی تھیں، انہیں شک تھا کہ منزہ دونوں بہنوں کو جان بوجھ کر تنہا نہیں چھوڑتی۔

''تھینک یو سو مچ آپی۔'' نوشینہ ممنونیت سے رو پڑی اسے اطمینان و یقین تھا، کہ آپی سب سنبھال لیں گی، وہ تو بھائیوں کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔

''نوشینہ تم اب بالکل نہ رونا، انشاء اللہ سب کچھ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔'' آپی کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا، سدرہ کو منزہ پر بیک وقت غصہ و دکھ آرہا تھا، نہ جانے اس نے معصوم سی بے ضرر نوشینہ سے کیوں اتنا بیر باندھ لیا تھا۔

''آپی آپ جلد بھائیوں سے بات کریں۔'' نوشینہ کبھی بھی بہن بھائیوں سے اتنے

روز الگ نہ رہی تھی وہ سب کے چہرے دیکھنے کو ترس گئی تھی، اس نے بے قراری سے بہن سے التجا کی۔

''میں آج ہی جاتی ہوں۔'' آپی نے اسے محبت سے پچکارا کر تسلی دیتے ہوئے فون بند کر دیا، نوشینہ نے اطمینان وسکون سے آنکھیں موند لیں، وہ تصور میں خود کو سب کے درمیان دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

''آپی آپ بس کریں، اس نے یہ سب کہا اور آپ نے یقین بھی کر لیا۔'' سدرہ نے شام کو ہی تینوں بھائیوں کو اکٹھا کر لیا، سب وسیم کے پورشن میں ڈرائنگ روم میں جمع تھے، سب کی آنکھوں میں حیرت، دکھ اور بے یقینی تھی، منزہ اپنا راز فاش ہونے پر ہکا بکا لاجواب رہ گئی، اس کی رنگت پل بھر کو پھیکی پڑ گئی، اسے سچویشن ہینڈل کرنے میں چند پل لگے تھے، اس کی اڑی رنگت اور فق صورت نے فاخرہ کو فوراً سمجھا دیا تھا کہ سارا کھیل اسی کا رچایا ہوا تھا، اس نے نوشینہ سے بھی کھل کر بات کرنا چاہی تھی نوشینہ نے اسے کچھ نہ بتایا تھا وہ خوبصورتی سے بات ٹال گئی تھی شاید وہ منزہ سے بگاڑنا نہ چاہتی تھی اسے امید تھی کہ وہی بعد میں حالات ٹھیک کر لے گی منزہ نے فوراً اپنی کیفیت کمال مہارت سے چھپاتے ہوئے غصے سے پھٹ پڑی، اسے ہر صورت خود کو بچانا تھا، وسیم کی آنکھوں میں شک کے سائے لہرا رہے تھے، اسے جیتی بازی آسانی سے نہ ہارنا تھی، اس نے ساری زندگی اپنی من مانی کی تھی، میکے میں امی نے ہمیشہ ہر معاملے میں اسے کنزیٰ اور لبنیٰ پر فوقیت دی تھی، وہ بہو سے زیادہ بیٹی پر اعتماد کرتی تھیں یہی صورتحال تھی جس نے لبنیٰ کو اوچھے ہتھکنڈوں پر مجبور کر دیا تھا، وہ بات بے بات منزہ سے خار کھانے لگی تھی اور اس پر روک ٹوک کرنے لگی تھی، منزہ کا رشتہ تو امی نے طے کیا تھا مگر اس کی شادی ان کی ڈیتھ کے بعد ہوئی تھی، لبنیٰ ساس کی ڈیتھ کے بعد کھل کر منزہ کے مقابلے پر اتر آئی تھی، بھیا بھی بیوی کے ہمنوا تھے امی کی زندگی میں راج کرنے والی منزہ محکوم بن کر رہ گئی تھی، منزہ کسی قیمت پر بھی دوبارہ حاکم سے محکوم نہ بننا چاہتی تھی، اس نے الگ گھر میں شوہر کے ساتھ حاکمانہ زندگی کے خواب تھے، وسیم نے الگ ہونے سے صاف انکار کیا تو اس کے سارے سپنے ٹوٹ کر بکھر گئے تھے، اس نے اپنے ٹوٹے سپنوں کی کرچیوں کی چبھن یاد تھی، وہ میکے میں بھابھی اور سسرال میں نند سے محکوم تھی۔

''نہیں اب نہیں، میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔'' منزہ قطعیت سے سوچتی ٹسوے بہانے لگی، اس کے پاس جیتی بازی بچانے کا حربہ آنسو ہی تھے۔

''آپی آپ زیادتی کر رہی ہیں نوشینہ کا قصور منزہ کے کھاتے میں ڈال کر، میں مانتا ہوں اس کی نوشینہ سے تھوڑی بہت ان بن تھی مگر یہ اتنا گرا ہوا قدم نہیں اٹھا سکتی ہے۔'' منزہ کے آنسوؤں نے سب سے پہلے وسیم کو موم کیا تھا، وہ بھی یہی چاہتی تھی اسے اور کسی کی قطعاً کوئی پرواہ نہ تھی کوئی اس کی بلا سے اس کے متعلق جو مرضی سوچتا پھرے، منزہ کے دل کو قدرے سکون ہوا، وسیم اس کے ساتھ تھا، وہ مزید شدت سے رونے لگی۔

''آپی آپ بھی کمال کرتی ہیں، ذرا سوچیں اگر منزہ کا نکاح میں ہاتھ ہوتا تو یہ ہاشم عمر کے دوبارہ رشتے کے سلسلے میں آنے پر سب کو منانی نہ کہ غیر جانبدار بنتی۔'' نعیم بھی یاد آنے پر منزہ کی حمایت میں بول پڑے، منزہ کے دو ووٹ ہو چکے

تھے، اس کے دل کو کافی قرار ملا مگر اس کے آنسوؤں میں کمی نہ آئی تھی۔

''منزہ چپ ہو جاؤ۔'' اس کے بہتے آنسو وسیم کو دکھ دے رہے تھے نوشینہ منزہ سے عداوت بھولی نہ تھی اس نے سارا الزام معصوم منزہ پر تھوپ دیا تھا، وہ بیوی سے سخت شرمندہ تھا آخر اس نے اس بہن کی خاطر قدم قدم پر اسے ڈانٹا ڈپٹا اور روک ٹوک کی تھی اس نے ہمیشہ نوشینہ کو فوقیت دی تھی۔

''آپی وہ جھوٹ بول رہی ہے، میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، آپ کو یقین نہیں آتا تو میں قرآن پر حلف لینے کو تیار ہوں۔'' آپی کے پاس نعیم کی دی دلیل کا کوئی جواب نہ تھا وہ لاجواب چپ سادھے ہوئے تھیں ان کی خاموشی نے ان کی پوزیشن خاصی کمزور کردی تھی، منزہ نے ان کی اسی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ترپ کا پتہ پھینکا تھا۔

''ارے نہیں منزہ۔'' ندیم بھائی بھی اسی کی حمایت میں بول اٹھے تھے، سب کو اس کی معصومیت کا یقین ہوگیا تھا، آپی اور فاخرہ چپ تھیں مگر ان کے دل گواہی دے رہے تھے کہ منزہ جھوٹی ہے۔

''آپی اب تو آپ کو یقین آ گیا نا، پلیز آپ آئندہ اس کی وکیل بن کر یہاں نہ آیئے گا۔'' سدرہ اس سے قرآن پر حلف اٹھوانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ نعیم کا ٹھوس قطعیت بھرا بے لچک مخصوص لہجہ فضا میں گونجا، نعیم مزید کچھ کہنے سننے کے موڈ میں نہ تھا، وہ جلد غصے میں آجاتا تھا، آپی نے بے بسی سے سب پر طائرانہ نگاہ ڈالی، نعیم عادت کے مطابق بے لچک انداز میں بات ختم کرچکا تھا، کوئی بھی ان کی بات سمجھنا تو درکنار سننے پر بھی تیار نہ تھا، وہ بازی ہار گئی تھیں، وسیم منزہ کو کمرے میں لے جا رہا تھا، منزہ معصومیت سے رو کر تینوں مردوں کو اپنا گرویدہ کر چکی تھی، آپی نے لٹے جواری کی طرح دونوں کو ڈرائنگ روم سے کمرے میں جاتے دیکھا، دکھ ان کی رگوں میں اترنے لگا، وہ چاہ کر بھی نوشینہ کے لئے کچھ نہ کر پائی تھیں۔

ندیم اور نعیم بھی اٹھ کر چلے گئے، فاخرہ نے آپی کے کندھوں پر نرمی سے دباؤ ڈال کر انہیں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، وہ ان کا دکھ بخوبی سمجھ رہی تھی، خونی رشتوں سے جدائی سہنا بھلا آسان کہاں تھا اور پھر کسی مرے ہوئے اپنے سے جدائی پر جلدی صبر آجاتا ہے مگر اپنوں سے جدائی قطرہ قطرہ زہر بن کر رگوں کو ڈستی رہتی ہے، آپی نے اس کے کندھے سے سر ٹکا کر آنکھوں میں اکٹھے ہوئے آنسو بہنے دیئے تھے۔

☆☆☆

''ندیم آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے غیر جانبداری سے غور کریں گے تو سچائی صاف نظر آئے گی۔'' ندیم طبعتاً نعیم سے برعکس تھا، وہ بھی کافی غصیلا تھا مگر نعیم سے کم، فاخرہ کو یقین تھا کہ آپی سچ کہہ رہی ہیں، معصوم و سادہ لوح نوشینہ کسی پر الزام تراشی نہ کرسکتی تھی، اس نے منزہ کا نام بلاوجہ نہ لیا، ندیم کا موڈ کافی بہتر تھا، فاخرہ نے موقع ملتے ہی اس سے بات کی، ندیم نوشینہ کا نام سنتے ہی غصے میں آ گیا، پھر فاخرہ کے سمجھانے پر ٹھنڈا پڑ گیا، فاخرہ اسے منانے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر منزہ تو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کے لئے قرآن پر حلف لینے کو بھی تیار تھی اگر وہ جھوٹی ہوتی تو اتنی آسانی سے قرآن پر حلف لینے کا کیوں کہتی۔'' ندیم نے پرسوچ انداز میں کمزور احتجاج کیا، دل و دماغ

میں نوشینہ کے کورٹ میرج کرنے کا غصہ دبا ہوا تھا جو نکلنے کا نام ہی نہ لے رہا تھا، جبکہ فاخرہ کو اس کی معصومیت کا یقین تھا۔

''اس نے یہی تو اصل گیم کھیلی ہے۔''

فاخرہ بے تابی سے بولی، ندیم پر آہستہ آہستہ اس کی باتیں اثر کر رہی تھیں، مگر وہ کچھ تذبذب کا شکار تھا، اس نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا، اس کے چہرے پر کشمکش پھیلی تھی وہ الجھن میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ پا رہا تھا، اس کا دل نوشینہ کی حمایت کرنے پر اسے اکسا رہا تھا، آخر نوشینہ کا بچپن اور لڑکپن اس کی آنکھوں کے سامنے گزرا تھا، وہ بے ضرر سادہ لوح لڑکی بھلا کسی پر بہتان تراشی کیسے کر سکتی تھی۔

''کیا مطلب؟'' ندیم کے چہرے پر سوچ کی گہری پرچھائی تھی، اس کی نگاہوں میں کئی مناظر گھوم گئے، جب منزہ نے نہایت معمولی باتوں پر بلاوجہ فضول میں نوشینہ سے منہ ماری کی تھی، امی بھی اکثر منزہ کے رویئے پر پریشان رہتی تھیں۔

''مطلب یہ ہے ندیم، منزہ تو کسی کی غلط بات ہرگز برداشت نہیں کرتی، وہ تو مرنے مارنے پر تل جائے کجا یہ کہ وہ بے بسی سے رونا شروع کر دے۔'' فاخرہ نے لوہا گرم دیکھ کر کاری ضرب لگائی، اس کی دلیل میں وزن تھا، امی نے منزہ کی شادی کے فوراً بعد نئی بہو کے ساتھ نچلے پورشن میں شفٹ ہونے کا ارادہ کیا تھا، وہ فاخرہ اور رمزہ کو اوپر شفٹ کرنا چاہتی تھیں مگر انہوں نے منزہ کے تیور بھانپ کر اپنا ارادہ بدل ڈالا تھا، وہ گھر میں روز روز کی چخ چخ سے بچنا چاہتی تھیں، ندیم پراسرار بعید بھری خاموشی میں سوچوں میں گھر گیا، اس کی آنکھوں میں سوچ کی گہری لکیر تھی، فاخرہ نے وہاں سے ہٹنا مناسب سمجھا، وہ اسے سوچوں میں گھرا چھوڑ کر کچن میں چائے بنانے آ گئی وہ اسے کچھ دیر تنہائی میں سوچنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے آئندہ اس گھر میں اس کا نام کوئی نہ لے گا۔'' نعیم کی غصیلی پاٹ دار آواز رات کے سناٹے میں دور تک گونجی تھی، رمزہ کی آنکھوں میں خوف کا شائبہ تک نہ تھا، وہ بے خوفی سے شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھی۔

''خونی رشتے اتنے آسانی سے ختم نہیں ہو جاتے ہیں نعیم، کچھ باتیں صرف کہنا آسان ہوتی ہیں ان پر عمل کر کے انسان اپنے دکھوں میں اضافہ ہی کرتا ہے۔'' رمزہ کا لہجہ بے خوف اور ٹھوس تھا، آج اس کی فاخرہ سے فون پر بات ہوئی تھی، فاخرہ نے اسے ندیم اور اپنی گفتگو من و عن سنا ڈالی تھی، وہ اس معاملے میں غیر جانبدار تھی، لیکن فاخرہ کی گفتگو سن کر اس کا دل بھی نوشینہ کی معصومیت پر ایمان لے آیا تھا، وہ معصومیت میں لٹی تھی، یہی اس کا قصور تھا۔

''بس میں کچھ سننا نہیں چاہتا ہوں۔'' رمزہ وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی تھی، وہ شوہر کو غصے میں دیکھ کر ہمیشہ چپ سادھ لیتی تاکہ شوہر کو مزید غصہ نہ آئے، وہی رمزہ اس کے دوبدو کھڑی تھی، نعیم کو مجبوراً کچھ نرم ہونا پڑا، بچے سو رہے تھے، وہ ان کی نیند خراب نہ کرنا چاہتا تھا، اس نے کروٹ بدل لی۔

''نعیم آپ کو میری بات سننا پڑے گی، یہ سارا کھیل منزہ کا کھیلا ہوا ہے اسے نوشینہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اس نے نوشینہ کو وسیم کی نظروں میں گرانے کے لئے ایسا کیا ہے۔'' رمزہ نعیم کو سمجھانے کا حتمی فیصلہ کر چکی تھی، نعیم بے

اختیار کروٹ بدلنے پر مجبور ہو گیا، وہ بھی گھر کا فرد ہونے کے باعث دونوں کی نوک جھونک سے واقف تھا منزہ ہمیشہ اس سے زیادتی کرتی تھی اور امی نوشینہ کو ہی ڈانٹ ڈپٹ کر سمجھا بجھا کر معاملہ ختم کرتی تھیں۔

''میں مانتی ہوں نعیم، نوشینہ بالکل بے قصور نہیں ہے اگر اس کی مرضی شامل نہ ہوتی تو منزہ اسے لاکھ بہلاتی پھسلاتی وہ اسے کورٹ میرج پر مجبور نہ کر سکتی تھی مگر آپ یہ بھی تو سوچیں کہ ماؤں کے بغیر بیٹیوں کی زندگی بے حد کٹھن اور کانٹوں بھری ہو جاتی ہے۔'' نعیم لب بھینچے غصہ ضبط کرنے کی سعی کرتا اس کی باتیں سن رہا تھا، اس کا غصہ بھی پہلے سے کم ہو گیا تھا، رمزہ نے دانستہ لمحہ بھر کا توقف کر کے نعیم کے چہرے پر ٹٹولتی نظر ڈالی۔

''نعیم ماؤں کے بعد بیٹیوں کی زندگیوں میں خلا بھر جاتا ہے، وہ اپنا دکھ سکھ کسی سے شیئر نہیں کر پاتی ہیں، میں اور فاخرہ اپنی زندگیوں میں مصروف تھے ایسے میں اسے منزہ ہی کا کندھا میسر ہوا تھا، یہ اس کی بدنصیبی کہ اسے مخلص کندھا نہ ملا تھا، وہ منزہ کی آنکھوں میں پہلے ہی بری طرح کھٹکتی تھی اس نے نوشینہ کو وسیم کی نظروں میں ہمیشہ کے لئے گرا کر اس کی زندگی سے بے دخل کر دیا، لیکن آپ ایسا نہ کریں اسے اس کی غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دیں، اگر اسے مخلص کندھا ملتا تو ہرگز ایسی غلطی نہ کرتی۔'' رمزہ بول بول کر تھک کر ہانپنے لگی تھی، کمرے میں خاموشی کی دبیز تہہ چھائی تھی، نعیم یک ٹک چھت کو گھورے جا رہا تھا، اس کا تنفر و نفرت بھرا غصہ اب صرف غصہ رہ گیا تھا، نوشینہ کی غلطی صرف یہ تھی کہ اس نے اپنی تنہائی بانٹی تھی اس کی بدنصیبی کہ وہ اپنی سادہ لوحی میں کھرے کھوٹے کی پہچان نہ کر پائی تھی۔

''نعیم ہم کسی روز نوشینہ کے ہاں چلیں گے۔'' نعیم سوچوں میں محو تھا، رمزہ نے نرمی و محبت سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''ہاں نہیں۔'' سوچوں میں گم نعیم بری طرح ہڑبڑایا تھا، وہ رمزہ کی بات پوری طرح نہ سمجھ پایا تھا، اس کی آنکھوں میں سرخی نمایاں تھی، جیسے وہ اپنے آنسو ضبط کرتا رہا ہو، دکھ و کرب اسے بے چین کیے ہوئے تھے وہ ناسمجھی سے رمزہ کو دیکھنے لگا۔

''ہم کسی روز نوشینہ کے ہاں چلیں۔'' رمزہ نے اپنا سوال دہرایا، پتھر کو جونک لگ چکی تھی اب اس پر قطرہ قطرہ پانی گرانا تھا۔

''رمزہ اسے ہم سے بات کرنا چاہیے تھی۔'' نعیم اسے کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہ سکا تھا، وہ امی کی وفات کے بعد مہمانوں کی طرح گھنٹہ دو گھنٹہ چکر لگانے آ جاتا تھا اس نے کبھی بڑے بھائی یا بڑے پن سے نوشینہ کا کوئی دکھ سکھ نہ پوچھا تھا اسے نوشینہ کچھ روز سے الجھی الجھی لگی تھی وہ چاہ کر بھی مصروفیات کی بنا پر اس کے پاس دو گھڑی نہ بیٹھ پایا تھا پھر بھلا اب کس برتے پر اس سے خفا تھا۔

''رمزہ اسے کہو میرے گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لئے کھلے ہیں وہ جب چاہے یہاں آ سکتی ہے مگر میں وہاں نہیں جاؤں گا تم جانا چاہو تو چلی جانا۔'' نعیم ندامت سے چور تھا، وہ بھی تو اس کا مجرم تھا، اس نے بھلا کب بہن کی دلجوئی کی تھی بلکہ اس پر اپنے گھر کے دروازے بند کر کے اسے رنجیدہ ہی کیا تھا۔

''او کے تھینک یو نعیم۔'' رمزہ ممنونیت سے ہولے سے مسکرا دی، وہ بھی سمجھی کہ نعیم کا غصہ رفتہ رفتہ ڈھلے گا اس کے لئے فی الحال یہ بھی کافی تھا، وہ نعیم کی ندامت نہ بھانپ پائی تھی، نعیم نے اس سے نظریں چرا لیں اسے اپنا بھرم بھی رکھنا تھا۔

www.urdusoftbooks.com

☆☆☆

اور پھر یوں ہوا کہ نعیم اور ندیم کے گھر کے دروازے نوشینہ کے لئے کھل گئے، انہوں نے منزہ پر ہرزہ رسائی کیے بغیر وسیم کو سمجھانے بجھانے کی بہتیری کوششیں کیں مگر سب بے سود رہیں، اس کا غصہ نہ ڈھلا، اس کی آنکھوں پر منزہ کے اعتماد کی پٹی چڑھی تھی، وسیم بھائیوں سے نوشینہ سے صلح پر لڑا بھی تھا، دونوں نے اسے کسی طرح سمجھا لیا تھا اس نے بھائیوں کو تو نوشینہ سے ملنے کی اجازت دے دی تھی مگر خود اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ تھا، آخر اس نے منزہ پر بہتان لگایا تھا اس کا ڈبل قصور تھا، وہ کورٹ میرج کر کے بھائیوں کی رسوائی کا باعث بنی تھی تو بھابھی پر بھی الزام دھر ڈالا تھا یہ اس کی کم ظرفی کی انتہا تھی وہ تو بہن سے گلہ رکھتا تھا کہ اس نے اس پر ذرا اعتماد نہ کیا تھا، وہ ایک بار اسے شہروز کے متعلق بتاتی تو سہی، وہ خود سب کو منا لیتا۔

نوشینہ اور شہروز نے ہاؤس جاب مکمل کر کے ذاتی ہاسپٹل کھول لیا تھا، ان کی محنت سے ہاسپٹل ترقی کرنے لگا تھا، دونوں کا شمار جلد یہ شہر کے بہترین ڈاکٹرز میں ہونے لگا تھا، نوشینہ خوش تھی کہ اس کے لئے میکے کا دروازہ مکمل طور پر نہ سہی مگر کھل چکا تھا، اس کے دل میں وسیم کی بے رخی و ناراضگی کی پھانس کانٹا بن کر چبھتی رہتی تھی، شہروز اس کی دلجوئی کرتا رہتا، وہ شہروز کی محبت میں نکھرتی و سنورتی جا رہی تھی۔

وقت کا کام گزرنا ہے تیزی سے گزرتے وقت میں بچے جوان اور جوان بوڑھے ہو گئے نوشینہ اور شہروز کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی، ان کے چاروں بچے میڈیکل لائن جوائن کر چکے تھے، ندیم اور نعیم کے بچے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہترین پوسٹوں پر جاب کر رہے تھے، نعیم بھیا اور سدرہ آپی تو اپنے بچے بیاہ کر فارغ بھی ہو چکے تھے، اسے وسیم کے گھر کے حالات دونوں بھابیوں سے پتا چلتے رہتے تھے، وسیم کی بیٹی زنیرہ بدمزاجی اور زبان درازی میں ماں سے بھی دو ہاتھ آگے تھے وہ بے حد فیشن ایبل طرحدار لڑکی تھی وہ یونیورسٹی سے انگلش میں ایم فل کر رہی تھی، وسیم بیٹی کی بدمزاجی اور زبان درازی سے خائف رہتا تھا، اس نے دبے لفظوں ندیم سے زنیرہ اور اس کے بیٹے عاطف کے رشتے کی بات بھی کی، ندیم نعیم رضا مند تھا مگر فاخرہ آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے پر تیار نہ ہوئی تھی، زنیرہ کسی کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ تھی اس نے سنتے ہی گھر میں طوفان برپا کر دیا تھا، دوسری جانب بھی وسیم تھا، اس نے صاف انکار کر دیا، نتیجتاً زنیرہ نے گھر سے بھاگنے کی دھمکی دے ڈالی تھی۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی وقت کاٹے نہ کٹ رہا تھا، منزہ برسوں کا سفر تنہا آبلہ پا طے کر آئی تھی، اس کی نظر گھڑی پہ پڑی، وقاص اور وقار کو گئے گھنٹہ بھی نہ ہوا تھا، منزہ کا دل انجانے وہموں و خدشات میں جکڑا ہوا تھا، وسیم سخت غضبناک برآمدے کی راہداری میں ٹہل رہا تھا، عائزہ سہمی چڑیا کی مانند ماں کی آغوش میں سمٹنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اسے باپ کی غضبناک نظریں سراسیمہ کیے دے رہی تھیں۔

''اس کلموہی کی یہی سزا ہونی چاہیے آخر اس نے آپ کے منہ پر کالک مل کر آپ کو معاشرے میں بدنام کیا ہے۔'' وسیم کے وجود سے بے چینی مترشح تھی، وہ غیض و غضب میں ڈھلا ہر چیز بھسم کر دینے کو تیار تھا، منزہ نے خوفزدہ وسہمی نظر جھکے سے شوہر پر ڈالی ماضی کی بازگشت اسے بے کل کیے دے رہی تھی، اس نے بیس بائیس

سال بے حد سکون و مطمئن بغیر کسی خلش کے گزارے تھے آخر اس کی راہ کا کانٹا جو نکل گیا تھا۔

''ہاہ۔'' مگر آج وہ بیٹی کے لئے چاہ کر بھی ایسا کوئی جملہ منہ سے نہ نکال سکی تھی، اس کے دل سے پر اذیت ہوک اٹھی تھی اس نے تو اپنی بھابھی کے ستم سہے تھے اکلوتے جان نچھاور کرنے والے بھیا کو بیگانگی کی انتہا پر دیکھا تھا لیکن زنیرہ اس نے تو نہ کوئی ستم سہے تھے اور نہ ہی کسی اپنے کی بیگانگی، پھر اس نے یہ انتہائی قدم کیوں اٹھایا تھا۔

''تم اپنی کامیابی میں مست بھول گئی تھی کہ ایک ذات اوپر بھی ہے وہ جب بندے کی ڈھیل کی مہلت ختم کرتا ہے تو بندہ منہ کے بل رسوائی و ذلت کی گہری دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔'' کوئی منزہ کے اندر سے چیخ چیخ کر اسے جھنجھوڑ رہا تھا، وہ پچھتاؤں کی دلدل میں گردن تک دھنس چکی تھی اس کے لئے کوئی جائے فرار نہ تھی وہ مکافات عمل سے شکستہ اپنے زخم چاٹنے پر مجبور تھی۔

''آہ۔'' اس نے تو نوشینہ کو بہکایا تھا مگر زنیرہ کو تو کسی نے بھی نہ بہکایا تھا وہ صرف اپنے نفس سے بہکی تھی، اس کی کیا سزا ہونے چاہیے تھی اسے اپنی بہترین تربیت پر بہت ناز تھا جسے زنیرہ نے خاک میں ملا دیا تھا، منزہ کے لبوں سے کربناک سسکی نکلی تھی، پچھتاوا آنسوؤں کی صورت اس کی آنکھوں سے بہنے لگا تھا۔

☆☆☆

''میں اس کا خون پی جاؤں گا بھیا۔'' وسیم غیض و غضب میں ڈھلا راہ میں آئے ندیم بھیا سے مخاطب تھا، اسے فون سن کر بھی یقین تھا کہ یہ کسی کی محض شرارت ہے، اس کے پوچھنے پر نوشینہ کی لحہ بہ لحہ فق ہوتی رنگت نے اس پر بنا کچھ بتائے حقیقت آشکار کر دی تھی، وہ غصے سے بہن پر جھپٹ پڑا تھا۔

وسیم برآمدے میں ٹہلتا تھک کر صحن میں اترتی سیڑھیوں پر آن بیٹھا، نہ جانے کیوں اسے آج وہ بہت یاد آ رہی تھی، اس کی یادیں دل کے حد قریب تھیں، وہ بیس بائیس سال سے نظروں سے دور تھی لیکن دل سے نہیں اس نے منزہ پر بہتان لگا کر بہت زیادتی کی تھی، وسیم نے نوشینہ کا آنا جانا گھر میں شروع ہونے پر صحن میں اترتی بالائی منزل کی سیڑھیوں کا رخ گلی میں کروا کر اندرونی حصے میں داخلہ کے لئے دروازہ لگوا دیا تھا، وقت کے ساتھ دونوں پورشنز جدید طرز تعمیر کا روپ دھار چکے تھے، ندیم بھیا اپنی کمپنی کے نائب چیئرمین اور وسیم اپنی کمپنی کا ایم ڈی بن چکا تھا، وسیم نے اپنا دل پتھر کر لیا تھا، وہ جس بہن کی خاطر جان تک دے دینے کو تیار تھا اسی کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ تھا۔

''نوشینہ!'' درد و اذیت کے جان گسل لمحات میں لبوں سے بے اختیار سسکی نکلی، اس کی ٹانگیں مسلسل ٹہلنے سے شل ہو چکی تھیں، اسے زنیرہ کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

''پاپا میں صرف ذیشان سے شادی کروں گی ورنہ میں گھر سے بھاگ جاؤں گی۔'' زنیرہ لاڈ میں پل کر بے حد ضدی اور خود سر ہو چکی تھی، وہ اپنے کلاس فیلو کو پسند کرتی تھی اور اسی سے شادی پر بضد تھی، جبکہ وسیم اس کی شادی عاطف سے کرنا چاہتا تھا، زنیرہ کو خبر ہوئی تو اس نے گھر میں طوفان برپا کر دیا تھا وہ باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے خوفی سے سامنے تن گئی۔

''زنیرہ تم نے کیا کر ڈالا۔'' وسیم کمرے میں آ گیا، اس نے زنیرہ کی دھمکی کو سنجیدہ نہ لیا تھا اور نہ ہی اس پر کوئی روک ٹوک یا سختی کی تھی، اسے

اپنی تربیت اور اولاد دونوں پر فخر تھا، وہ لاکھ خود سر وضدی سہی مگر باپ کا بے حد احترام کرتی تھی، وسیم کے لبوں سے سرد آہ خارج ہوئی، وقار اور وقاص کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی جوں جوں رات ڈھل رہی تھی، وسیم سراسیمگی میں گھرتا جا رہا تھا، سفید سحر اس کے منہ پر نئی کالک ملنے کو تھا۔

''نوشینہ نے تو نکاح کیا تھا زنیرہ تو گھر سے بھاگ گئی ہے۔'' وسیم کے ذہن سے ماضی کی پرچھائی ٹکرائی وہ جی جان سے کانپ اٹھا۔

''تم نے بہن کو جو سزا دی تھی کیا وہی سزا بیٹی کو دے سکتے ہو، زنیرہ کا قصور تو نوشینہ سے بھی بڑا ہے، نوشینہ نے کم از کم یوں سر راہ تمہاری رسوائی کا ساماں تو نہ کیا تھا۔'' کوئی وسیم کے سامنے تن گیا، وسیم مارے شرمندگی کے اس سے نظریں نہ ملا پایا۔

''جواب دو وسیم، کیا تم ساری زندگی زنیرہ کی شکل نہ دیکھو گے۔'' وسیم کے سامنے دوسرا سوال تیار تھا، وہ تڑپ کر بے اختیار اپنی جگہ سے کھسکا۔

''وہ میرا جگر گوشہ ہے۔'' وسیم نے لاچاری بھری ندامت سے ضمیر کا سامنا کیا، کوئی اس پر بے ساختہ زور دار قہقہے لگانے لگا۔

''کیا وہ تمہاری کچھ نہ لگتی تھی، اس نے تو تمہیں منانے کی بھی بہتیری کوششیں کی تھیں۔'' وہ خود احتسابی کی کڑی منزل سے گزر رہا تھا، ضمیر کا ہر وار پہلے سے بڑھ کر زور دار تھا۔

''میں زنیرہ کو نہیں چھوڑ سکتا ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ۔'' وسیم بلبلا کر زور سے چیخ اٹھا، اس نے آنکھیں زور سے میچ لیں، منزہ اس کی زور دار چیخ پر بھاگی ہوئی آئی۔

''وسیم!'' اس نے وسیم کے کندھے پر ہاتھ رکھا، وسیم کی آنکھوں میں ضبط کی لالی پھیلی تھی، اسے سب نے سمجھانے بجھانے کی بہت کوششیں کی تھیں، مگر اس پر تو منزہ کے اندھے اعتماد کی پٹی بندھی تھی۔

''کیا نوشینہ سچی تھی۔'' وسیم نے پہلی بار اپنا محاسبہ کرتے ہوئے نوشینہ کو دل کی گہرائیوں سے یاد کیا تھا، ماضی اس کی نظروں کے سامنے لہرانے لگا تھا، اس نے نظر بھر کر منزہ کے چہرے کو دیکھا، وہ کبھی بھی اس کے خوبصورت چہرے کے پیچھے چھپے مکر و فریب کو نہ پہچان پایا تھا، یہ قدرت کی طرف سے اس کے لئے سزا تھی، اس نے نفرت سے منزہ کا ہاتھ جھٹک دیا، وہ اپنی جگہ صدمے و حیرت سے سن رہ گئی۔

☆☆☆

''کہاں ہو تم ذیشان۔'' گیٹ زور سے کھٹ کھٹایا جا رہا تھا، ساتھ ہی گھنٹی کی زور دار آواز رات کے سناٹے میں پورے بنگلے میں گونج گئی، گھر کے مکین خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے، ذیشان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی، ماحول پر گہرا سکوت تھا، زنیرہ اس کی نک چڑھی اور انتہائی مغرور کلاس فیلو تھی، دونوں ماسٹرز کے بعد ایم فل میں بھی اکٹھے تھے، ذیشان کو اسٹڈی کمپلیٹ کرنے کے بعد ڈیڈی کا بزنس سنبھالنا تھا، وہ بے حد وجیہہ و خوبرو اور لاابالی ٹائپ کا لڑکا تھا، لڑکیاں اس کی مردانہ وجاہت پر دیوانہ وار مرتی تھیں، زنیرہ کلاس کی سب سے حسین و جمیل اور طرح دار دوشیزہ تھی، وہ ذیشان کو گھاس تک ڈالنے کی روادار نہ تھی، ذیشان سے یہی بات ہضم نہ ہوئی تھی، وہ زنیرہ کو بھی اپنے لئے آہیں بھرتا دیکھنا چاہتا تھا، اس نے زنیرہ سے فلرٹ شروع کر دیا، زنیرہ نے اسے کوئی خاص لفٹ نہ کروائی مگر وہ بھی مستقل مزاجی سے اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا تھا، بالآخر زنیرہ ذیشان

کی جھوٹی محبت کے جال میں پھنس گئی، اسے ذیشان کی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی نے بے حد متاثر کیا تھا وہ اس کا دم بھرنے لگی، ذیشان نے اس کی خاطر دو سال خواری و ذلت جھیلی تھی اب وہ اسے اپنے لئے خوار و ذلیل کرنا چاہتا تھا اس کے لئے محبت کا کھیل جاری رکھنا بے حد ضروری تھا، ذیشان کے سیل پر زنیرہ کی کالز اور میسجز آ رہے تھے، اس نے اپنا موبائل سائیلنٹ پر لگا دیا، زنیرہ کی آنے والی کالز و میسجز اس کے لئے باعث تسکین تھے، وہ دانستہ اس کی کال اٹینڈ نہ کر رہا تھا، اسے اپنے کھیل کو منطقی انجام تک پہنچانا تھا، موبائل اسکرین روشن ہوئی تو اس نے ان باکس کھول لیا، اس کے لبوں پر آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی، وہ آسودگی میں مست دستک نظر انداز کیے ہوئے تھا، اس نے طویل پرسکون سانس بھرتے ہوئے غور کیا، دستک رک چکی تھی۔

''ذیشان تم اپنے پیرنٹس کو میرے گھر بھیجو۔'' ذیشان کا محبت کا کھیل کامیابی سے جاری تھا، جو زنیرہ اس کا نام تک سننے کی روادار نہ تھی بلکہ اسے دیکھتے ہی رستہ بدل لیتی تھی وہی اس کا دم بھرتے نہ تھکتی تھی، ذیشان کی بے لوث محبت و پرخلوص چاہت نے اس کے دل میں نقب لگا لیا تھا، ذیشان اپنی کامیابی پر بے حد مسرور و شاداں تھا، وہ بے حد دولتمند اور مردانہ وجاہت کا مالک تھا وہ ہر محفل میں جاتے ہی چھا جاتا، مغرور ذیشان سے یہ بات ہضم نہ ہوئی کہ کوئی لڑکی اسے اگنور کرے، اس نے زنیرہ کو اپنی ضد بنا لیا تھا، زنیرہ کے والد اس کی شادی اپنے کسی بھتیجے سے کرنا چاہتے تھے، زنیرہ نے سنتے ہی اگلے روز اس سے شادی کا مطالبہ کر ڈالا تھا۔

''کیا مطلب یار۔'' پاپ کارن کھاتا ذیشان زنیرہ کے مطالبے پر بدک کر پیچھے ہٹا تھا، اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا، شادی اس کے پلان میں ہرگز نہ تھی، وہ صرف اپنی انا کی جیت چاہتا تھا، وہ اس کھیل سے فیڈ اپ ہونے لگا تھا۔

''میں نے اتنی مشکل بات نہیں کی ہے۔'' اس نے زنیرہ کی جھنجلائی آواز سنی تھی۔

''ہمیں اب شادی کر لینی چاہیے۔'' وہ غالباً شکل سے ہونق لگ رہا تھا، جبھی زنیرہ نے اک تاسف بھری نظر اس پر ڈالی تھی۔

''ہاں ہاں۔'' اس نے فوراً بات بناتے ہوئے اپنا خشک حلق تر کیا۔

''اور یہ کام اب جلدی ہو جانا چاہیے، ورنہ ڈیڈی میری شادی عاطف سے کر دیں گے۔'' وہ بے حد پریشان لگ رہی تھی، ذیشان کا اطمینان رخصت ہونے لگا، اسے اب جلد از جلد اس کھیل کو کسی طرح ختم کرنا تھا۔

''یار کچھ کرتے ہیں تم یہ پاپ کارن کھاؤ۔'' ذیشان نے مصنوعی لگاوٹ سے نرمی سے مسکرا کر اس کی پریشانی کم کی، زنیرہ نے پاپ کارن کا لفافہ تھام لیا تھا۔

پھر ذیشان نے رفتہ رفتہ اس سے ملاقاتیں کم کر دیں وہ اسے دیکھتے ہی راہ بدل لیتا، زنیرہ کبھی اسے گھیر لیتی تو وہ معصومیت سے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتا، مگر اس روز زنیرہ نے اس کا کوئی بہانہ نہ چلنے دیا تھا۔

''میں گھر میں اسٹینڈ لے چکی ہوں مگر مجھے لگتا ہے کہ ہمیں اب کچھ اور سوچنا پڑے گا۔'' وہ دونوں گراؤنڈ میں بیٹھے تھے، وہ اپنے دوستوں میں گھرا بیٹھا تھا کہ زنیرہ اسے بلا کر لے آئی تھی۔

''کیا سوچنا پڑے گا۔'' وہ خود سر ضدی اور ہٹ دھرم تھی جو دل میں ٹھان لیتی اسے پورا کر کے چھوڑتی تھی، ذیشان سراسیمہ ہو گیا، اسے زنیرہ کے بے لچک اور ٹھوس لہجے نے چونکا دیا

تھا۔

''میں کل رات گھر چھوڑ کر علی ہوٹل کے قریب پارک میں رات بارہ بجے آ جاؤں گی تم بھی وہیں پہنچ جانا، ہم چند روز کہیں پوشیدہ رہ کر نکاح کر کر لیں گے پھر حالات سازگار ہوتے ہی واپس آ جائیں گے۔'' اس کے سر پر زنیرہ نے دھماکا کر ڈالا وہ تو اس سے ہمیشہ کے لئے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا جبکہ زنیرہ تو کچھ اور سوچ بیٹھی تھی، وہ اس کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار تھی۔

''زنیرہ یہ سب کچھ......'' وہ بھونچکا رہ گیا، اس کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے سب کچھ اس کی پلاننگ کے خلاف ہو رہا تھا، وہ اس کے گلے میں پھنسی ہڈی بن گئی تھی جو اسے نہ اگلتے بن رہی تھی اور نہ نگلتے، وہ فوراً انکار کے لئے مناسب الفاظ تراشنے لگا۔

''ذیشان عائزہ آ رہی ہے ہم کل رات بارہ بجے پارک میں ملیں گے۔'' عائزہ نے انہی کے ڈیپارٹمنٹ میں ماسٹرز میں ایڈمیشن لیا تھا، وہ کسی کام سے زنیرہ کے پاس آئی تھی، زنیرہ بہن کو دیکھتے ہی بعجلت اٹھ کر اس سے مزید کوئی بات کہے سنے بغیر اس کی طرف سرعت سے لپکی، وہ دونوں اکثر کلاسز بنک کر کے گاڑی میں لنچ کرنے علی ہوٹل جایا کرتے تھے اور لنچ کے بعد قریبی پارک میں واک بھی کیا کرتے تھے، زنیرہ کا پلان تیار تھا، وہ لب بھینچے بے بسی سے اسے جاتا دیکھتا رہ گیا۔

''کہاں ہو تم ذیشان۔'' سوچوں و یادوں میں کھوئے ذیشان کو موبائل کی روشن سکرین نے چونکا دیا، زنیرہ کی سات مسڈ کالز اور تین ریسیوڈ میسجز تھے، اس نے تینوں میسجز میں ایک ہی سوال دہرایا ہوا تھا، وہ شدت پسند و جذباتی لڑکی نہ صرف اپنے فیصلے پر عمل کر چکی تھی بلکہ اسے بھی کالز و میسجز کر کر کے زچ کیے دے رہی تھی، اس نے زنیرہ کو اس کے فیصلے پر عملدرآمد سے روکنے کے لئے اسے آج کئی بار کالز کی تھیں مگر ہر بار اس کا نمبر آف تھا، وہ آج یونیورسٹی سے بھی غیر حاضر تھی، وہ صرف زنیرہ کو جیتنا چاہتا تھا اسے معاشرے میں رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا، غالباً زنیرہ پر گھر میں بے حد پریشر تھا، جو اس نے سارا دن اپنا سیل آف رکھا تھا، اس نے گھر چھوڑنے کے بعد اس سے رابطہ کیا تھا اب بھلا اس کا کیا فائدہ تھا، اگر وہ گھر چھوڑنے سے پہلے اس سے رابطہ کر لیتی تو وہ اسے صاف الفاظ میں انکار کر دیتا اور اپنی محبت سے بھی دستبردار ہو جاتا یوں زنیرہ کو صرف اس کی بے وفائی کا صدمہ ہی سہنا پڑتا کم از کم اس کی اور اس کے والدین کی عزت تو محفوظ رہتی۔

''سوری زنیرہ۔'' اس نے شاید تاسف میں گھر کر اپنا سیل آف کر دیا، اس کا دل صاف تھا وہ مطمئن تھا کہ اس کی کوئی غلطی نہیں ہے، وہ کم از کم زنیرہ کی رسوائی ہرگز نہ چاہتا تھا، اس نے طویل سانس بھر کر اپنی ذات میں اکٹھی ہونے والی حبس کو باہر نکالا اور پھر کچھ سوچ کر سم سیل فون سے نکال کر ڈسٹ بن میں ڈال دی، اسے اب زنیرہ کا کبھی سامنا نہ کرنا تھا بلکہ اسے یقین تھا کہ وہ اپنی بدنامی اور اس کی بے وفائی کے بعد کبھی اس کا سامنا کرنا پسند نہ کرتی اور وہ بھی یہی چاہتا تھا وہ اپنا بھید کھلنے کے بعد اس کا سامنا کسی قیمت پر نہ چاہتا تھا۔

☆☆☆

پارک میں ہولناک تاریکی و سناٹا پھیلا تھا تاحد نگاہ تاریکی کی سیاہ چادر تنی تھی، آسمان پر تاروں کی روشنی میں مدھم تھی اور چاند بھی نہ نکلا

تھا، گھپ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے رہا تھا، وہ بے خوفی سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھائے اپنی مخصوص جگہ پر آ بیٹھی، ابھی پونے بارہ ہوئے تھے، بارہ بجے ذیشان بھی پہنچنے والا تھا، وہ بے چینی سے ذیشان کا انتظار کرنے لگی، اس کی بے تاب نظریں کبھی کلائی پر بندھی گھڑی پر تو کبھی پارک کے داخلی دروازے پر جارکتیں۔

اس نے کل ذیشان سے یہاں آنے کا وقت طے کیا تھا، آدھا گھنٹہ اوپر ہو چکا تھا اور وہ نہ آیا تھا، وہ اٹھ کر پارک کے مین گیٹ پر آ گئی، باہر مین روڈ پر ٹریفک رواں دواں تھی وہ گیٹ پر کھڑے ہو کر اس کا انتظار کرنے لگی، اس نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا، ایک بجنے والا تھا، ذیشان کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہ تھا، وہ غالباً وعدہ کر کے بھول چکا تھا، اس نے ذیشان کا نمبر پش کر کے سیل فون کان سے لگا لیا، دوسری طرف بیل جا رہی تھی، اس نے کال ریسو نہ ہونے پر دوسری اور تیسری بار کال ملائی، نتیجہ ہنوز وہی تھا، ذیشان کال کو کوئی رسپانس نہ دے رہا تھا۔

''کہاں ہو تم ذیشان؟'' اس نے رسپانس نہ ملنے کے چند ثانیے بعد اسے میسج کیا، ذیشان نے میسج کا بھی کوئی ریپلائے نہ کیا، زنیرہ کو وہم و وسوسے ستانے لگے، اسے یاد آنے لگا تھا کہ کل اس کی بات سن کر ذیشان کی صورت ہونق بن گئی تھی وہ گھبرا کر اسے دیکھنے لگا تھا، اسے اس پل یہ بھی یاد آیا تھا کہ وہ دوستوں کے درمیان سے اٹھائے جانے پر سخت بدمزہ بھی ہوا تھا، اسے پہلی بار احساس ہوا کہ ذیشان اس سے دانستہ چند روز سے کترانے لگا تھا، وہ کچھ کہنے کو تھا کہ وہ اس کی بات سنے بغیر عائزہ کے آنے پر تیزی سے اٹھ گئی تھی، گھر میں اس کی اور عاطف کی شادی ہاٹ ٹاپک بنی ہوئی تھی، وہ عاطف سے شادی نہ کرنا چاہتی تھی۔

''ذیشان مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔'' زنیرہ نے دل میں اٹھتے وسوسوں کو بری طرح ذہن سے جھٹک کر خود کو بہلایا، وہ اس کا دیوانہ نہ تھا اسی کا دم بھرتا تھا اس نے سال بھر زنیرہ کی بے اعتنائی سہی تھی یہ محبت کی طاقت ہی تو تھی جو اسے پیچھے نہ ہٹنے دے رہی تھی اور بالآخر اس کی محبت نے زنیرہ کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا، وہ سر تا پا اسی کی پسند میں ڈھل چکی تھی زنیرہ نے خود کو اس کی محبت میں مٹا ڈالا تھا، وہ اسی کی محبت کے سہارے یہاں تھی وہ اپنے گھر والوں کے سامنے سرنڈر نہ کر سکی تھی، وہ خود کو بہلاتی بینچ پر آ بیٹھی۔

''ذیشان کہاں ہو تم؟'' اسے کافی دیر ہو چکی تھی ذیشان نے نہ تو خود اس سے رابطہ کیا تھا اور نہ ہی اس کی کسی کال یا میسج کا ریسپانس دیا تھا، اسے اب تاریکی سے خوف آنے لگا تھا، درختوں کے ہیولے سے لرزتے پتے ماحول میں پراسراریت پیدا کر رہے تھے، اسے گھبراہٹ ہونے لگی تو اس نے ذیشان کو دوبارہ میسج کیا، اس کا ریپلائے نہ آنے پر اس نے کال کی تو نمبر آف تھا، اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

''کیا وہ مجھ سے فلرٹ کر رہا تھا؟'' زنیرہ کو پہلی بار ذیشان کی جھوٹی محبت کا ادراک ہوا تھا وہ کسی کی جھوٹی محبت کی بھینٹ چڑھی تھی اور بے خبری میں ماری گئی تھی، گھر والے اس پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے، انہوں نے اس کی گھر چھوڑ نے کی دھمکی کے بعد اس کے سیل پر آنے والی کالز چیک کرنا شروع کر دی تھیں، مما چوبیس گھنٹے اس کے سر پر کڑا پہرہ دیتیں، اگر وہ خود کسی کام میں مصروف ہوتیں تو عائزہ کو اس کی نگرانی کی ذمہ

داری سونپ دیتی تھیں، اسی لئے اس نے سارا دن اپنا سیل آف رکھا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اس کے منصوبے کی بھنک بھی پڑے اس کا دل گہرائیوں میں ڈوبنے لگا، ذیشان نے اسے دھوکا دیا اسے محبت کے نام پر لوٹا تھا، وہ فریبی و مکار نکلا، زنیرہ کا سانس سینے میں اٹکنے لگا۔

''تم تو میرا بھروسہ، دعا، وفا، خواب اور مان تھے ذیشان، میں نے صرف تمہیں ٹوٹ کر چاہا تھا۔'' زنیرہ کو دفعتاً اپنی کمزور پوزیشن کا احساس ہوا تو دل سے تڑپ کر ہوک نکلی تھی وہ بھروسہ کے ہاتھوں ماری گئی تھی اسے یقین تھا کہ ذیشان اس پلان پر ضرور عمل کرے گا، وہ بھی تو اس کے بنا ادھورا تھا۔

''میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتا ہوں زنیرہ۔'' اس نے ذیشان سے عاطف کا ذکر کرتے ہوئے رشتہ بھجوانے کا مطالبہ کیا تو ذیشان نے تڑپ کر اسے یقین دلایا تھا اور وہ پاگل لڑکی اسی یقین کے سہارے تن تنہا اتنا بڑا فیصلہ کر گئی، اس کی بدقسمتی تھی کہ اسے محبت نے بری طرح ڈسا تھا، اسے تاریکی سے خوف آ رہا تھا، اس نے ذیشان کا نمبر دوبارہ ملایا، جو کہ ہنوز بند تھا، اسے اپنے مستقبل و انجام سے خوف آنے لگا تھا، وہ خود کو خلا میں معلق محسوس کر رہی تھی، اس کے سر پر نہ آسمان تھا اور نہ پیروں تلے زمین، شاید انجام سے پرواہ گھر سے بھاگی لڑکیوں کا یہی حال ہوتا ہے، وہ لٹے مسافر کی طرح بیگ تھامے پارک سے باہر آ گئی، اسے اک موہوم سی امید تھی کہ شاید اس کے وہم و خدشات غلط نکل آئیں، اس کی ساری امیدیں اور تمنائیں سسکیوں کا روپ دھار چکی تھیں، اس کی آنکھوں میں نمی تھی، چہرہ اندرونی اضطراب و کرب سے اٹا پڑا تھا۔

''کہاں جانا ہے ہم لے چلتے ہیں۔'' وہ راہ و منزل کا تعین کیے بغیر رات کے آخری پہر سڑک پر سوچوں میں محو چلے جا رہی تھی، دو منچلے اس کے آگے پیچھے منڈلانے لگے، اسے شدید خوف کی لہر اپنی ریڑھ کی ہڈی میں گھستی محسوس ہوئی تھی، وہ ان کے منہ لگے بغیر چلتی رہی، نہ جانے کب آنسو اس کے گالوں پر پھسلنے لگے، وہ رب سے اپنی حفاظت کی دعائیں دل میں مانگنے لگی، اس کی رفتار میں تیزی آ گئی۔

''یار اپنوں سے اتنی بے رخی اچھی نہیں ہوتی ہے۔'' ان میں سے ایک منچلے نے اس کی راہ روک کر کلائی تھام لی، وہ تڑپ کر کلائی چھڑاتی پیچھے ہٹی، دونوں نے مشترکہ فلک شگاف قہقہہ بلند کیا، دونوں کی آنکھوں سے خباثت بھری ہوس ٹپک رہی تھی، وہ خود میں سمٹنے پر مجبور ہو گئی اور بے ساختہ اپنا دوپٹہ اپنے وجود کے گرد لپیٹنے لگی۔

''رکشہ۔'' اس نے قریب سے گزرتے رکشے کو ہاتھ دے کر روکا اور سرعت سے اس میں سوار ہو گئی تھی رکشہ والا جہاندیدہ شخص تھا اسے رات کے آخری پہر تنہا لڑکی کے چہرے پر پھیلی ہوائیوں نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا، اس نے زنیرہ کے بیٹھتے ہی فوراً رکشہ سٹارٹ کر دیا، وہ دونوں شکار ہاتھ سے نکلنے پر ہاتھ ملتے رہ گئے۔

''بی بی جی آپ کو کہاں جانا ہے؟'' زنیرہ کو اپنے مختل حواس بحال کرنے میں کچھ وقت لگا، اس دوران رکشہ ڈرائیور نے اسے ڈسٹرب نہ کیا، وہ کچھ دیر بعد نارمل نظر آنے لگی، تو ڈرائیور نے پوچھا، اس نے بھی صورتحال کی نزاکت بھانپ کر ناک کی سیدھ میں بلا سوچے سمجھے رکشہ سٹارٹ کر دیا تھا۔

''ارشد پلازہ سے ملحقہ نیو ٹاؤن۔'' وہ شریف آدمی تھا اور چہرے مہرے سے بھی بے حد سلجھا ہوا لگتا تھا، زنیرہ نے خود کو کمپوز کرنے کے

بعد اسے ایڈریس سمجھایا، وہ آدھا گھنٹہ بعد اپنے مطلوبہ ایڈریس پر تھی۔

☆☆☆

گیٹ تھوڑے وقفے کے بعد دوبارہ ناک کیا جانے لگا، اب کی بار دستک کی نہ صرف شدت زوردار تھی بلکہ گیٹ پر کوئی ٹھڈے بھی مار رہا تھا، اگلے پل کوئی گیٹ بیل پر انگلی رکھ کر اٹھانا بھول گیا تھا، چوکیدار کسی دوسری کام سے گاؤں دو روز کی چھٹی پر شام کو ہی چلا گیا تھا، ناچار ذیشان کو دستک پر توجہ دینا پڑی، رات کے آخری پہر نہ جانے کون یوں ان کا گیٹ توڑنے کے در پے تھا، وہ کمرے سے نکلا تو مما اور ڈیڈی انٹرنس ڈور کھول رہے تھے، وہ دونوں اس افتاد پر قدرے بوکھلائے ہوئے تھے، نہ جانے اس پہر کون آ گیا تھا۔

''کون؟'' ڈیڈی نے گیٹ کھولے بنا احتیاط پوچھا تھا، کالونی میں ان دنوں چوری کی وارداتیں کافی بڑھ گئی تھیں، مما کافی پریشان لگ رہی تھیں، وہ دونوں سے چند قدم پیچھے تھا۔

''گیٹ کھول بڈھے ہمیں ذیشان سے ملنا ہے ابھی اور اسی وقت۔'' کوئی بے حد بدتمیزی اور غصے سے چیختے ہوئے دھاڑا تھا، اشتعال و غصے آواز و لہجے میں واضح نمایاں تھا، جیسے نو وارد کا بس نہ چل رہا تھا وہ گیٹ توڑ کر اندر آ جائے۔

''مگر تم لوگ کون ہوں؟'' ڈیڈی کے لہجے میں خوف و پریشانی کی جگہ الجھن نے لے لی تھی، نہ جانے اس وقت کون ذیشان سے ملنے آ گیا تھا، وہ ذیشان کے تمام دوستوں سے واقف تھے ان کے لئے آواز قطعی اجنبی تھی انہوں نے پلٹ کر بیٹے کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا، ذیشان اور مما تذبذب کا شکار تھے۔

''گیٹ کھول کر ہم اندر چل کر بتاتے ہیں کیا گیٹ پر اپنی عزت کا تماشا لگوائے گا بڈھے۔'' اب کے دوسری غصیلی آواز ابھری تھی، معاملہ چوری یا واردات کا نہ تھا بلکہ کچھ اور تھا، آنے والوں کے عزائم بتاتے تھے کہ وہ اس پہر گیٹ پر کوئی تماشا بھی کری ایٹ کر سکتے ہیں، انہوں نے مما سے مشورہ طلب نظروں کا تبادلہ کیا، انہوں نے گیٹ کھولنے کا اشارہ کیا، ڈیڈی نے اللہ کا نام لے کر گیٹ کھول دیا، ذیشان کے دل کی دھڑکن نہ جانے کیوں اس سے تیز ہو گئی تھی۔

''زنیرہ کہاں ہے۔'' اگلے پل ان کے گیٹ کھولتے ہی دونو جوان غیض و غضب سے اندر داخل ہوتے ہی ذیشان پر جھپٹ پڑے تھے، وقار نے ہاتھ میں پکڑی چھوٹی گن ذیشان کے سینے پر زور سے ماری مما اور ڈیڈی کے چہرے فق ہو گئے ان کے اوسان خطا ہونے لگے، ان کے فرشتوں کو بھی معاملہ کی خبر نہ تھی، ذیشان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، وہ اس سچویشن کے لئے قطعی تیار نہ تھا، وہ بے ساختہ دو قدم لڑکھڑا کر پیچھے ہوا تھا۔

''مجھے کیا پتہ، وہ کہاں ہے۔'' ذیشان نے اپنی سانس سینے میں اٹکتی محسوس کی تھی، وہ گن دیکھ کر بے حد گھبرا گیا تھا، آنے والوں کے عزائم بتاتے تھے وہ ماریں گے یا مار دیں گے آخر معاملہ ان کی عزت و غیرت کا تھا، وہ بھلا کیسے برداشت کرتے، ذیشان نے بمشکل تھوک نگل کر اپنا حلق تر کیا، ان تینوں کے چہروں پر خوف کی پرچھائیاں نمایاں تھیں۔

''سیدھی طرح بتاتا ہے یا ابھی تجھے ٹھونکوں۔'' وقار اس کے جواب پر غصے سے ہتھے سے اکھڑ گیا، زنیرہ اس کی خاطر گھر سے بھاگی تھی اور وہ صاف منکر تھا، نہ جانے اس نے زنیرہ کو کہاں چھپایا تھا۔

''دیکھ ذیشان، تو ہمیں بتا دے کہ زنیرہ کہاں ہے؟'' وقاص نے جوش کی بجائے ہوش سے کام لیتے ہوئے نرمی سے وقار کا کندھا تھپکتے ہوئے اسے پیچھے کیا، وہ بے حد غصے میں تھا اور کچھ بھی کر سکتا تھا، وہ دونوں زنیرہ کو لینے آئے تھے، کسی کی جان لینے نہیں۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے نہیں پتا وہ اس وقت کہاں ہے میں تو اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا وہ آج یونیورسٹی بھی نہ آئی تھی۔'' ذیشان نے جھوٹ سچ کی آمیزش سے دروغ گوئی کا مظاہرہ کیا، زنیرہ گھر چھوڑ چکی تھی اسے یہ خبر تھی مگر یہ نہ علم تھا کہ اس کے رابطہ نہ کرنے پر اس پر کیا بیتی تھی، ذیشان نے فی الحال اپنا بچاؤ ضروری سمجھا تھا، وقار اور وقاص کے کڑے تیوروں سے ان کے ارادے بھانپنا مشکل نہ تھا، وقاص نے لب بھینچ کر اپنا غصہ کنٹرول کرنا چاہا، وہ معاملہ بگاڑنا نہ چاہتا تھا، اسی لئے وہ نرمی سے کام لے رہا تھا، ذیشان اس کی نرمی کو شاید کمزوری سمجھ رہا تھا۔

''تم پیچھے ہٹ جاؤ مجھے اس سے نبٹ لینے دو یہ شرافت سے کچھ نہیں اگلے گا۔'' وقار نے بھائی کو زوردار دھکا دے کر پیچھے کیا اور ذیشان پر گن تان لی۔

''ارے تم لوگ یہ کر رہے ہو، یہ سچ کہہ رہا ہے، یہ تو رات سے گھر سے کہیں نہیں گیا اور نہ ہی یہاں کوئی آیا ہے۔'' مما تڑپ کر ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر دونوں کے بیچ حائل ہو گئیں، وقاص اور وقار جی جان سے لرز گئے زنیرہ یہاں بھی نہ تھی تو کہاں تھی ان کے چہرے پریشانی سے پھیکے پڑنے لگے۔

''آپ درمیان سے ہٹ جائیں محترمہ۔'' وقار نے مما سے بدتمیزی نہ کی، اس کا لہجہ قدرے نرم تھا وقار نے اپنی پریشانی چھپا کر ذیشان کو خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے اس کا گریبان پکڑ لیا، زنیرہ نے اسی کی خاطر گھر چھوڑنے کی دھمکی دی تھی یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ یہاں نہ ہوتی۔

''آپ دونوں بے شک میرے گھر کی تلاشی لے لیں، مجھے زنیرہ کی کچھ خبر نہیں ہے۔'' ذیشان تحمل سے کام لے رہا تھا اس کے چہرے پر ضبط کی سرخی پھیل گئی، اس نے اک جھٹکے سے وقار سے اپنا گریبان چھڑوایا، جوش و غصے میں بدتمیزی پر اتر آیا تھا، وقاص قدرے تحمل کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن ذیشان کی ڈھٹائی بھری ہٹ دھرمی سے بھی تاؤ دلانے لگی تھی، وہ کسی صورت مان کر ہی نہ دے رہا تھا۔

''وقار آؤ۔'' وقاص تینوں کو کڑے تیوروں سے گھورتا انٹرنس ڈور کی جانب بڑھا، وقار تیزی سے اس کے پیچھے لپکا، دونوں نے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا مگر زنیرہ نہ ملی، وہ وہاں ہوتی تو ملتی نا، دونوں ذیشان کے کمرے کا عمیق نظروں سے جائزہ لے کر واپس پلٹنے کو تھا کہ وقاص ٹھٹک کر رک گیا، بیڈ پر ذیشان کا موبائل پڑا تھا، اس نے عقاب کی مانند موبائل جھپٹ لیا اور بے تابی سے کال لاگ اور میسجز چیک کرنے لگا، زنیرہ نے رات سے اس سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا، اس کا نمبر کال لاگ اور میسج میں کہیں نہ تھا، ڈیڈی مما اور ذیشان بھی دونوں ک ساتھ ساتھ تھے، اس کے موبائل چیک کرنے پر ذیشان نے اپنی حاضر دماغی کو شاباش دی، وہ زنیرہ کے تمام میسجز اور کل لاگ میں سے نمبر ڈیلیٹ کر چکا تھا، وقاص نے جھنجلا کر غصے سے موبائل بیڈ پر پٹخ دیا، وہ کافی پریشان اور گھبرایا ہوا تھا، وہ گھر کا کونہ کونہ چھان چکے تھے، زنیرہ کا کہیں کوئی نام و نشان نہ تھا، انہیں زنیرہ کی فکر کھانے لگی، وہ نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوگی، زنیرہ گھر سے نکل کر یقیناً ذیشان

سے رابطہ کرتی، ڈیڈی ان کا انتظار کر رہے ہوں گے، ناچار دونوں کو زنیرہ کے بغیر ناکام گھر واپس لوٹنا پڑا۔

ڈیڈی نے لپک کر جان چھوٹنے پر گیٹ بند کیا، وہ خشمگیں نظروں سے ذیشان کو گھور رہے تھے، ذیشان خائف سا خود کو ان کی کڑی نظروں کے حصار میں محسوس کر رہا تھا مما کا دل اس افتاد پر بیٹھا جا رہا تھا ان کے اوسان ابھی تک بحال نہ ہوئے تھے، انہیں بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ ہو گیا تھا، کوئی یونہی رات کے آخری پہر اٹھ کر ان کے گھر میں نہیں گھس آیا تھا کہیں کوئی گڑ بڑ ضرور تھی۔

''ذیشان!'' وہ مما ڈیڈی کی تفتیش سے بچنے کے لئے راہ فرار اختیار کرنے کو تھا کہ ڈیڈی کی سخت تنبیہی آواز نے اس کے قدم روک کر راہ فرار ناکام بنا دی۔

''زنیرہ کون ہے۔'' ڈیڈی کو غصہ بے حد کم آتا تھا مگر جب انہیں غصہ آتا تو وہ غیض وغضب میں نفع نقصان کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، ذیشان کی سانس سینے میں اٹکنے لگی، ڈیڈی کا غصہ بے حد برا ہوتا تھا، وہ غصے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے، ذیشان نے مما کو سہی ومدد طلب نظروں سے دیکھا، انہوں نے بھی نظریں چرا لیں، وہ معاملہ کی سنگینی بھانپ کر لاتعلقی اختیار کر گئیں۔

''ڈیڈی زنیرہ میری کلاس فیلو ہے۔'' ناچار ذیشان کو تنہا عدالت میں کھڑا ہونا پڑا اس نے ساری حقیقت اگل دی وہ اپنے فلرٹ کا قصہ ہضم کر گیا تھا۔

''تم نے اسی وقت کیوں نہ اس لڑکی کو روکا تھا۔'' ڈیڈی کا غیض وغضب کم نہ ہوا تھا، وہ غصے سے دھاڑے تھے۔

''ڈیڈی میں اسے روکنا چاہتا تھا مگر وہ اپنی بہن کے آنے پر اٹھ کر چلی گئی تھی۔'' ذیشان منمنایا، وہ باپ کے غصے سے بے حد ڈرتا تھا، وہ غصے میں کوئی بھی حتمی فیصلہ کر لیتے تو وہ ان کا فیصلہ نہ بدل پاتا اور نہ ہی مما اس کی کوئی مدد کر پاتیں، وہ زنیرہ سے شادی نہ کرنا چاہتا تھا اور اس پل اسے ڈیڈی کے غصے سے یہی خوف آ رہا تھا مبادا وہ صبح ہوتے ہی اس کے لئے زنیرہ کا رشتہ مانگنے نہ چلے جائیں، وہ رشتوں کے معاملے میں بے حد جذباتی اور کچے تھے، انہیں بھی گوارا نہ ہوتا کہ ان کے بیٹے کی وجہ سے کسی لڑکی کی زندگی برباد ہو۔

''ہوں۔'' ڈیڈی نے پرسوچ ہنکارا بھرا، ان کے چہرے پر سوچوں کا گہرا جال تھا۔

''ڈیڈی وہ صرف میری فرینڈ ہے میں اسے پسند نہیں کرتا ہوں نہ جانے اسے میری کس بات سے خوش فہمی ہو گئی تھی۔'' ذیشان نے جھوٹ کے لبادے میں اپنا کمزور دفاع کیا، اسے ڈیڈی کے تیوروں سے خوف آ رہا تھا وہ تھوک کر چاٹنے کا قائل ہرگز نہ تھا، ڈیڈی اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے، اس نے مما کو مدد طلب نظروں سے دیکھا، مما نے اس کا کندھا تھپک کر اسے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا، وہ بھی شوہر کی مزاج آشنا تھیں ان کے دل میں بھی وہی خوف تھا جو ذیشان کو ہراساں کیے ہوئے تھا، وہ گھر سے بھاگی لڑکی کو کسی قیمت پر اپنی بہو نہ بنا سکتی تھیں، ذیشان کو قدرے اطمینان ہوا، اس کے چہرے پر پھیلی تشویش کم ہونے لگی، اسے یقین تھا کہ مما معاملہ بخوبی ہینڈل کر لیں گی، اس کا اندازہ غلط نہ نکلا تھا نجانے مما اور ڈیڈی کے مابین اس موضوع پر کیا گفتگو ہوئی تھی اس نے ڈیڈی کے منہ سے زنیرہ کا نام تک نہ سنا تھا۔

☆☆☆

سپیدہ سحر نمودار ہونے کو تھا، رات ڈھل چکی تھی، رات خواہ جتنی بھی طویل ہوا سے ڈھلنا ہی ہوتا ہے، طلوع سحر اپنے دامن میں غم، خوشیاں، دکھ، سکھ سبھی کچھ چھپائے ہوئی تھی نہ جانے اس کی قسمت میں طلوع ہونے والی سحر میں غم تھے، یا آسائشیں، اس نے ہمت کر کے گھر کی دہلیز تو پار کر لی تھی مگر اب اندر داخل ہونے کی ہمت نہ ہو رہی تھی، اسے اندر تو داخل ہونا ہی تھا اس کے پاس کوئی اور جائے پناہ ہی نہ تھی، اس نے دل کڑا کر کے گیٹ پر ہاتھ رکھا دیا، گیٹ خلاف معمول ہلکی چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا، اس نے اندر قدم رکھ دیئے، غالباً مکینوں نے اس کے لوٹ آنے کی آس پر گیٹ کھلا چھوڑ دیا تھا، اس کی جائے پناہ اس کی منتظر تھی، غالباً سبھی اس کی گمشدگی کے بعد تلاش بسیار میں محو تھے جبھی تو گیٹ کی آواز پر کوئی بھی متوجہ نہ ہوا تھا، وہ آگے بڑھ آئی۔

''رک جاؤ زنیرہ!'' وہ وسیم کی دھیمی پاٹ دار درشت آواز پر جہاں کی تہاں رک گئی تھی، اس کی سانس سینے میں اٹکنے لگی، ڈیڈی بے حد غصے میں تھے، ان کی آواز پر سبھی اپنے کمروں سے دوڑے چلے آئے۔

''کہاں تھی تم رات بھر؟'' وقار غیض و غضب سے اس کے سر پر پہنچ کر با آواز بلند دھاڑا اس نے نہ موقع کی نزاکت کا خیال تھا اور نہ ہی اپنی عزت کا، منزہ نے سہم کر بے ساختہ بالائی منزل پر نگاہ ڈالی، فجر کی اذانیں ہو چکی تھیں، فاخرہ نماز کے لئے اٹھ گئی ہوگی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ بات گھر کی چار دیواری سے باہر نکلے، آخر لڑکی ذات کا معاملہ تھا۔

''وقار تم خاموش رہو اور تمہیں چیخنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔'' وسیم بھی وقار کے جذباتی پن پر خفا ہوئے، وہ دھیما لب و لہجہ اپنائے ہوئے تھے، انہوں نے تو زنیرہ کے لوٹ آنے کی آس پر گیٹ بھی دانستہ کھلا چھوڑ رکھا تھا تاکہ کوئی دستک کی آواز پر اس پہر زنیرہ کو گیٹ پر نہ دیکھ لے، انہیں اپنی عزت و وقار بے حد عزیز تھا جبکہ وہ جوش میں ہوش و خرد بھلائے ان کی عزت کی دھجیاں بکھیرنے پر تلا ہوا تھا۔

''ڈیڈی آپ تو اس کی بے غیرتی برداشت کر سکتے ہیں مگر میں نہیں، میں اسے جان سے مار دوں گا، یہ کہاں منہ کالا کر کے آئی ہے۔'' وقار ان کے ڈانٹنے پر معاملہ کی نزاکت سمجھنے کی بجائے الٹا غصے سے زنیرہ پر بگڑا تھا، زنیرہ کے چہرے پر ہراس پھیلا تھا، دفعتاً وقار نے آگے بڑھ کر اس کی گردن دبوچ لی اور اس کی گردن زور سے دبانے لگا، زنیرہ کے حلق سے دردناک چیخیں بے ساختہ نکل گئیں۔

''ہوش سے کام لو بیٹا تم کیوں میری عزت کے درپے ہو۔'' وسیم اور وقاص اسے قابو کرنے میں ناکام ہو گئے تو وسیم نے رندھے لہجے میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے، وقار میں اس لمحہ نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ وہ باپ اور بھائی سے بھی قابو نہ ہو رہا تھا، زنیرہ کی آنکھیں حلقے سے ابلنے کو تھیں کہ وقار کے مضبوط ہاتھوں کی سخت گرفت اس کی گردن پر ڈھیلی پڑی، زنیرہ فوراً نیچے بیٹھ کر لمبے لمبے سانس بھرنے لگی، منزہ ٹھنڈی ہوتی زنیرہ کی ہتھیلیاں مسلنے لگی جبکہ عائزہ بھاگ کر اس کے لئے پانی لے آئی۔

''کیا ہوا؟'' اسی وقت اندرونی دروازہ کھول کر ندیم اور فاخرہ اندر بھاگے آئے، ان کے لئے سچویشن خلاف توقع تھی، وہ رک کر سچویشن سمجھنے لگے، وسیم نے کرب سے آنکھیں موندلیں، آخر وہی ہوا تھا جس کا انہیں خدشہ تھا،

وقار کے جذباتی پن نے بات چار دیواری سے باہر نکال دی تھی، غیض و غضب میں ڈھلا وقار، نادم وسیم اور وقاص، نیم بے ہوش زنیرہ، متفکر عائزہ اور ہراساں صورت لئے زنیرہ کے حلق میں پانی ٹپکاتی منزہ، یہ سب کسی کند ذہن کو بھی سچویشن کے ادراک کے لئے کافی تھا، ان دونوں کو اپنے سوال کا جواب مل چکا تھا، زنیرہ نے چند روز قبل ہی تو ندیم کے پاس جا کر عاطف سے شادی سے انکار کیا تھا، ندیم نے بھائی کو اپنے سینے سے لگا کر سہارا دیا، وسیم بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا، فاخرہ، منزہ اور عائزہ نیم جان زنیرہ کو اٹھا کر کمرے میں لے گئیں، اس کی حالت پہلے سے بہتر تھی، وقار کا غصہ جھاگ کی مانند بیٹھ گیا تھا، باپ کے آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے، وہ ندامت سے نظریں چرائے اپنے کمرے میں گھس گیا، وہی تو اس سچویشن کا ذمہ دار تھا، کیا تھا اگر وہ اپنے غصے پر قابو پالیتا، اس کے لئے اپنے بے حد مشفق باپ کے آنسو سہنا بے حد مشکل تھا، وقاص کی پرتاسف نظروں نے اس کی ندامت بڑھا دی تھی، ندیم بھائی کی پشت سہلا کر اسے چپ کروانے لگے، بھائی کے آنسو ان کا سینہ چیرے دے رہے تھے، وسیم کی سسکیاں کسی طور تھمنے کا نام نہ لے رہی تھیں، وسیم اندر کی گھٹن آنسوؤں کے رستے نکالنے لگے، وقاص باپ کے آنسو پونچھتے پونچھتے خود بھی روہانسا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

زنیرہ نے یونیورسٹی چھوڑ دی، اس کا لاسٹ سمسٹر تھا، ایگزامز میں تین ماہ تھے اس نے داخلہ بھجوانے تک اپنی میڈیکل لیو یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹ میں جمع کروا دی تھی، وہ کسی صورت ذیشان کا سامنا نہ چاہتی تھی، اسے ذیشان سے نفرت ہو گئی تھی، ذیشان نے اس کی انا خودی اور عزت نفس کی دھجیاں بکھیری تھیں، وہ اندر سے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکی تھی، محبت، اعتماد، بھروسہ اور یقین ٹوٹے تو انسان یونہی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتا ہے۔

''آپی کھانا کھا لیں۔'' وہ کل صبح سے بھوکی تھی، اس کی بھوک پیاس ہر حس ختم ہو چکی تھی، اس نے کل سے کچھ نہیں کھایا پیا تھا اور اسے بھوک پیاس کا احساس بھی نہ تھا، محبت اور اعتماد کی ٹوٹی کرچیوں کی چبھن کا احساس اتنا شدید تھا کہ کوئی اور احساس باقی ہی نہ رہا تھا، کل سے رو رو کر تو اس کی آنکھوں سے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے وہ دونوں گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی کہ عائزہ اس کے لئے کھانا لے آئی۔

''مجھے نہیں کھانا ہے۔'' وہ روکھے پن سے بولی تھی، اس کا دل دنیا کی ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا، گھر میں کوئی بھی اس سے بات کرنا تو درکنار اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ تھا، مما اور ڈیڈی اس سے سخت خفا تھے، وقار آتے جاتے اسے یوں دیکھتا جیسے اسے کچا نگل جائے گا، وقاص بھی خفا تھا مگر وہ اسے آتے جاتے کھا جانے والی نظروں سے نہ گھورتا تھا کہ میں صرف عائزہ تھا جسے اس کی پرواہ تھی، وہ اس سے برائے نام بات کرتی تھی لیکن اس کے لئے باقاعدگی سے کھانا لے کر آتی تھی جو واپس لوٹا دیتی۔

''آپی آپ کب تک اس کی بے وفائی کا سوگ منائیں گی۔'' زنیرہ نے رو رو کر اپنی پارسائی کا ثبوت دینے کے لئے ساری حقیقت اگل دی تھی، اس کی بے گناہی و پارسائی کا اعتبار کر لیا گیا تھا، مگر اس کے گھر چھوڑنے کی غلطی معمولی نہ تھی کہ سب آسانی سے بھلا دیتے، عائزہ کو غصہ آ گیا، وہ کل سے بھوکی پیاسی اپنی ناکام

محبت کا سوگ منانے میں مگن تھی۔

''میں کسی کی محبت کا سوگ نہیں منا رہی ہوں تم چلی جاؤ یہاں سے۔'' جان نچھاور کرنے والے مشفق ڈیڈی نے کل سے اس کے کمرے میں جھانکا تک نہ تھا، ان کی تو زنیرہ میں جان تھی اور وہ اپنی جان کو ہی بھلائے ہوئے تھے، زنیرہ کے لئے ان کی ناراضگی سوہان روح تھی وہ لاکھ ضدی، خودسر وہٹ دھرم سہی مگر اسے ڈیڈی سے حد عزیز تھے وہ جواباً اونچا چلائی اور ہاتھ مار کر کھانا کے برتن گرا دیئے۔

عائزہ اسے ترحم و ترس بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تھی، اسے زنیرہ سے ہمدردی بھی محسوس ہو رہی تھی، اس نے اپنی محبت بھی کھوئی تھی اور گھر والوں کا مان اور اعتماد بھی، وہ بالکل تہی داماں تھی، اس کی جھولی میں تو کچھ بھی نہ تھا، وقت نے اس پر بے حد ظلم کیا تھا وہ بڑی بے رحمی سے دھتکاری گئی تھی، اس کے دامن میں صرف پچھتاوے اور ندامت کے آنسو تھے۔

☆☆☆

''وسیم آپ اتنا ٹینس کیوں رہنے لگے ہیں، زنیرہ بالکل پاکباز ہے اس سے غلطی ہوئی ہے گناہ نہیں۔'' قدرت نے ان پر بڑا کرم کیا تھا، ان کی برسوں کی عزت خاک میں ملنے سے بچ گئی تھی، ندیم اور فاخرہ نے حسب وعدہ اس واقعے کی بھنک کسی کے کانوں تک نہ پہنچنے دی تھی، وسیم کے آنسوؤں نے ندیم کا دل بری طرح دکھایا تھا، اس نے پہلی بار بھائی کو دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا تھا، وسیم اتنی شدت سے تو امی اور ابو کی وفات پر بھی نہ رویا تھا، ندیم نے بھائی سے راز داری کا وعدہ کر کے فاخرہ کو بھی راز داری کی سختی سے تاکید کی تھی، یوں گھر کی بات گھر کی چار دیواری میں دب گئی تھی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی تھی حتی کہ نعیم، سدرہ اور نوشینہ کو بھی نہیں، اب تو اس بات کو کئی روز گزر گئے تھے، وسیم کی چپ نہ ٹوٹی تھی نہ جانے ایسا کون سا احساس ندامت یا پچھتاوا تھا جس نے ان کے لبوں کی ہنسی تک چھین لی تھی، رفتہ رفتہ وقار اور وقاص بھی نارمل ہونے لگے تھے، زنیرہ نے تو ایگزامز کا بہانہ کر کے یونیورسٹی ہی چھوڑ دی تھی، وہ ہر وقت لب بہ مہر اپنے کمرے میں بکس میں سر دیے رہتی تھی، کھانے کے بعد وسیم سونے کے لئے لیٹے تو منزہ ان کے لئے دودھ کا گلاس لے آئیں، وہ ان کی پراسرار خاموشی سے گھبرانے لگی تھیں، وسیم کی بھید بھری خاموشی اور کچھ جتلاتی نظریں منزہ کو ہراساں کیے رکھتی تھیں۔

''کچھ نہیں۔'' وسیم بچوں کے ساتھ نارمل تھے بلکہ وہ زنیرہ سے بھی اک آدھ بات کر لیتے تھے، مگر وہ منزہ سے عجب کھنچے کھنچے رہنے لگے، کمرے میں آتے ہی ان کے لبوں پہ گہری چپ اور چہرے و آنکھوں میں بیگانگی بھری سرد مہری بھر جاتی تھی، ان کی منزہ سے مختصر رسمی گفتگو ہوتی تھی، یا وہ ضرورتاً منزہ کو مخاطب کرتے تھے انہوں نے مختصر جواب دیا اور گلاس لبوں سے لگا لیا، گویا وہ مزید گفتگو کے موڈ میں نہ تھے۔

''وسیم آپ بہت بدل گئے ہیں آپ کو میری بالکل پرواہ نہیں رہی ہے۔'' منزہ نے اک ادائے ناز سے ان کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے گلہ کیا، وہ یکدم بائیس سال پہلے والی منزہ بن گئیں، وسیم کی نظروں کی بیگانگی اور سرد مہری بڑھ گئی تھی، انہوں نے نامحسوس انداز میں منزہ کا ہاتھ پرے کیا، جیسے کسی اچھوت نے انہیں چھو لیا ہو، منزہ کی آنکھوں میں تحیر ابھر آیا، وسیم کی سرد مہری و بیگانگی نے انہیں چونکا دیا تھا۔

''منزہ زندگی میں بعض ان کہی باتیں اور

ملال سے دکھوں کا بوجھ کم رہتا ہے ورنہ دکھ و تاسف سے سانس لینا بوجھل ہو جاتی ہے۔'' وسیم نے نرم دھیمے لہجے میں بردباری کا مظاہرہ کیا، وہ تنہا دل پہ بوجھ جھیلتے جھیلتے تھک گئے تھے، انہوں نے منزہ کے مکر وفریب سے آگہی کے باوجود اس کا یقین آنکھیں بند کرکے کیا تھا اور انہیں کیا حاصل ہوا تھا، صرف پچھتاوا اور ندامت، دل میں ہمیشہ رہ جانے والی اک کسک جس کی ٹیسیں ان کی آنکھیں ہمہ وقت دھواں دھواں رکھتی تھیں اور وہ کتنا بے بس تھے کہ نہ چاہتے ہوئے یہ بوجھ جھیلنے پر مجبور تھے، اس میں کسی اور کا نہیں، ان کا اپنا دوش تھا اور انہیں یہ عذاب بھی تنہا جھیلنا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا وسیم، آپ کھل کر بات کریں۔'' منزہ چوکس ہوگئی تھیں ان کے کان کھڑے ہوگئے، وسیم کن ان کہی باتوں کا ذکر کر رہے تھے ان کے فرشتے بھی بے خبر تھے۔

''تم نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے منزہ۔'' وسیم کے لہجے میں کرب بھرا درد تھا ان کی آنکھوں میں اک نامحسوس نمی تھی جس نے انہیں کئی روز سے آزردہ کر رکھا تھا۔

''وسیم! میں نے آپ کے ساتھ کیا برا کیا ہے، زنیرہ پہلے کب بھلا میرے کنٹرول میں تھی۔'' وہ گول مول انداز میں پہیلیاں بجھوا رہے تھے، منزہ چڑ کر غصے سے ان پر الٹ پڑیں، وہ بھی تو پریشان تھیں مگر وسیم سارا دوش صرف انہی کو دے رہے تھے وہ بھی باپ تھے ان کی بھی کچھ ذمہ داریاں تھیں، اگر ان سے تربیت میں کوئی کمی رہ گئی تھی تو وسیم سے بھی ذمہ داریوں میں کوتاہی ہوئی تھی، منزہ ان کے لئے دیئے خفا خفا انداز پر انہیں منانا چاہتی تھیں مگر وہ اب خود خفا سی منہ بسورے بیٹھی تھیں، وسیم نے خواہ مخواہ سارا دوش انہی کو دے دیا تھا یہ سراسر ناانصافی تھی۔

''ہاں تم نے میرے ساتھ بھلا کیا برا کیا ہے، تم نے تو برا نوشینہ کے ساتھ کیا تھا اور میں کتنا کاٹھ کا الو نکلا کہ اس وقت مجھ پر کسی کے سمجھانے کا کوئی اثر نہ ہوا تھا، میں سمجھا تھا کہ منزہ سچی ہے نوشینہ اس پر بہتان تراشی کر رہی ہے۔'' وسیم زیر لب غیر مرئی نقطے کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائے، ان کی بڑبڑاہٹ دھیمی تھی لیکن منزہ کے کانوں تک بخوبی پہنچ رہی تھی، وہ حق دق رہ گئیں، ان کا بھید کھل گیا تھا، انہوں نے بائیس سال شوہر کے دل پر راج کیا تھا ان کی حاکمیت میں کوئی دوسرا شامل نہ تھا، نوشینہ کا کانٹا ان کی زندگیوں سے ہمیشہ کے لئے نکل چکا تھا، وہ پرسکون زندگی جی رہے تھے پھر قسمت نے یہ کیسا پانسا پلٹا تھا کہ وہ برسوں کی جیتی بازی ہار گئی تھیں، وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر الفاظ ان کے حلق میں کانٹے کی مانند پھنس گئے تھے۔

☆☆☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا، نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھیں، بے چینی اضطراب، کرب چبھن، احساس ندامت انہیں گھیرے ہوئے تھے، وہ فتح کے نشے میں چور اپنی زندگی میں مگن تھیں، یکا یک قدرت نے اپنی ڈھیلی کی ڈوریں یوں کھینچیں کہ وہ منہ کے بل یوں گر پڑیں کہ ساری زندگی سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہ رہیں، ان کے لبوں سے سرد آہ نکلی، وسیم محو نیند تھے یا محض سونے کا ڈرامہ کر رہے تھے وہ سمجھ نہ سکیں، انہوں نے سر بیڈ کی پٹی سے ٹکا لیا، ان کا کھیل کامیابی سے انجام بخیر پایا تھا اور سب کچھ ان کے حسب منشا ہوا تھا پھر یہ سب کیسے، انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''بھابھی پلیز آپ ایک بار تو وسیم بھائی سے بات کریں مجھے یقین ہے کہ وہ میرے لئے

ضرور اسٹینڈ لیں گے۔" منزہ کے کانوں میں برسوں پرانی بازگشت گونجی تھی، انہوں نے تو برسوں ہوئے کسی بازگشت پر کان نہ دھرے تھے پھر آج کیسے، اس کی بازگشت نے ان کا پیچھا کر لیا، منزہ نے کرب سے لب بھینچ لئے۔

انسان کو بعض اوقات اپنے اعمال کا حساب اسی زندگی میں دینا پڑتا ہے انہیں بھی اپنے اعمال کا حساب دینا تھا، شوہر کی آنکھوں میں محبت کی جگہ کرب اور بدگمانی تھی وہ اندر سے ڈھے گئی تھیں، اندرونی خلفشار اور توڑ پھوڑ سے ان کا سر بھاری ہوا جا رہا تھا۔

"بھابھی میں بھیا کو منالوں گی میں خود ان سے بات کرتی ہوں۔" اس کی بازگشت دوبارہ ان کے کانوں میں گونجی تھی، انہوں نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر سختی سے رکھ لئے تھے اور آنکھیں زور سے میچ لیں۔

"بھابھی وسیم بھیا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔" وہ جتنا اس کی یادوں اور بازگشت سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھیں اتنا ہی اس کی یادیں دل و دماغ پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھیں، وہ انہیں بائیس برسوں میں پہلی بار یاد آئی تھی اور اتنی شدت سے کہ وہ چاہ کر راہ فرار نہ ڈھونڈ پا رہی تھیں۔

"نوشینہ مجھے معاف کر دو۔" منزہ کے لب بے آواز ہلے تھے، زنیرہ کا گھر سے فرار ان کے اعمال کا جواب تھا، انہوں نے وسیم کو ان کی محبوب بہن سے جدا کیا تھا اک بے گناہ پر بہتان تراشی تھی، انہوں نے قدرت کی پکڑ کی سخت گرفت میں تو آنا ہی تھا، وسیم اتنے کم عقل یا کمزور یاد داشت کے مالک بھی نہ تھے کہ انہیں بائیس برس پہلے کی بات بھول گئی ہو انہیں تو اپنے بچپن کی یادیں بھی حفظ تھیں اور نہ ہی اتنے کوڑھ مغز کہ سامنے کی بات کھلنے پر بھی نہ سمجھتے، منزہ ذلت کے پاتال میں رفتہ رفتہ کندھوں تک دھنس گئی تھیں۔

"نہیں میں وسیم سے معافی مانگ لوں گی، وہ مجھے بے حد چاہتے ہیں سب سے زیادہ۔" منزہ ابھی بھی خوش گمانی کے سمندر میں غوطہ زن تھیں یا پھر انہیں امید تھی کہ وہ ایک بار پھر اپنی ہار کو جیت میں بدل لیں گی، بہرحال کچھ سہی وہ آخری کوشش وسیم کو منانے اور ان کا دل جیتنے کی کرنا چاہتی تھیں۔

☆☆☆

"بھابھی نیچے سب خیریت تو ہے نا۔"

نوشینہ ہفتہ بھر میں میکے کا ایک چکر ضرور لگاتی تھی، نچلے پورشن میں گمبھیر سناٹا چھایا ہوا تھا، وقاص کی ندیم اور نوشینہ کے بچوں سے خاصی دوستی تھی، وہ ودید اور موحد سے خاصا فرینک تھا اس نے اوپر آنا بھی چھوڑ دیا تھا، نچلی منزل میں یوں خاموشی چھائی تھی جیسے وہ غیر آباد اور ویران ہو، نوشینہ سناٹا اور اداس خاموشی محسوس کر کے پوچھے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"ہوں، سب خیریت ہے۔" فاخرہ نے مصروفیت بھرا مختصر جواب دیا، عبدالاحد (نوشینہ کا چھوٹا بیٹا) کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہوا تھا، ندیم نے ان کی اسی خوشی میں دعوت کی تھی، فاخرہ کچن میں بری طرح مصروف تھی اور پھر انہوں نے وسیم سے وعدہ بھی کر رکھا تھا، وہ وعدہ خلاف نہ تھی، فاخرہ کا مکمل دھیان اپنے کام کی طرف تھا، نوشینہ نے اک گہری نظر اس پر ڈالی اور ریلنگ کے قریب آ کھڑی ہوئی، نیچے تمام کمروں کی لائٹس آن تھیں، سب کی گھر میں موجودگی میں اتنی خاموشی اس کے حلق سے با آسانی نہ اتر رہی تھی، منزہ بھابھی تو بولتے تھکتی نہ تھیں وہ بھی جانے اپنی زبان کہاں چھوڑ آئی تھیں، نوشینہ محبت بھری

عقیدت سے در و بام کو دیکھ رہی تھی، اس کے دل سے اس گھر کے نفوس کبھی بھی نہ نکلے تھے، وہ تو مدت ہوئی منزہ بھابھی کو معاف بھی کر چکی تھی ان کے بنا معافی مانگے، سناٹا اس کا دل چیرنے لگی، اس سے نچلی منزل کی ویرانی نہ دیکھی گئی، تو ٹھنڈی آہ بھرتی وہاں سے ہٹ گئی۔

''آنٹی وقاص کہاں ہے۔'' کھانا لگ گیا تھا، موحد کو اس کی کمی محسوس ہوئی تو وہ فاخرہ سے پوچھے بنا نہ رہ سکا تھا، ندیم اور فاخرہ اک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے، وقاص نے تو اوپر آنا ہی چھوڑ دیا تھا، وہ کسی کا سامنا نہ کرتا تھا۔

''بیٹا وہ اپنے کسی دوست کی طرف ہوگا۔'' فاخرہ نے بروقت بہانہ گھڑا تھا، زندگی میں اک عجیب ٹھہراؤ سا آ گیا تھا، منزہ کی تیزی طراری بھی قصہ پارینہ بن چکی تھی، فاخرہ نے بھی نیچے جانا کم کر رکھا تھا مبادا وہ سمجھے کہ فاخرہ ٹوہ لینے کے لئے آتی ہے، وہ دیورانی کی کینہ توز فطرت سے واقف تھی اسی لئے وہ نہیں چاہتی تھی کہ منزہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو، وہ اپنے وعدے پر کاربند تھی۔

''یار وقاص نے تو گھر سے بھی نکلنا کم کر رکھا ہے جب دیکھو وہ اپنے کمرے میں گھسا رہتا ہے۔'' عاطف نے گفتگو میں دخل اندازی کی، نوشینہ بری طرح ٹھٹک گئی، موحد بے نیازی سے کندھے اچکا کر کھانے میں محو ہو چکا تھا، کہیں کچھ گڑبڑ ضرور تھی، بچے کھانا کھا کر کمپیوٹر کے سامنے جگہ سنبھال چکے تھے، ندیم اور شہروز سیاسی گفتگو میں بزی تھے، نوشینہ موقع پاتے ہی کچن میں فاخرہ بھابھی کا ہاتھ بٹانے چلی آئی۔

''بھابھی کیا بات ہے آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔'' نوشینہ کو بے چینی لگی تھی، وہ دوبارہ کریدے بغیر نہ رہ پائی تھی، برتن دھوتی فاخرہ کے ہاتھ میں لحہ بھر کو پلیٹ ڈگمگا گئی، بھرپور کھوجتی نظروں سے دیکھتی نوشینہ سے فاخرہ کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ چھپی نہ رہ سکی تھی۔

''مجھے بتائیں کیا بات ہے۔'' نوشینہ نے فاخرہ کے دونوں ہاتھ تھام لئے، فاخرہ کے لئے راہ فرار مسدود ہو چکی تھی، نوشینہ کی قطعیت بھری نظریں اسی پر جمی تھیں۔

''نوشینہ تمہارا وہم ہے۔'' فاخرہ نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کی مضبوط گرفت سے چھڑوا لئے اسے ہر صورت وعدہ کا پاس مقصود تھا، ندیم کو علم ہوتا تو وہ الگ خفا ہوتے۔

''بھابھی!'' نوشینہ کے لہجے میں مان بھری خفگی سمٹ آئی، اس نے کبھی فاخرہ سے کوئی بات نہ چھپائی تھی وہ سدرہ آپی کی نسبت ان سے زیادہ قریب تھی اور وہ اس پر اعتماد کرنے کو ہی تیار نہ تھیں یا پھر راز بہت بڑا تھا کہ جس کا اس سے چھپانا بھی بے حد ضروری تھا۔

''نوشینہ تم اپنے بھائی سے جا کر پوچھو پلیز مجھے فورس نہ کرو، میں وعدے کی پابند ہوں اور ہاں میرا نام بیچ میں ہرگز نہ آئے۔'' فاخرہ نے چار و ناچار اسے راز داری کی شرط پر راہ سجھائی تھی، نوشینہ پرسوچ ہنکارا بھر کر رہ گئی، فاخرہ پر مزید دباؤ ڈالنے کا کوئی فائدہ نہ تھا، اگر انہوں نے بتانا ہوتا تو وہ بنا کسی فورس کے بتا دیتیں۔

''مما چلیں۔'' تھوڑی دیر میں شہروز بچوں سمیت جانے کو تیار تھے، عبدالاحد اسے بلانے چلا آیا۔

''شہروز آپ بچوں کو ساتھ لے جائیں میں آج یہیں رہوں گی۔'' نوشینہ فیصلہ کر چکی تھی اس نے نرمی سے شہروز سے مطالبہ کیا، وہ برسوں بعد میکے رات رہنے کا تقاضا کر رہی تھی شہروز انکار نہ کر سکا، وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

''مما میں بھی آپ کے ساتھ رہ جاؤں۔''
پشمینہ کی اپنی کزن کبریٰ سے گہری دوستی تھی وہ لاڈ سے ماں کے بازو سے لٹک گئی، کبریٰ نے بھی پر زور تائیدی انداز میں گردن ہلائی۔
''او کے ہم کل آ جائیں گے۔'' نوشینہ نے اسے اجازت دے دی، وہ خوشی سے کھل اٹھی اور کبریٰ کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی۔
''مما یہ فاؤل ہے۔'' موحد اور ودید چلائے تھے، موحد فورتھ ائیر میڈیکل کا سٹوڈنٹ تھا اس کے ایگزامز قریب تھے جبکہ ودید کے پریکٹیکل چل رہے تھے۔
''نو وے چلو تم تینوں پاپا کے ساتھ۔'' نوشینہ نے سختی سے انگلی اٹھائی تھی وہ منہ بسورنے لگے۔
''نوشینہ انہیں بھی رہنے دو نا۔'' ندیم بھیا سے بھانجوں کی اتری شکلیں نہ دیکھی گئیں۔
''بھیا ان کے ایگزامز قریب ہیں یہ پھر آ جائیں گے۔'' نوشینہ نے اپنے مخصوص قطعیت بھرے لہجے میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے بچوں کو گھورا تو انہیں چاروناچار باپ کے ساتھ جانا پڑا۔

☆☆☆

''وسیم آپ ایک بار میری بات تو سن لیں پلیز۔'' زندگی میں بعض اوقات جان لیوا اور کٹھن لمحات یوں اپنے پنجے گاڑھ لیتے ہیں جیسے وہ کبھی ختم ہی نہ ہوں گے، جان لیوا لمحات میں انسان پل پل کرب واذیت سے دوچار ہوتا ہے، کرب و اذیت کے یہ لمحے اتنے طویل ہوتے ہیں کہ زندگی خزاں رسیدہ شاخ کی مانند سخت آندھیوں کی زد میں آ جاتی ہے، منزہ اپنی تئیں بازی جیت چکی تھی وہ مطمئن وشاد زندگی گزار رہی تھی کہ وسیم لمحہ آگہی کی زد میں آ گیا تو لمحہ آگہی کا یقین کسی الہام کی طرح وسیم کے دل پہ یوں اترا تھا کہ وہ منزہ کی کوئی بات سننا تو درکنار اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ تھا اور یہی منزہ کی ہار تھی، اس کی شکست تھی، اسے یاد تھا کہ ندیم بھیا اور سدرہ آپی نے وسیم کو منانے و سمجھانے کے کتنے جتن کیے تھے اور وسیم الٹا انہی سے بگڑا رہنے لگا تھا پھر انہوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔
منزہ کو بھی تو اس کرب انگیز پر قیامت رات میں نوشینہ بہت یاد آئی تھی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا احتساب کرنے بیٹھ گئی تھی، تو پھر وسیم کو وہ کیسے یاد نہ آتی، جو اس کی کل متاع تھی، وہ اس کی ہستی کا کل سرمایہ تھی، وسیم لمحہ آگہی کی زد میں آ کر منزہ سے بے زاری محسوس کرنے لگا تھا، منزہ کے لئے محبوب شوہر کی بے رخی سہنا عذاب تھا، اس نے یہ سب وسیم کو مکمل پانے کے لئے ہی تو کیا تھا اسے اپنے اور وسیم کے درمیان کسی دوجے کا وجود گوارا نہ تھا خواہ وہ نوشینہ ہی کیوں نہ ہوتی، وسیم اس سے کھنچا کھنچا تھا اور خفا بھی، اسے یقیناً تھا کہ وہ اپنی محبت سے وسیم کو منا لے گی، وہ اسے ایک بار پھر جیت لے گی مگر وہ بے خبر تھی کہ تقدیر سدا انسان کا ساتھ نہیں دیتی ہے۔
''منزہ مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننا ہے۔'' وسیم نے نفرت واشتعال بھری نگاہ اس پر ڈالی، منزہ ششدر رہ گئی، وسیم کی نظروں میں اس کے لئے صرف نفرت تھی، حقارت تھی، وہ اندر سے ڈھے گئی، اس کے چہرے پر تاریک سایہ لرز کر رہ گیا۔
''وسیم آپ ایک بار......'' منزہ کے لب دھیرے سے کپکپانے لگے، اس نے اپنا لرزتا و کانپتا ہاتھ وسیم کے کندھے پر رکھنا چاہا، تو وسیم نے نفرت سے اس کا ہاتھ بری طرح جھٹک دیا، منزہ کی بات ادھوری رہ گئی تھی اس کے الفاظ حلق میں

اٹک کر رہ گئے تھے، وہ بت کی مانند ساکت رہ گئی۔

''مجھے تمہاری مزید کوئی بات نہیں سننی ہے، مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی ہے کہ میں نوشینہ سے کیسے معافی مانگوں۔'' وسیم کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی، اس نے بائیس برس ایک جھوٹی عورت کا اعتبار کیا تھا، اس کی یہی سزا کافی تھی کہ وہ بائیس برس سے نوشینہ سے دور تھا وہ جو اس کی عزیز ہستی تھی اس کا فخر و مان تھی منزہ نے اس کا فخر و مان توڑا تھا اس کا گناہ کچھ کم نہ تھا۔

''وسیم میں غلط تھی میں رشتوں میں توازن نہ رکھ پائی اور غلط راہ پر چل پڑی تھی۔'' منزہ کہنا چاہتی تھیں مگر الفاظ نے ان کا ساتھ نہ دیا، آنسو ان کے گالوں کو بھگونے لگے، وہ ہار گئی تھیں، جیت نوشینہ کا مقدر ٹھہری تھی، انہوں نے شوہر کا اعتماد بھی کھویا تھا اور ان کا دامن بھی خالی رہا تھا، ہار اور پچھتاوا کسک بن کر ان کی روح میں اتر گیا تھا، وسیم کی نگاہوں سے پھوٹتے نفرت بھرے شرارے نے انہیں جلا کر بھسم کر دیا تھا، وہ چاہ کر بھی اپنی صفائی میں کچھ نہ کہہ سکی تھیں، جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے اور سچائی سرخرو ٹھہری تھی۔

''اتنا سب کچھ ہو گیا اور مجھے کسی نے بتانا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔'' ماحول پر روح میں اتر جانے والا جامد سناٹا چھایا ہوا تھا، نوشینہ نے ندیم سے حقیقت اگلوالی تھی، وہ صدمے سے چور تھی گھر میں اتنا بڑا واقعہ ہو گیا تھا اور کسی نے اسے بتانا تک نہ تھا۔

''نوشینہ وسیم بہت پریشان ہے اس نے ہم سے وعدہ لیا تھا، ہم نے کسی کو بھی یہ بات نہیں بتائی اور پلیز تم بھی مت بتانا۔'' ندیم بھائی کی خفگی کے خیال سے سہم گیا تھا، وسیم نے نوشینہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا تو اسے بھی چھوڑ سکتا تھا، وہ بھائی کو اس مشکل اور کڑے امتحان میں تنہا اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑنا چاہتے تھے، وہ تو اپنا وعدہ نبھا رہے تھے نہ جانے نوشینہ کو کیسے بھنک پڑ گئی اور وہ ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئی، وہ نوشینہ کا بار بار ٹھنکنا نوٹ کر چکے تھے انہیں نوشینہ کے رات رکنے پر ذرا شک گزرا مگر انہوں نے اپنے دل سے وہم نکال دیا۔

''بھائی کیا آپی اور بھیا بھی لاعلم تھے۔'' نوشینہ نے کسی خیال کے تحت پوچھا تھا۔

''ہوں۔'' ندیم نے مختصر ہنکارا بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا، نوشینہ نے طویل سانس بھری وقت سب سے ظالم شے ہے یہ بڑے بڑے فرعونوں کو بھی ڈھا دیتا ہے، اس نے تو کبھی منزہ بھابھی کو کوئی بددعا تک نہ دی تھی، بلکہ اس نے تو منزہ بھابھی کی ناانصافی بھلا کر انہیں دل سے معاف کر دیا تھا، نوشینہ کی ساکت و جامد غیر مرئی نقطے پر مرکوز پتلیوں پر ماضی کی پرچھائیوں کے سائے لرز رہے تھے، اس نے بھلا کب یہ سب چاہا تھا، وسیم بھیا کی بے لوث چاہت اور منزہ بھابھی کی پرفریب محبت، اسے کیا کچھ نہ یاد آیا تھا۔

''نوشینہ!'' ندیم بھائی کو اس پر کسی بت کا گمان ہوا تو انہوں نے ہولے سے اس کا کندھا ہلایا فاخرہ بھابھی لاتعلق سی بیٹھی دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں، وہ نوشینہ کی فطرت سے واقف تھیں وہ بے حد نرم دل اور آہنی اعصاب کی مالک تھی جو دل میں ٹھان لیتی وہ پورا کر کے دم لیتی تھی فاخرہ اسے صدمے سے بچانے کے لئے مسلسل ٹال مٹول سے کام لے رہی تھیں مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی اس نے ندیم سے حقیقت اگلوالی تھی، ندیم بھی اسے ٹالنے لگے تو اس نے انہیں اپنی قسم دے کر مجبور کر دیا تھا، فاخرہ زیادہ دیر لاتعلق نہ رہ

www.urdusoftbooks.com

سکیں، وہ متفکری اس کے پاس آ گئیں، وہ دونوں نوشینہ کی یاسیت و اداسی بھری صورت دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے، ندیم کو بھی بچوں کا بھی خیال تھا اگر بچوں میں سے کوئی ادھر آ جاتا تو وہ اس کی مخدوش حالت کے متعلق پوچھ پوچھ کر ان کے ناک میں دم کر دیتا۔

''اٹس او کے آئی ایم فائن بھیا۔'' نوشینہ چہرے پر جبری مسکراہٹ طاری کرتی بمشکل خود کو سنبھالتی ہوئی اٹھ گئی، ندیم اور فاخرہ کی پر تفکر نگاہیں اس کے ڈگمگاتے قدموں سے لپٹی تھیں۔

☆☆☆

نیلا آسمان روشن و چمکیلے ستاروں سے سجا ہوا تھا، تاروں کی روپہلی چمک و روشنی کائنات پر فسوں پھونک رہی تھی، وہ لان میں کھلتی کھڑکی میں کہنی ٹکائے آسمان پر نظریں ٹکائے ہوئے نہ جانے کس دنیا میں گم تھی، وہ ماحول کے پرفسوں سحر سے آزاد سوچوں میں غلطاں تھی، وہ جب سے آئی تھی ایک نامعلوم خاموشی اس کی ذات سے لپٹی ہوئی تھی، شہروز دبے پاؤں اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا، نوشینہ آہٹ پر چونک کر مڑی، وہ شہروز کی محبت بھری پر تفکر و ذومعنی نظروں کے حصار میں تھی وہ اسے نظر انداز کرتی پلٹی اور بے نیازی سے دوبارہ آسمان دیکھنے لگی، شہروز ٹھٹک گیا، بے نیازی اس کی ذات کا خاصہ تو نہ تھی اور شہروز کے لئے تو بالکل نہیں بلکہ یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کہ شہروز اس کے پاس ہو اور وہ اس سے بے نیازی برتے۔

''تم اپنا دل مکمل اعتماد کے ساتھ میرے سامنے کھول کر رکھ سکتی ہو نوشینہ۔'' انسان اپنی محبوب ہستی کو یونہی بلاوجہ نظر انداز نہیں کرتا، وہ اس سے بے نیازی کسی خاصے برتے پر ہی اپناتا ہے، نوشینہ کے چہرے پر اندرونی خلفشار کی کشمکش نمایاں تھی، شہروز تو اس کی رگ رگ سے واقف تھا پھر بھلا اس کی اداسی و اذیت کیسے نہ بھانپتا، نوشینہ کے چہرے پر نرم دھیمی مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے فخر و محبت سے اپنے ہم سفر کی آنکھوں میں جھانکا، شہروز نے اسے کبھی مایوس نہ کیا تھا، وہ بنا کہے اس کے دل میں جھانک لیتا تھا، اس نے اب بھی اس کے اندر جھانک لیا تھا، وہ افسردہ تھی بھلا اسے خبر کیسے نہ ہوتی۔

''شہروز زندگی انسان کو بعض اوقات ایسے دوراہے پر لا کھڑا کرتی ہے کہ اس کے آگے کھائی ہوتی ہے اور پیچھے دلدل، انسان لاکھ چاہ کر بھی اک قدم تک نہیں اٹھ سکتا۔'' نوشینہ کی آواز کسی گہری کھائی سے ابھرتی محسوس ہوتی تھی، نوشینہ کو وسیم بے حد یاد آ رہا تھا برسوں بعد یادوں کی پرچھائیوں نے مدت سے سلے زخموں کے منہ ادھیڑ دیئے تھے، نوشینہ نے لمحہ بھر کا توقف کر کے شہروز کی خاموش نظروں میں جھانکا جہاں کئی سوال مچل رہے تھے، شہروز اسے بولنے کا موقع دینا چاہتا تھا، اس نے نرمی سے نوشینہ کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر تھپتھپایا، یہ اس کا مخصوص انداز تھا جب اسے نوشینہ کو اپنی بھرپور ہمراہی و محبت کا مان دینا ہوتا تو وہ یونہی اس کے ہاتھ تھام کر تھپتھپانے لگتا تھا، نوشینہ اس کے لمس کو پہچانتی تھی، وہ اس کی محبت کے ہر رنگ سے واقف تھی۔

''مجھے وسیم بھائی بہت یاد آ رہے ہیں شہروز۔'' نوشینہ کی روشن و چمکدار آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی، اداسی نے اس کے حسن کو عجب سوگواری بخشی تھی، شہروز چونک اٹھا، وہ اس کی غیر معمولی خاموشی سے کسی انہونی کی بو پا چکا تھا، شہروز نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا جیسے اسے اس کی حاضر دماغی پر شبہ ہو۔

www.urdusoftbooks.com

''شہروز بات دراصل یہ ہے کہ.....'' شہروز جانتا تھا کہ اسے اب نوشینہ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اسے خود ساری بات بتا دے گی، نوشینہ نے اس سے اپنی پریشانی شیئر کی تو اس کے لئے غیر متوقع حقیقت نکلی تھی، وہ چند ثانیے ساکت رہ گیا، وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو چکا تھا۔

''شہروز میں چاہتی ہوں کہ زنیرہ اور موحد کی شادی ہو جائے۔'' نوشینہ بھی ماضی نہ بھولی تھی لیکن اس کے دل میں خون کی کشش اور محبت ٹھاٹھیں مار رہی تھی، وہ بنا ملے بنا دیکھے وسیم بھائی کی پریشانی سمجھ سکتی تھی، وہ دونوں یونہی تھے یک جان دو قالب، اک دوجے کے دکھ درد بنا کہے سمجھنے والے، بعض اوقات انسانی عقل پر شک کے پردے پڑ جاتے ہیں جس سے سامنے کا واضح منظر بھی دھندلا جاتا ہے، وسیم کی عقل پر بھی پردہ پڑ گیا تھا، اسے یقین تھا کہ وسیم آج بھی اس سے شدید محبت کرتا ہے وہ ہر صورت بھائی کی پریشانی کم کرنا چاہتی تھی، وہ حتمی فیصلہ کر چکی تھی۔

''واٹ؟'' شہروز کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا، موحد میڈیکل کے فورتھ ائیر میں تھا، اس کی پڑھائی مکمل ہونے میں دو سال تھے اسے ابھی ہاؤس جاب بھی کرنا تھی، اس کے کیرئیر اسٹیبلش ہونے میں کافی وقت تھا اور پھر زنیرہ موحد سے ساڑھے تین سال بڑی تھی، نہ جانے موحد اس گیپ کو ذہنی طور پر قبول بھی کر پاتا یا نہیں۔

''شہروز پلیز میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔'' نوشینہ نے ملتجی ہو کر اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے، وہ بہت سوچ بچار اور ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی تھی، ندیم بھیا عاطف اور زنیرہ کے رشتے کے لئے صاف انکار کر چکے تھے، جبکہ نعیم بھیا اور سدرہ آپی کے بیٹے زنیرہ سے کافی بڑے اور میرڈ تھے، نعیم بھیا کا چھوٹا بیٹا کنوارا تھا مگر وہ اپنی ماموں زاد میں انٹرسٹڈ تھا، رمزہ بھابھی کا واضح جھکاؤ بھی اپنی بھتیجی کی طرف تھا اور پھر وہ اصل بات جان کر بھی زنیرہ کو بہو نہ بناتیں۔

''تم حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے موحد کی رائے بھی لے لو۔'' موحد سنجیدہ و ذمہ دار نوجوان تھا، اس کی رائے بے حد ضروری تھی، شہروز نوشینہ کی منت والتجا پر موم ہو گیا۔

''تھینک یو سوچ شہروز۔'' نوشینہ کے لئے اس کی رضا مندی بے حد اہم تھی، وہ ممنونیت بھرے بھیگے لہجے میں گویا ہوئی تھی، نوشینہ کو موحد کی رضا مندی بھی معلوم کرنا تھی شہروز کا مشورہ کچھ غلط نہ تھا۔

☆☆☆

''مما آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا۔'' نوشینہ اگلے روز ہی اس کے روبرو اس کے کمرے میں تھی موحد کے فورتھ ائیر کی اسٹڈی حال ہی میں شارٹ ہوئی تھی اس کا تھرڈ ائیر کا رزلٹ چند روز میں آنے والا تھا وہ ذہین و لائق سٹوڈنٹ تھا، چھوٹے بہن بھائیوں کی نسبت قدرے سنجیدہ ذمہ دار طبیعت کا مالک تھا اس میں لاابالی پن نام کی کوئی شے نہ تھی، وہ نوشینہ کو روبرو پا کر مودب ہو گیا۔

''تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے موحد۔'' وہ جانتی تھی کہ موحد اپنی اسٹڈی کے معاملے میں بے حد پکا ہے، وہ ایم بی بی ایس کے بعد سرجری میں اسپیشلائزیشن کے لئے باہر جانا چاہتا تھا، ملک کا بہترین سرجن بننا، اس کی زندگی کا اولین خواب تھا، نوشینہ نے گفتگو کی تمہید باندھی۔

''زبردست مما، آپ دعا کریں میرا رزلٹ ہمیشہ کی طرح شاندار آئے۔'' موحد کا اکیڈمک

www.urdusoftbooks.com

ریکارڈ شاندار تھا وہ اسے برقرار رکھتے ہوئے شاندار کامیابی کا متمنی تھا۔

''مما آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں۔'' نوشینہ کے چہرے پر ہچکچاہٹ تھی، وہ بات کرنے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی تھی کہ موحد نے مسکرا کر پوچھا، وہ غضب کا چہرہ شناس تھا۔

''موحد میں چاہتی ہوں کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔'' نوشینہ نے حد درجہ سنجیدگی سے محتاط انداز میں گفتگو کا آغاز کیا۔

''واٹ مما، میری شادی۔'' اس کے لبوں پر استہزائیہ ہنسی بکھر گئی جیسے اسے ماں کی بات کا یقین نہ آیا ہو۔

''زنیرہ تمہارے وسیم ماموں کی بیٹی ہے، وہ ایم فل کر رہی ہے، خاصی سلجھی ہوئی خوبصورت لڑکی ہے۔'' نوشینہ نے بے حد سنجیدگی سے اسے معلومات پہنچائی تھیں، موحد بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے ماں کو گھورنے لگا، اس نے وسیم ماموں کا صرف نام سن رکھا تھا مما اور ان کا کسی بات پر کلیش تھا، وہ ان کی خفگی کی نوعیت سے بے خبر تھا، اس کے لئے مما کے منہ سے وسیم ماموں کی بیٹی کا ذکر سننا خاصا حیران کن اور اچنبھے کا باعث تھا، وہ وسیم ماموں کی فیملی میں سے صرف وقاص سے واقف تھا اس کی ندیم ماموں کے ہاں وقاص سے چند بار ملاقات ہوئی تھی اور دونوں میں معمولی علیک سلیک بھی تھی، مما بے حد سنجیدہ تھیں، وہ چند ثانیے چپ کا رہا تھا۔

''کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے بیٹا۔'' کمرے میں گمبھیر خاموشی پھیلی تھی، نوشینہ نے تفکر سے بیٹے کے خاموش سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

''مما میں بھلا کسی سے ملے یا دیکھے بغیر کیسے اعتراض کر سکتا ہوں، میرے لئے تو زنیرہ کا ذکر غیر متوقع و حیران کن ہے۔'' موحد نے صاف گوئی سے دل کی بات کہہ ڈالی، وہ بچپن سے اپنے تین ماموؤں کا ذکر سنتا آیا تھا مگر وہ ملا دو ماموؤں سے تھا، اس کی وسیم ماموں سے واقفیت صرف نام کی حد تک تھی مما نے کبھی انہیں اپنے وسیم ماموں سے اختلاف کی نوعیت نہ بتائی تھی اور نہ ہی انہوں نے کبھی مما سے کوئی کرید کی تھی، وہ چاروں بہن بھائی بنا کہے سنے جان چکے تھے کہ ماموں کا ذکر ان کے لئے دکھ و اذیت کا باعث ہے اور وہ اپنی بے حد پیاری اور جان نچھاور کرنے والی ماں کو دکھ دینے کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے، آج مما نے اچانک ان کا ذکر کیا تھا، وہ ذہنی طور پر سچویشن قبول نہ کر پا رہا تھا اور وہ بھی زنیرہ کا ذکر بطور بہو۔

''کیا تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے موحد۔'' وہ بیٹے پر دباؤ نہ ڈالنا چاہتی تھی مگر اس کی دلی خواہش تھی کہ موحد مان جائے۔

''بالکل نہیں مما، کیا ماموں مان جائیں گے۔'' موحد صرف ماں کو خوش دیکھنا چاہتا تھا، اس نے ساری زندگی مما کی آنکھوں میں بے نام سی اداسی دیکھی تھی، اس نے انہیں تسلی دیتے ہوئے اپنا خدشہ ظاہر کیا، نہ جانے وہ اس رشتے پر راضی ہوتے یا نہیں، وہ تو مما سے ملنے تک کے روادار نہ تھے کجا یہ کہ نئی رشتے داری۔

''موحد وہ تم سے تقریباً چار سال بڑی ہو گی تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔'' خدشات نوشینہ کو بھی لاحق تھے، اس کا دل بھائی کی پریشانی کا سن کر ہی بے چین تھا، اس نے بیٹے کی آنکھوں میں جھانکا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ موحد کسی دباؤ میں آ کر فیصلہ کرے، وہ جانتی تھی کہ سمجھوتے کی زندگی متضاد شخصیات کی خوشیاں داؤ پر لگا دیتی ہے، وہ موحد کو سدا ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی تھی، وہ اس کی زندگی میں تلخیاں نہ چاہتی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

''مجھے شادی تو اپنی مما کی پسند سے کرنی ہے چاہے وہ زنیرہ ہو یا کوئی اور، مما آپ نے میرے لئے ہمیشہ بہترین سوچا ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ کا یہ فیصلہ بھی میرے حق میں بہتر ہو گا۔'' موحد نے مسکرا کر محبت سے ماں کے گرد بازو حمائل کر دیئے، نوشینہ کے چہرے پر اطمینان بکھر گیا، وہ مسکراتے ہوئے آگے کا لائحہ عمل سوچتے ہوئے بیٹے کا سر محبت سے تھپتھپانے لگی، موحد نے اس کا مان بڑھا دیا تھا۔

☆☆☆

''نوشینہ تم جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو، تم پہلے خوب اچھی طرح اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لو، پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' نوشینہ نے بیٹے کی رضا مندی پاتے ہی ہلکا پھلکا ہو کر ندیم کو فون پر ساری بات بتا دی تھی، ندیم اس کے فیصلے کو جذباتی پن پر محمول کر رہے تھے اسے اعتراض زنیرہ اور موحد کے رشتے پر نہیں بلکہ نوشینہ کی جذباتیت پر تھا، وسیم کا نہ جانے کیا ردعمل ہوتا جبکہ وہ بے حد پر جوش تھی، ندیم نے اسے بھرپور تعاون کا یقین دلایا مگر اسے کچھ تحفظات بھی درپیش تھے، وسیم کا غصہ کسی سے ڈھکا چھپا تو نہ تھا اور پھر وہ آج کل بے حد کرائسز سے گزر رہا تھا، وہ بالکل بجھ کر رہ گیا تھا، وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا، نہ جانے نوشینہ کو سامنے دیکھ کر اس کا کیا ردعمل ہوتا، ندیم نے اپنے تئیں اسے سمجھانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''بھیا میں فیصلہ کر چکی ہوں بس آپ کو میرے ساتھ وسیم کے ہاں جانا ہے۔'' نوشینہ نے دوٹوک لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا، وہ گزرے وقت کی ساری تلخیاں دل و دماغ سے کھرچ کر بھائی کی مدد کرنا چاہتی تھی اس نے شہروز کو اعتماد میں لے لیا تھا، جبکہ موحد نے تو کوئی سوال جواب ہی نہ کیا تھا، شہروز نے اسی کو اپنی ہمراہی کا مان بخش کر اس کا اعتماد مزید بڑھایا تھا۔

''نوشینہ یہ سب اتنا آسان کام نہیں ہے، یوں گھر کی بات چار دیواری سے باہر نکل سکتی ہے۔'' ندیم بھیا نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس سے اشارتاً آپی اور نعیم کا ذکر کیا تھا۔

''میں ان کو کہوں گی کہ میں نے زنیرہ کو ندیم بھیا کی ہاں دیکھا تھا اور آپ کے توسط سے رشتہ ڈالا تھا، آپی اور بڑے بھیا جانتے ہیں کہ میں آج ہی وسیم بھائی کو کتنا چاہتی ہوں، میں ان کی محبت میں ماضی تک کو فراموش کر سکتی ہوں۔'' نوشینہ کے پاس ہر مسئلے کا حل موجود تھا، ندیم بھیا بے ساختہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے، وہ غلط نہ کہہ رہی تھی اس کی بات میں وزن تھا وہ کل بھی وسیم پر جان نچھاور کرتی تھی اور آج بھی اس کی محبت میں اپنی برسوں پرانی ذلت و رسوائی بھلانے پر آمادہ تھی۔

☆☆☆

''وسیم دودھ۔'' وسیم پلکیں موندے سونے کی ناکام کوشش کر رہے تھے، منزہ بچوں کو سونے سے قبل دودھ دے کر ان کے لئے دودھ کا گلاس لئے حاضر تھی، وسیم نے خفگی سے رخ موڑ لیا تھا، وہ منزہ پر نگاہ غلط تک ڈالنے کا گوارا نہ تھا، اس کا المیہ یہ تھا کہ وہ منزہ سے انتہائی نفرت کے باوجود اسے طلاق نہ دے سکتا تھا، وہ اس کے جوان بچوں کی ماں تھی، اسے بیٹوں سے زیادہ بیٹیوں کی فکر تھی، وہ زنیرہ کے لئے بے حد فکر مند رہتا تھا، اس نے ملنے جلنے والوں سے بیٹی کے رشتے کا ذکر کر رکھا تھا، وہ جلد از جلد زنیرہ کی شادی کر دینا چاہتا تھا، منزہ کا احساس گناہ بڑھ گیا، وہ عجب دوراہے پر کھڑی تھی، وہ برسوں بعد نہ تو اپنے گناہ کا اعتراف کر سکتی تھی اور نہ ہی اب مزید وسیم کو

دھوکا دے سکتی تھی، وہ وسیم کی آنکھوں میں چھپے ادراک کے سائے دیکھ چکی تھی، ستم در ستم یہ کہ اس کا بھید کسی نے نہ کھولا تھا، وسیم کو کسی نے اس سے بدگمان نہ کیا تھا، وہ وقت کے ظالم ترکش کا شکار ہوئی تھی، بعض اوقات آگہی و یقین کا اک لمحہ انسان کی زندگی پلٹ دیتا ہے، وسیم اسی لمحہ کی زد میں آ کر ادراک و بھید پا گیا تھا، قدرت نے اس کی ڈھیلی ڈوریں یوں کھینچی کہ وہ منہ کے بل گری تھی اور وسیم سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہی تھی، لیکن اس کی خفگی بھی اس سے برداشت نہ ہو رہی تھی، وسیم کی گہری بھید بھری پر اسرار خاموشی میں کئی طوفان چھپے تھے۔

''وسیم دودھ۔'' وہ اس کی توجہ کی منتظر تھی جبکہ وہ بے اعتنائی و بیگانگی کی انتہا پر تھا، منزہ کا دل دکھ کی اتھاہ گہرائی میں ڈبکیاں لگانے لگا، وہ مجرم تھی اور اس میں جرم قبول نے کا یارا بھی نہ تھا۔

''رکھ دو۔'' چند ثانیے بعد سرد مہری سے بھرپور جواب آیا تھا، کوئی بیگانگی سی بیگانگی تھی، وہ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مڑ گئی۔

''تم آئندہ میرے لئے دودھ کی زحمت نہ کرنا۔'' اس کے کانوں سے وسیم کی برفیلی نفرت بھری آواز ٹکرائی تھی، وہ اپنی جگہ منجمد رہ گئی، آنسو اس کے اندر جمع ہونے لگے۔

''وسیم میں آپ کی بیگانگی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔'' منزہ نے انجان بنتے سے استفسار کیا، دل میں کہیں امید باقی تھی کہ وہ زنیرہ کو غلط تربیت کرنے پر خفا ہوگا، قدرت نے اس کا پردہ رکھا ہوگا، وسیم کے لبوں پر استہزائیہ ہنسی بکھر گئی، اس کی آنکھوں میں درد کے سائے گہرے ہو گئے، چہرے پر کرب و اذیت درج تھا، وہی کرب و اذیت جس سے وہ بائیس سال سے نا آشنا تھا اور اپنی معصوم بہن کو قصوروار سمجھ کر مکار بیوی پر اپنی تمام بے لوث چاہتیں لٹاتا آیا تھا۔

''منزہ میرا المیہ تو یہ ہے کہ میں تمہیں طلاق بھی نہیں دے سکتا ورنہ تم نے جو کچھ نوشینہ کے ساتھ کیا ہے، میں تمہیں اس کے لئے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' وسیم کی سانپ جیسی پھنکاری نما آواز ابھری، منزہ گنگ رہ گئی، ہر امید ہر آس ختم ہو گئی تھی اب تو اس کے پاس خود کو بہلانے کے لئے کوئی دلیل بھی نہ بچی تھی، اس کے اندر گھٹن بڑھنے لگی، احساس جرم نے پہلی بار اسے نظریں جھکانے پر مجبور کیا تھا، اس کے مزاج و لہجے کا مخصوص طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، وہ ہار گئی تھی، وسیم کی بے اعتنائی اور نوشینہ کی سچائی آشکار ہونے پر وہ اندر سے ڈھے گئی تھی، وقت نے اس کی ہر شہ مات بدل ڈالی تھی اور اس کی شہ مات اسی پر الٹ ہو گئی تھی، دودھ ٹھنڈا ہو چکا تھا، دودھ کی سطح پر جمی بالائی کی موٹی تہہ سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا، ویسا ہی دھواں اس کے وجود میں بھرتا جا رہا تھا، وسیم کا دودھ پینے کا کوئی موڈ نہ تھا، وہ ہنوز سپاٹ چہرہ لئے بے تاثر نگاہوں سے چھت کو گھورے جا رہا تھا۔

☆☆☆

وقت انسان کو آزمائش و امتحان کی بھٹی میں پکا کر کندن بنا دیتا ہے، انسان حالات و تقدیر کے ستم سہہ کر اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ اسے گمان ہونے لگتا ہے کہ وہ اب تقدیر کا ہر وار سہہ سکتا ہے، وسیم کو آفس کے کام سے ندیم کے پاس آنا پڑا تھا، وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ندیم سے بھی کترانے لگا تھا، وہ ندیم سے آفس اوقات میں ٹاکرا ہو جانے پر سلام کر لیتا تھا، منزہ نے تو اسے اس کی اپنی نظروں میں گرا دیا تھا، وہ بھلا بہن بھائیوں سے کیا نظریں ملا پاتا، زنیرہ خود کو کمرے میں بند کر کے حتی الوسع اس کا سامنا کرنے سے

کتراتی تھی، وہ بھی باپ کے غصے وخفگی سے سہمی رہتی تھی، اسے عائزہ سے زیادہ زنیرہ کی فکر تھی، ورنہ وہ کب کا منزہ کو فارغ کر کے ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال چکا ہوتا۔

''السلام علیکم!'' وہ ندیم سے آفس ورک ڈسکس کر رہا تھا کہ کوئی اندر داخل ہوا تھا، اس سے جھکا سر اوپر نہ اٹھایا گیا، اس میں اتنی ہمت ہی نہ تھی کہ وہ برسوں بعد اپنی معصوم بہن سے نظریں ملا پاتا، وہ اپنی جگہ منجمد رہ گیا۔

''وعلیکم السلام، کیسی ہو نوشینہ؟'' ندیم بھائی اس پر اک نظر ڈالتے اٹھ کر آگے بڑھے وہ اس کی کیفیت سمجھ رہے تھے، نوشینہ دونوں کے سامنے آ بیٹھی، وسیم کی نظریں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں، فضا پر بوجھل خاموشی طاری ہونے لگی، نوشینہ نے تن تنہا اتنا بڑا فیصلہ کر کے سب کو اپنے اعتماد میں تو لے لیا تھا لیکن اس میں برسوں بعد اچانک وسیم کے گھر جانے کی ہمت نہ ہو پا رہی تھی اور پھر اسے کہیں یہ خوف بھی ستا رہا تھا کہ وہ ندیم بھائی سے بگڑ کر مزید تنہا رہ جائے گا۔

''کیسے ہیں آپ بھائی؟''

''کیسی ہو نوشینہ؟''

کمرے میں بوجھل خاموشی کا راج تھا، جسے بیک وقت دونوں کی آوازوں نے توڑا تھا، نوشینہ کی آواز میں جھجک تھی تو وسیم کی آواز میں ندامت و شرمندگی کی ہلکی آمیزش تھی، اگلے پل دونوں ٹھٹک کر لب کھلنے لگے، ندیم خوشگوار حیرت میں گھرا دانستہ چپ تھا، وہ دونوں کے درمیان برسوں کی حائل خلیج کو کم کرنے کے لئے دونوں کو بولنے کا موقع دے رہا تھا، برسوں کی خلیج چند لمحوں میں تو نہ پاٹی جا سکتی تھی دونوں کے انداز میں واضح محسوس کی جانے والی جھجک تھی، بچے کالج و یونیورسٹی تھے، فاخرہ پڑوس میں کسی کی عیادت کے لئے گئی ہوئی تھی، برسوں کے حائل فاصلے لمحوں میں طے کرنا بھلا کہاں آسان تھا۔

''بھابھی اور بچے کیسے ہیں بھائی؟'' صدیوں جیسی خلیج دھیرے دھیرے برف کی مانند کم ہونے لگی تھی، نوشینہ نے بات برائے بات کی۔

''ہوں، ہاں الحمدللہ سب ٹھیک ہیں۔'' ماضی کی بھول بھلیوں اور ندامت میں غرق وسیم نے غائب دماغی سے ہنکارا بھرا تھا، وہ گزرے برسوں میں اسے دل سے نہ بھلا پایا تھا، اکثر دل و دماغ میں چھڑی کشمکش میں دل نوشینہ کی حمایت کرتا تھا، آج وہ سامنے تھی تو ساری خفگیاں و ناراضگیاں جھاگ کی مانند تہہ نشین ہو گئی تھیں۔

''آہ منزہ تم نے یہ کیا کر ڈالا۔'' دل سے اک ہوک اٹھی تھی، وہ بے چینی سے پہلو بدلنے پر مجبور ہو گیا، وہ برسوں غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنی لاڈلی بہن سے دور رہا تھا۔

''بھائی آپ کافی کمزور ہو گئے ہیں۔'' نوشینہ اٹھی کر وسیم کے پہلو میں آ بیٹھی اس کے لہجے میں محبت بھرا تفکر و تشویش تھی، وسیم تو ویسا ہی تھا صحت مند و چاق و چوبند، یہ بہن کی محبت تھی جو وہ اسے کمزور لگ رہا تھا، اس کا دل بھر بھر کر آنے لگا۔

''نوشینہ مجھے معاف کر دو، میں غلط فہمی کا شکار تھا۔'' اگلے پل وہ بچوں کی سی معصومیت سے سسکتا نوشینہ سے لپٹ گیا، نوشینہ نے محبت سے بھائی کو خود میں سمیٹ لیا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، دونوں کے بہتے آنسو برسوں کی کثافت و نفرت دھو رہے تھے۔

''میں آپ سے ناراض کب تھی بھائی، مجھے یقین تھا کہ آپ پر اک روز سچائی ضرور واضح ہو گی۔'' نوشینہ نے رسانیت سے مسکراتے ہوئے

وسیم کے آنسو پونچھ ڈالے، اس کی آنکھوں میں خلوص کی چمک تھی، وسیم اس کی بے ریا مسکراہٹ اور شفاف پُرخلوص آنکھوں میں جھانک کر رہ گیا، ندیم بھیا نے دونوں کو خوشی سے گلے سے لگا لیا، برسوں کی جمی گرد دل سے اتر چکی تھی، اسی لمحے کسی کام سے اندر آتی منزہ غیر متوقع منظر دیکھ کر ندامت سے ٹھٹک گئی، وہ بنا آہٹ کیے پلٹ گئی، اس کے قدم من من بھر کے تھے، بعض اوقات واپسی کا مختصر سفر بھی طویل اور تھکا دینے والا ہوتا ہے۔

☆☆☆

ماحول میں خوشگواریت، خوشی اور قہقہے رچے بسے تھے، سب کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی، برسوں بعد منظر مکمل ہوا تھا، شہروز، نعیم، ندیم، فیاض اور وسیم سیاسی گفتگو اور چائے کی محفل میں رنگ بھرے ہوئے تھے، ینگ جنریشن خوش گپیوں اور کمپیوٹر گیمز میں محو تھی۔

نوشینہ تینوں بھابھیوں کے ساتھ کچن میں مصروف تھی جبکہ سدرہ آپی کو انہوں نے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیا تو انہوں نے سپرویژن اور لہسن، پیاز چھیلنے اور کاٹنے کا کام لے لیا سب نے انہیں لہسن پیاز سے منع کیا تھا مگر وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی عادی نہ تھیں، نوشینہ کو ان میں امی کی جھلک نظر آ رہی تھی وہ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کی بالکل عادی نہ تھیں، کھانا تیار ہونے میں کچھ وقت تھا، منزہ ذرا ستانے کو گیسٹ روم میں آ گئی، پورے گھر میں یہی گوشہ نسبتاً پُرسکون اور آرام دہ تھا، ورنہ مرد حضرات اور ینگ جنریشن نے اپنی خوش گپیوں اور ہنگاموں میں سارا گھر سر پر اٹھایا ہوا تھا۔

آپی مسلسل سب کو اپنے مفید مشوروں سے نواز رہی تھیں، وہ بھی ان کے مشوروں کا ذرا برابر برا مانے بغیر ان سے بھرپور استفادہ کر رہی تھیں، رمزہ اور فاخرہ بریانی اور لب شیریں بنانے میں مصروف تھیں، منزہ بھابھی قورمہ اور قیمہ پکا چکی تھیں، نوشینہ شامی کباب اور چکن رولز بہت مزے کی بناتی تھی سو اس کے ذمہ یہی کام تھا، وہ کباب اور رولز تیار کر کے فریج میں فریز کرنے کے لئے رکھنے کے بعد آپی کے پاس بیٹھ کر سلاد اور رائتہ بنانے لگی، تو آپی نے اس کی ہیلپ کروا دی نوشینہ کو یکدم کچھ کمی کا احساس ہوا، اس نے نظر اٹھائی تو منزہ بھابھی غائب تھیں، منزہ بھابھی اس سے مل چکی تھیں، ان کے دل میں احساس جرم باقی تھا حالانکہ اس نے انہیں کچھ بھی نہ جتایا تھا نہ کوئی گلہ نہ شکوہ، نہ الزام نہ صفائی، وہ انہیں بنا معافی مانگے معاف کر چکی تھی۔

''بھابھی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔''

وہ برسوں کے فاصلے پاٹنا چاہتی تھی، قدرت نے اسے موقع دیا تھا تو وہ اس موقع کو ضائع نہ کرنا چاہتی تھی، وہ انہیں ڈھونڈتی گیسٹ روم میں چلی آئی تھی، منزہ بیڈ پر نیم دراز آنکھیں موندے ہوئے تھیں، اس نے تشویش سے ان کا ماتھا چھوا تھا۔

''نوشینہ میں نے اپنی امی کے منہ سے ہمیشہ اپنے گھر کا ذکر سن کر آنکھوں میں اپنے گھر کا خواب سجا لیا تھا، جہاں صرف میری حکمرانی ہوتی، میں اپنے تمام چھوٹے چھوٹے خواب پورے کر سکتی، پھر میری بھابھی آئی تو انہوں نے اپنے رویے سے میرے دل میں یہ خواب مزید مضبوط کر دیا میری شادی ہوئی تو مجھے اپنے خواب میں سب سے بڑی رکاوٹ تم محسوس ہوئیں، میں تم سے خواہ مخواہ چڑنے لگی، مجھے وسیم کا تم سے التفات ایک آنکھ نہ بھاتا تھا، میں بھول گئی تھی کہ وہ تمہارا بھائی ہے اور بہنوں کا بھائیوں پر بہت حق

ہوتا ہے، میں حسد و بغض میں خودغرضی کی انتہا کو چھونے لگی تھی، مجھے اپنے خواب پورے کرنے کا بہترین حل یہی نظر آیا کہ میں تمہیں وسیم سے دور کر دوں، اتنا دور، اتنا دور کہ میں اپنے سارے خواب با آسانی پورے کرلوں، میں پستی و ذلت کی اتھاہ گہرائی میں دھنستی چلی گئی، مجھے معاف کر دو نوشینہ، میں بھول گئی تھی کہ قدرت کی پکڑ بہت سخت ہے، مجھے اپنے کیے کی سزا مل گئی نوشینہ، مجھے معاف کر دو پلیز۔" منزہ جیسے اپنے حواس کھو بیٹھی تھی، اس نے رندھی آواز میں زیر لب بڑبڑاتے ہوئے نوشینہ کے سامنے لاچاری و بے بسی سے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"بھابھی پلیز آپ ایسا نہ کریں، مجھے آپ سے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔" نوشینہ نادم سی ان کے جڑے ہاتھ الگ کرنے لگی، وہ اسے معاف کر چکی تھی، قدرت نے اسے بے پناہ نوازا تھا، اس پر اپنی تمام نعمتیں و رحمتیں نچھاور کی تھیں اسے کسی سے کوئی گلہ یا خفگی نہ تھی، اس نے ندامت سے آنسو بہاتی منزہ کو فراخدلی سے اپنے سینے سے لگالیا، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی پلکیں بھی نم ہونے لگی تھیں۔

"تم دونوں کو بچے یوں روتا دیکھ لیں تو وہ سب پریشان ہو جائیں گے۔" نہ جانے کب آپی فاخرہ اور رمزہ بھی ادھر آ گئی تھیں، وہ دونوں کی تمام گفتگو سن چکی تھیں، آپی نے نرمی سے دونوں کو محبت بھری ڈانٹ پلائی، دونوں جھینپی جھینپی سی ہنس دیں، فاخرہ اور رمزہ نے دونوں کو باری باری گلے سے لگالیا۔

☆☆☆

کھانے کے بعد چائے کا دور چل نکلا، نوشینہ ینگ جنریشن کو لاؤنج میں چائے دے کر بڑوں کے لئے چائے ہال میں لے آئی تھی، کھانا کھانے کے بعد ینگ جنریشن لاؤنج اور باقی سب ہال کمرے میں آ چکے تھے۔

"میں آج بہت خوش ہوں وسیم۔" چائے کے دوران خوش گپیاں اور ہنسی مذاق بھی جاری تھا، وسیم نے دفعتاً شرارت سے نوشینہ کے کپ سے چائے کا سیپ بھرلیا تو سدرہ آپی نے بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا، منزہ کے چہرے پر شکستگی کی تحریر نمایاں درج تھی، اک بے نام سی بے چینی نے اس کے وجود کو گھیر لیا، اس نے طویل مات کھیلی اور اپنی ساری زندگی اپنی جیت بچانے کی تگ و دو میں گزار دی لیکن ان کا دامن پھر بھی خالی تھا، کسی نے اسے کچھ نہ جتایا تھا، آپی، فیاض بھیا (جنہیں بعد میں آپی نے تھوڑے ردو بدل کے ساتھ وسیم اور نوشینہ کی مس انڈر اسٹینڈنگ کے متعلق بتا دیا تھا) نعیم، ندیم، رمزہ، فاخرہ اور خصوصاً شہروز اور نوشینہ، سب کے دلوں میں کتنی کتنی وسعت تھی، صرف وہی تھی جس کا دل تنگ پڑ گیا تھا، محبتوں اور چاہتوں کے معاملے میں، نتیجتاً وہی تنگ دست رہی تھی وسیم اس کی صورت تک دیکھنے کا روادار نہ تھا۔

"بھیا!" نوشینہ بچوں کی سی معصومیت سے ٹھنکی، جبکہ وسیم کے لب مسلسل مسکرا رہے تھے، منظر مکمل تھا کہیں کوئی کمی یا خالی پن نہ تھا، منزہ کے دل کے علاوہ اس کا دل سونا سونا اور خالی تھا، اک ندامت بھرا بوجھ اس کے سینے پر دھرا تھا، جو رفتہ رفتہ وقت کے ساتھ سرکتا تھا۔

"اللہ تم دونوں کی محبت سدا قائم رکھے، کوئی خفگی و جدائی دونوں کے درمیان نہ آئے۔" فیاض بھیا کی سب بے حد عزت و احترام کرتے تھے، انہوں نے بھی کبھی اپنی دامادی جھاڑتے ہوئے سب کی بے لوث چاہتیں کیش کروا کر ناجائز فائدہ اٹھانے کی ہرگز کوشش نہ کی تھی، سدرہ آپی

نے انہیں دونوں کی ناراضگی کی جو بھی وجہ بتائی انہوں نے کبھی ٹوہ لینے کی کوشش کی اور نہ ہی انہیں کبھی کریدا تھا، انہوں نے خلوص دل سے دعا دی تھی۔

''بلکہ تمہاری محبت وقت کے ساتھ مزید بڑھے۔'' سدرہ آپی نے شوہر کے دعا کو بڑھاوا دیا تھا، ان کا دل سب بہن بھائیوں کو اکٹھا دیکھ کر بے حد شاد و مطمئن تھا، وہ مل جل کر بیٹھنے کے موقع پر کسی ایک کی کمی شدت سے محسوس کرتی تھیں، انہیں امی کی یاد شدت سے آنے لگی، اگر وہ زندہ ہوتیں تو وہ بھی اپنے بچوں کو اکٹھا دیکھ کر بہت خوش ہوتیں یا پھر یہ ناراضگی ہی دونوں کے درمیان حائل نہ ہونے دیتیں۔

''آمین ثم آمین۔'' نعیم بھیا کی پرخلوص آواز میں سب کی آوازیں شامل ہوگئیں۔

''وسیم بھائی ہماری محبت مزید بڑھ سکتی ہے اگر آپ مجھے زنیرہ دے دیں۔'' نوشینہ کو بات کرنے کا موقع غنیمت لگا، اس نے جھٹ دلی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔

''نوشینہ!'' وسیم اور منزہ دم بخود رہ گئے، وہ دونوں زنیرہ کے لئے بے حد پریشان تھے وسیم جتنا اس کی جلد شادی کے لئے ہاتھ پیر یار رہے تھے قدرت کی طرف سے اتنی دیر ہو رہی تھی، وسیم نے جتاتی مگر کاٹ دار نظروں سے بیوی کو گھورا، منزہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا، نوشینہ کا مرتبہ ان کی نظروں میں بہت بڑھ گیا تھا، وہ اس کی اعلیٰ ظرفی کی قائل ہو گئی تھیں جبکہ باقی سب نوشینہ کی خواہش پر خوشگوار خوشی بھری حیرت میں گھر گئے، موحد، زنیرہ سے ساڑھے تین چار سال چھوٹا تھا، کوئی بھی اس معاملہ میں کھل کر خوشی کا اظہار نہ کر پا رہا تھا، مبادا منزہ اور وسیم کا کیا فیصلہ ہو، سب کی منتظر استفہامیہ نظریں ان دونوں پر مرکوز تھیں، وہ خاموش تھے ان کی چبھتی خاموشی ماحول کو بوجھل بنا رہی تھی، ان کی خاموشی شرمندگی کی مرہون منت تھی اور کوئی بھی ان کی خاموشی کو نہ سمجھ پا رہا تھا حتیٰ کہ نوشینہ بھی نہیں، اس کا دل انجانے وسوسوں میں گھرا تھا، جوں جوں ان کی خاموشی کا دورانیہ طویل ہوتا جا رہا تھا نوشینہ کا دل سہما جا رہا تھا اسے وسیم کی دوبارہ ناراضگی کا خدشہ بے چین کرنے لگا تھا، شہروز بھی پریشان ہونے لگا تھا، اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''مجھے بہت خوشی ہوگی ہماری محبت واقعی مزید بڑھے گی۔'' وسیم کی ٹھہری نرم آواز نے سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑا دی، نوشینہ خوشی سے بے قابو ہو کر بھائی سے لپٹ گئی، اندر مبارک سلامت کا شور اٹھا گیا جبکہ باہر زنیرہ اپنی جگہ اپنی قسمت کے فیصلے پر منجمد رہ گئی۔

☆☆☆

''زنیرہ کیا آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض ہے۔'' زنیرہ چائے کے کپ اٹھانے آئی تھی وہ اپنے ذکر پر ٹھٹک کر فطری تجسس کے تحت دروازے پر رک گئی، موحد اس سے تین چار سال چھوٹا تھا اسے پورا یقین تھا کہ ڈیڈی پھپھو کو انکار کر دیں گے، اسے ذیشان کے بے وفائی کے بعد کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ اس کی شادی کس سے ہوتی ہے، اس کی وجہ سے ڈیڈی اور مما کی مشکلات و پریشانیاں بہت بڑھ گئی تھیں وہ انہیں مزید پریشان نہ کرنا چاہتی تھی، اسے ڈیڈی کی اس کی جلد شادی کی کوششوں کی بھی خبر تھی، وہ دل میں تہیہ کر چکی تھی کہ وہ اپنے بے حد پیارے ڈیڈی کو کسی مشکل میں نہ ڈالے گی، لیکن...... لیکن تقدیر اسے ایک بار پھر کسی دوراہے پر لا پٹخے گی یہ اس کے سان و گمان میں نہ تھا، پھپھو نے برسوں سے بچھڑے بھائی کی محبت میں ان کی عمروں کے

باہمی تفاوت کو نظر انداز کر دیا تھا تو کم از کم ڈیڈی کو تو کچھ سوچ کر ہامی بھرنی چاہیے تھی یا پھر وہ اک ناپسندیدہ بوجھ بن کر وہ گئی تھی ان کے لئے، جسے وہ جلد از جلد کسی بھی طرح سر سے اتار پھینکنا چاہتے تھے۔

موحد کا فیوچر بے حد برائٹ ہے، وہ خوبرو ڈیشنگ پرسنیلٹی کا مالک ہے، اس پر کئی لڑکیاں مرتی ہوں گی یا پھر وہ کسی کو چاہتا ہوگا، سوچیں تھیں کہ زنیرہ کے دماغ کو سن کیے دے رہی تھیں، اس کی آنکھوں میں نمی کی ہلکی تہہ نمودار ہونے لگی تھی، وہ اپنے پیچھے آواز سن کر بری طرح چونک کر اچھی تھی، موحد زیر لب تبسم شوخ چہرے سمیت اسے نرم نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس کی کھوجتی نظریں موحد پر جمی تھیں، اس کے چہرے کا نرم تاثر اس کی رضا مندی کا پتہ دے رہا تھا، وہ اپنی مما کے فیصلے سے باخبر تھا اور غالباً اسے کوئی اعتراض بھی نہ تھا، شاید اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ اندر کہیں باتیں ہو رہی ہیں، وہ چند ثانیے چپ رہی۔

''کیا آپ کو اس رشتے پر کوئی اعتراض ہے؟'' موحد کے لہجے کا نرم تاثر ہنوز قائم تھا، اسے بے بسی سے لب کچلتی دودھیا مائل سنہری رنگت اور دراز قد زنیرہ میں بے حد دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، وہ دونوں بازو سینے پر باندھے اس پر استفہامیہ نظریں مرکوز کیے ہوئے تھا، زنیرہ اس کے واضح سوال پر گڑبڑا گئی۔

''مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے جو مما اور ڈیڈی کا فیصلہ وہی میرا فیصلہ۔'' وہ جواب لئے بغیر ٹلنے کے موڈ میں نہ تھا، زنیرہ کو زچ کیے دے رہا تھا، ناچار اسے جواب دینا پڑا۔

''کیا آپ کی اپنی کوئی پسند ہے؟'' موحد کی دلچسپی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی، اسے مما کی پسند بے حد بھائی تھی، من موہنی اور کومل سی زنیرہ اس سے چار سال بڑی ہرگز نہ لگی تھی، زنیرہ نے بے سے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

''پسند۔'' اس کے لب دھیرے سے پھڑپھڑا کر رہ گئے، وہ بلاشبہ ہزاروں میں نمایاں تھا مگر اسے کوئی فرق نہ پڑتا تھا اسے صرف ڈیڈی کو خوش رکھنا تھا اور ان کی خوشی اس کی ہاں سے مشروط تھی، وہ انہیں کوئی دکھ نہ دینا چاہتی تھی اسے قطعاً کوئی پرواہ نہ تھی کہ اس کی شادی کس سے ہوتی ہے یہ ان کی پہلی ملاقات تھی وہ اسے پہلی ملاقات میں ہی خاصا نرم خو اور خوش مزاج لگا تھا۔

''زندگی اس کے ساتھ بھی بہتر گزر سکتی ہے۔'' دل نے یکدم اپنی جون بدلی تھی وہ متحیر رہ گئی۔

''آپ اچھے ہیں۔'' وہ دل کی بدلی جون پر متحیر نرمی سے کہتی پلٹ گئی۔

''زنیرہ میں اچھا نہیں، بہت اچھا بھی بن سکتا ہوں، آپ کے لئے۔'' موحد نے شوخی و شرارت سے اس کا ہاتھ تھام لیا، زنیرہ نے قدرے بے یقینی سے اس کی نرم و شوخ نظروں میں جھانکا جہاں سچائی نمایاں تھی اور بہار اور خوشگوار رت کی نوید دے رہی تھی۔

''میں بھی آپ کے لئے بہت اچھی ثابت ہوں گی۔'' دل خوشیوں اور راحتوں کی گواہی دے رہا تھا، قدرت اس پر مہربان ہو گئی تھی اور وہ ناشکری نہ تھی کہ قدرت کی مہربانی سے منہ پھیر کر کفران نعمت کرتی، وہ نرمی سے ہاتھ چھڑاتی تیزی سے آگے بڑھ گئی، اس کے چہرے پر پھیلی نرم روشن مسکراہٹ سے اس کی رضا مندی عیاں تھی، موحد کے بھرپور قہقہے نے اس کا پیچھا کیا تھا، زندگی کی راہیں سہل اور روشن تھیں اور اسے یقین تھا کہ موحد کی ہمراہی میں جیون راہیں خوشیوں سے بھرپور ہوں گی۔

☆☆☆

نایاب جیلانی

انتیسویں قسط کا خلاصہ

نیل بر جہاندار سے گلالئی سے ملاقات کا ذکر کرتی ہے تو وہ چونک کر سوچتا ہے کہ یہ بھولی سری کہانی کا کردار نیل بر سے کہاں آ ٹکرایا۔

ساہنواز خان مورے سے ملنے آتا ہے تو عروفہ کو بے حد برا لگتا ہے وہ عشیہ سے الجھ پڑتی ہے، اِدھر ولید نشرہ سے انتقام لینے کے لئے عروفہ کو اپنی جھوٹی محبت کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔

صندیر خان کا خاص بندہ اسے بتاتا ہے کہ جہاندار اصل میں کون ہے، صندیر خان سب جان کر سناٹے میں رہ جاتے ہیں۔

اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ شاہوں کی حویلی کا کوئی گم شدہ کردار یوں سامنے آ جائے گا، کردار بھی وہ جو اپنے دامن میں انتقام اور تباہی لے کر آئے گا۔

امام کے آپریشن کی کامیابی پر پلوشہ پورے خاندان کو دعوت پر بلاتی ہے، امام جب ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق صبح سویرے واک کے لئے آیا تو شانزے سے ٹکراؤ ہو گیا جو اسے یوں واک کرتے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

اب آپ آگے پڑھیئے

تیسویں قسط

اس مقام پر نیل بر کے لئے یہ خبر کوئی نیک شگون نہیں تھی۔
نیل بر کے لئے تو جہاندار کا رویہ بھی خاصا تعجب انگیز تھا، ایسے خوش ہو رہا تھا جیسے بہت ساری منتوں مرادوں کے بعد باپ بن رہا تھا۔
جہاندار کی خوشی اسے مسرور کرنے کی بجائے مشکوک کر رہی تھی، اسے جہاندار کی خوشی کے پس منظر میں بھی کوئی منصوبہ سازی نظر آ رہی تھی۔
''خوش تو ایسے ہو رہا ہے جیسے پہلی مرتبہ باپ بن رہا ہے۔'' کچھ غصے اور جھلاہٹ میں نیل بر کی بڑبڑاہٹ واضح تھی، اسے اندازہ نہیں تھا، جھلاہٹ میں اس نے کیا بونگی ماری تھی۔
''ہاں تو پہلی مرتبہ ہی بن رہا ہوں، کون سا میرے پہلے دس بیس بچے ہیں۔'' اس نے نیل بر کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی اور ساتھ لاحول بھی پڑھا۔
''کیسی بے عقل عورت ملی مجھے۔'' یہ بات دل میں کہی تھی، اس کا پہلے سے خراب شدہ موڈ اور خراب کیا کرتا؟
''نیل برا!'' کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے بڑی حلاوت اور گھمبیرتا سے کہا تھا، اس کا انداز غیر معمولی حد تک بدل چکا تھا۔
''اب کیا ہے۔'' وقفے وقفے سے اونگھتی ہوئی نیل بر نے ماحول کا سارا فسوں ہی توڑ ڈالا تھا، جہاندار سر سے پیر تک بدمزہ ہو گیا، ساری حلاوت کڑواہٹ میں بدلتی محسوس ہوئی تھی۔
''کچھ نہیں۔'' جہاندار دانت پیستا جیپ احتیاط سے دوڑاتا گیا، ایک جگہ اچانک ہی اس کے قدم بریک پہ رکے تھے، نیل بر بھی چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔
یہ کوئی سرکاری بنگلہ تھا، جو سالوں سے ویران نظر آتا تھا، اب اس کی جھاڑ جھنکار صاف کی جا رہی تھی، کچھ ورکران کی کانٹ چھانٹ کر رہے تھے، اندرونی حصوں میں رنگ و روغن بھی کروایا جا رہا تھا۔
جہاندار کو سوچتی نظروں سے دیکھتی نیل بر نے چڑتے ہوئے کہا۔
''اب کتنی دیر اور نظارہ کرنا ہے؟ مجھے اس بھوت بنگلے کا سارا حدود اربعہ حفظ ہو چکا ہے۔''
''ہوں۔'' جہاندار نے سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا تھا۔
''یہاں کوئی سرکاری آفیسر تعینات ہوا ہے، بہت سالوں بعد۔''
''تو ہم کیا کریں۔'' نیل بر کی بیزاری عروج پہ تھی۔
''آپ کو کون کہہ رہا ہے کہ کچھ کریں، بس اتنا سا احسان کر دیں۔'' جہاندار نے احتیاط سے موڑ کاٹا۔
''اپنا موڈ خوشگوار کر لیں۔'' اس کا انداز بہت ہی بے چارہ سا تھا، نیل بر اونہہ کیے بنا نہیں رہ سکی تھی، نیل بر کی اونہہ پہ جہاندار مصنوعی کراہا تھا۔
''آج تم بہت ہی سلو ڈرائیو کر رہے ہو۔'' کوئی اور بات نہیں ملی تو یہی بے ڈھنگی بات نیل بر کے منہ سے نکلی تھی، جہاندار نے گہرا سانس بھرتے ہوئے جیسے اس کی عقل کو کوسا تھا۔
''اصل سے سود پیارا ہوتا ہے، یہ بات تو تمہیں معلوم ہی ہو گی، یہ اور بات ہے کہ مجھے اصل

سود سمیت پیارا ہے، میں نہیں چاہتا یہ اونچے نیچے رستے میرا کوئی نقصان کر دیں۔'' جہاندار کا انداز معنی خیز تبسم کا تھا، نیل بر سمجھ کر منہ بسور گئی تھی، اسے یہ ساری احتیاطیں ڈرامہ لگ رہی تھیں، جہاندار اور یہ چونچلے۔

نیل بر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی، انداز لاپرواہی والا تھا، جیسے اس کی بات پہ کوئی نوٹس نہ لیا ہو، جہاندار بھی مگن سا ڈرائیو کرنے لگا کہ اچانک نیل بر کے منہ سے اونکلا یہ اتنا بے ساختہ تھا کہ جہاندار چونکے بنا نہیں رہ سکا تھا، اس نے فوراً ہی گردن موڑ کر نیل بر کی نگاہوں کا تعاقب کیا تھا، جیپ تھوڑی آگے نکل چکی تھی، مگر وہ دونوں ہی بیک مرر سے ڈھلوان سے اترتے ایک خوش پوشاک وجیہہ نوجوان کو دیکھ رہے تھے، دونوں کے چہرے پہ الگ الگ تاثرات تھے، ایک طرف سنجیدگی تھی اور دوسری طرف تعجب تھا۔

''وہ......'' نیل بر جیسے ہکلا کر رہ گئی تھی، چہرے پہ عجیب سی سراسمیگی تھی، ایک دم اس کے چہرے کی رنگت متغیر ہو چکی تھی۔

''وہ......سروئیر......امام۔'' نیل بر کا رنگ خوفناک حد تک پیلا پڑ چکا تھا۔

''بھوت نہیں ہے کوئی۔'' کچھ دیر کی سنجیدگی کے بعد جہاندار نے ہلکے انداز میں کہا تھا، جیسے اس کے لئے امام کی یہاں موجودگی کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں تھا۔

''یہ تو مر چکا تھا نا۔'' اس نے گھبراہٹ بھرے لہجے میں بے چارگی سے پوچھا تھا۔

''ہاں، صندیر خان نے کوئی کسر تو نہیں چھوڑی تھی مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا، اب کسی نے تو ان کی گردنوں پر پاؤں رکھنا ہے۔'' جہاندار ضرورت سے زیادہ لاپرواہی کا مظاہرہ کر رہا تھا، یہ بات نیل بر کے لئے حیران کن تھی، وہ بہت ساری چیزوں کو دانستہ نظر انداز کر رہا تھا۔

نیل بر کا بھاگنا اور امام کا ساتھ دینا، بات کسی اور رنگ میں لی جاتی تو انتہائی نازیبا تھی، پٹھانوں کی غیرت کے لئے تو یہی بہت تھا اور پھر جہاندار کے سامنے شرمندگی بھی الگ تھی، وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو چکی تھی۔

''اب یہ یہاں تعینات ہوا ہے، یہ علاقہ بیال کی نسبت بہت اچھا ہے اسے کام میں دشواری نہیں ہوگی۔'' جہاندار نے غیر ضروری گفتگو آگے بڑھائی تھی، نیل بر کسی اور ہی سوچ میں تھی، دھیان نہیں دے سکی۔

''صندیر خان کے برے دن آنے والے ہیں۔'' ایک اور تبصرہ۔

''تو آتے رہیں۔'' نیل بر کی بلا سے، وہ تو اور ہی گورکھ دھندوں میں الجھی ہوئی تھی، امام یہاں تھا اور سلامت تھا، یہ بات نیل بر کے سکون کے لئے کافی تھی، شکر ہے، نیل بر کی خاطر اس معصوم کی جان نہیں چلی گئی، اسے زندہ سلامت دیکھنا بھی ایک معجزہ تھا، بے چارہ اس کی خاطر بے قصور ہی آگ میں کود پڑا تھا۔

گھر آ کر بھی وہ بولائی بولائی پھرتی رہی، ایک تو طبیعت بھی بیزار تھی، اوپر سے امام کا خیال کیا پتہ اب وہ صندیر لالا سے بدلہ لے، اور بابا؟ اس کا دل بھر سا آیا۔

کتنے سنگ دل تھے بابا اور کیسے اپنے ہی فیصلوں کے ہاتھوں مجبور ہو گئے تھے پھر اسے بی

جاناں کا کرو فریاد آیا اور ساتھ ہی حمت اور سبا خانہ کا خیال، اسے ایک دم ان دونوں کی یاد ستانے لگی تھی، کیا یہ ممکن تھا، ان دونوں سے بات ہو سکتی؟

اسی خیال کے زور پہ اس نے جہاندار کا چارجنگ پہ لگا موبائل اٹھایا اور بڑ محل کال ملا دی، بھاڑ میں جاتے سب لوگ اور ان کے رواج، نیل بر کی بلا سے، اسے تو اپنی کزنز سے ہر صورت بات کرنا تھی، قریب ساتویں بیل پر پری گل نے کال ریسیو کی تھی، نیل بر نے شکر کا سانس لیا تھا، کہ بی جاناں یا کسی اور نے فون نہیں اٹھالیا۔

''کیسی ہو پری گل؟'' نیل بر کی آواز پر پری گل یہ شادی مرگ طاری ہوگئی تھی، وہ خوشی سے بے حال ہوگئی۔

''خانم! تم کیسا ہے؟ کدھر چلا گیا؟ جہاندار لالا کیسا ہے؟ تمہارا خیال تو رکھتا ہے۔'' اس کے بے ربط لہجے میں بہت محبت تھی، نیل بر کو بہت ساری اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، ہاں ہاں، بہت خیال رکھتا ہے۔'' اس نے بیزاری سے اپنے وجود کی طرف دیکھا تھا، بہت ساری مغربی عورتوں کی طرح اسے بھی ماں بننا پسند نہیں تھا، اسے یہ بیکار عورتوں کا مشغلہ لگتا تھا اور آج کل وہ خود بھی شدید بیکار تھی۔

''خانم! ام تم سے بوت اداس ہے۔'' پری گل کی آواز بھرا گئی تھی، اس کا مطلب تھا کوئی تو بڑ محل میں اسے مس کرنے والا تھا، اس کا دل لبریز سا ہوگیا۔

''باقی لوگ کیسے ہیں پری گل۔'' نیل بر جیسی لڑکی بھی جذباتی ہوگئی تھی، آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''سب لوگ ٹھیک اے، تم کو حمت بی بی بوت یاد کرتا۔'' پری گل نے دوپٹے کے کونے سے آنکھوں کی نمی رگڑتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''حمت سے بات ہو سکتی ہے؟'' نیل بر نے ذرا بے قراری سے پوچھا تھا، اچانک ہی اس کا دل چاہا تھا کہ حمت کو اس اجنبی کے بارے میں ایسی خوشخبری دے جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا، وہ کس قدر حیران اور خوش ہوگی، وہ جس نے حمت کی بات اور پاس کو نبھا کر نیل بر کی زندگی بچانی چاہی تھی، وہ اتنا نرم دل اور بلند حوصلہ انسان زندہ تھا اور حمت کے دیس پربت کی اس وادی میں حمت کی خوشبو محسوس کر رہا تھا، نیل بر کو ایقان تھا، وہ اجنبی کسی انتقام کے لئے نہیں لوٹا تھا، وہ صرف اور صرف حمت کے لئے لوٹا تھا۔

''حمت بی بی تو نہیں ہے ادھر خانم!'' پری گل کے بتانے پر نیل بر مایوس سی ہوگئی تھی، کتنا دل چاہ رہا تھا، اس سے بات کرنے کو۔

''حمت کہاں گئی ہے؟'' اس نے مایوسی بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''وہ تو صندیر لالہ لے گئے۔''

''ارے کہاں؟'' پہلی مرتبہ نیل بر چونک گئی تھی، صندیر لالا کہاں لے گئے تھے؟ نیل بر کو بے طرح تعجب ہوا۔

''وہ فارم ہاؤس لے گئے ہیں۔'' پری گل نے محتاط انداز میں بتایا تھا، پھر اس کے ہلکے پیٹ

میں بات نہیں رکی تھی، آواز دبا کر بالآخر بتا ہی دیا تھا۔

''اوم...... وہاں فارم ہاؤس میں حمت کی شکل جیسی مہمان لڑکی آیا ہے، کسی بڑے شہر سے، حمت بی بی وہیں ہے۔'' پری گل کے بتانے پر نیل بر اچھل ہی پڑی تھی۔

''لڑکی؟ مہمان اور حمت جیسی؟'' نیل بر کے لئے خاصی سنسنی خیز خبر تھی، اسے بے حد تجسس ہو رہا تھا۔

''خانم! یہاں تو بہت کچھ بدل گیا۔'' اب پری گل فل فارم میں آ چکی تھی، ویسے بھی وہ خرانٹ خانزادی بڑھیا اس وقت سو رہی تھی اور کوئی موجود نہیں تھا، دراصل رات کو ہوا ہی بہت سنسنی خیز تھا، شاہوار لالا کی گھن گرج کے ساتھ آمد اور پھر ایک دم اٹھنے والا ہنگامہ بی جاناں پر تو قیامت گزر گئی تھی، رات ہی بلڈ پریشر بھی ہائی ہو گیا تھا اور طبیعت بھی سخت ناساز تھی، تبھی صندیر لالا نے نیند کی گولیاں دے کر سلا دیا تھا، ورنہ اب تک ہسپتال میں پہنچی ہوتیں، اب وہ گن گرج والا دم خم تو رہا نہیں تھا اور نہ ہی ہمت تھی نہ عمر، اب طوفانوں سے نمٹنے کا حوصلہ بھی نہیں تھا۔

اور جو شاک انہیں خانم کی بیٹی دیکھ کر لگا تھا، اس شاک سے سنبھل جانا آسان نہیں تھا، کس دیدہ دلیری سے وہ بنو محل میں پورے کروفر کے ساتھ آئی تھی اور لانے والا کون تھا؟ بی جاناں کا لاڈلا پوتا، ان کے دل کو پہلا دھچکا تب لگا تھا جب شاہوار خان نے اپنی نوبیاہتا خوبصورت بیوی کا بوڑھی دادی سے تعارف کروایا تھا۔

''یہ آپ کی بہو ہے۔''

''اور پوتی بھی۔'' یہ آواز صندیر خان کی تھی، وہ صوفے پہ ٹانگ رکھ کے کھڑا تھا اور تخت پہ بیٹھی دادی کا تخت ہلا رہا تھا، بی جاناں کا رنگ ہاں سرخ قندھاری رنگ ایک لمحے میں زرد پڑ گیا تھا، ان کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی تھی، وہ فق چہرے سے اس لڑکی میں خانم کے نقوش کھوجتی رہیں، انہیں لگا سامنے وہی عورت کھڑی ہے جسے بہت سال پہلے انہوں نے چوٹی سے پکڑ کر گھر بدر کر دیا تھا۔

اور یہ لڑکی مکافات عمل بن کر کھڑی تھی، بی جاناں کے سینے پر مونگ دلنے کے لئے، ان کا سانس سینے میں ہی گھٹ گیا تھا، نفرت کے زہریلے احساس نے ان کو زہر خند کر دیا تھا، قریب تھا کہ وہ کسی زخمی بھوکی شیرنی کی طرح اس لڑکی پہ جھپٹ پڑتیں، اچانک ہی ان کے اعصاب نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا اور ان کا دماغ چکرانے لگا اور دوسرے ہی پل وہ تخت پر نڈھال ہو کر گر پڑی تھیں، تب سے لے کر اب تک کمرہ نشین تھیں، پری گل نے دوبارہ ان کو اپنے تخت پر نہیں دیکھا تھا اور یہی بات وہ نیل بر کو بتا رہی تھی۔

''سب کو نکالا بی جاناں نے، اب اپنی حالت دیکھو، بول بھی نہیں سکتا، رات سے غش آ رہے ہیں۔''

''اور وہ دولہن؟'' نیل بر مارے تعجب کے مرنے والی ہو چکی تھی، یا حیرت بنو محل میں اتنا کچھ ہو چکا تھا۔

''وہ...... تو ناشتہ کرتا رہا، پھر لالا کے ساتھ کہیں چلا گیا، ابھی تک نہیں آیا۔'' پری گل نے

مزید بتایا۔

''اور صندیر خان لالا کچھ نہیں کہا؟''

''وہ کیسے کہے گا بی بی! وہ تو لالا کو ساتھ لایا ہے۔'' پری گل نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ مارا تھا، جیسے اس کی سمجھ کو کوسا ہو، نیل بر کا تعجب اور حیرانگی سے برا حال تھا، فون رکھ کر بھی گم صم بیٹھی رہی، حیرت سے دو چند یہاں تک کہ جہاندار واش روم سے باہر آ گیا، گیلے بال تولیے سے پونچھتا وہ اسے مراقبے کی حالت میں دیکھ چکا تھا۔

''تمہیں کس نے بت بنا دیا، زندہ تو ہو۔'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا، جواباً نیل بر نے تنک کر کہا۔

''الحمد للہ۔''

''آں ہاں۔'' جہاندار نے تشکر سے چھت کی طرف دیکھا۔

''مری نہیں، فکر مت کرو، تمہارے انتقام کو پورا کروا کے مروں گی۔'' اس کا انداز جلا کٹا سا تھا۔

''برے لوگ اتنی آسانی سے مرتے بھی نہیں، سو مجھے کوئی فکر نہیں۔'' جہاندار کا انداز بھی جلانے والا تھا۔

''برے ہو گے تم خود۔'' نیل بر کو شدید غصہ آیا تھا۔

''میں نے کب اچھائی کا میڈل پہن رکھا ہے۔'' وہ مسکرایا تھا، پھر اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''کبھی مسکرا بھی لیا کرو، افاقہ ہو گا۔''

''میرے حصے کا تم جو مسکرا لیتے ہو، یہی بہت ہے۔'' نیل بر نے بڑبڑاتے ہوئے پاؤں پسار لئے تھے، طبیعت پہ کسل مندی چھائی تھی، جہاندار کو محسوس ہوا تھا کہ آج بھی ناشتہ بنانے کی باری اسی کی ہو گی، نیل بر کے ارادے تو نہیں لگتے تھے، ویسے بھی پراٹھا اسے بنانا نہیں آتا تھا، ڈبل روٹی وہ جلا دیتی تھی اور انڈا بنانے سے ابکائی آتی تھی، سو جہاندار کو نظر آ رہا تھا اگلے نو مہینے باورچی خانے میں اس کی ڈیوٹی پکی تھی۔

''ویسے صبح سویرے کسے فون کھڑکایا جا رہا تھا؟'' کچھ دیر بعد وہ پانی کی بوتل کو منہ لگا کر پانی پیتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھ رہا تھا، نیل بر جہاندار کے بنائے ناشتے کو سو سو نخروں سے کھاتی ناک چڑھا کر بولی تھی۔

''کیا میں کسی کو فون نہیں کر سکتی۔''

''ضرور۔'' جہاندار نے سر ہلایا۔

''مگر سوال تو وہیں ہے۔''

''میں نے حمت کو فون کیا تھا۔'' نیل بر نے لاپرواہی سے بتایا، جہاندار کو پانی پیتے ہوئے اچھو لگ گیا تھا۔

''ہیں؟ پھر؟ بات ہوئی؟''

"نہیں۔"

"تو پھر؟" جہاندار نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"شاہوار لالا نے شادی کر لی، بی جاناں کی مرضی کے خلاف۔" اصل دھماکہ دار خبر یہی تھی، جہاندار کی مارے خوشی کے کوئی انتہا نہ رہی۔

"ارے واہ، مجھے شاہوار سے ایسی بہادری کی امید تھی۔" جہاندار کوئی بے انتہائی مسرور نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں بڑی خوشی ہو رہی ہے؟" نیل بر کا انداز طنزیہ تھا۔

"تو نہ ہو، میرے دشمن آباد ہو رہے ہیں، میں کوئی ان کی طرح ہوں، جو دوسروں کو خوش دیکھ کر جلنا شروع کر دوں۔" اس نے پانی کی بوتل بند کی اور انڈا اچھیل کر زبردستی نیل بر کو کھلایا تھا، جو اس نے ہزار نخروں کے بعد کھایا تھا۔

"ویسے تم بھی جواباً ان کو خوشخبری سنا دیتی، ماموں بننے کی۔" آخری الفاظ اس نے دانستہ چبا کر ادا کیے تھے، دراصل نیل بر کو چڑانا مقصود تھا، توقع کے عین مطابق اس کا موڈ خراب ہوا تھا۔

"یہ مبارک کام تم خود ہی کر لو۔"

"میں تو باقاعدہ مٹھائی کے ٹوکروں کے ساتھ کروں گا، خاطر جمع رکھیں۔" وہ ہنستا ہوا اٹھ گیا، شاید کہیں جا رہا تھا، اسے جیپ کی چابیاں اٹھاتے دیکھ کر نیل بر نے بلا ارادہ ہی پوچھ لیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"شاہوار خان کا ولیمہ اٹینڈ کرنے۔" جواباً جہاندار نے اس کی طبیعت صاف کرتے ہوئے جواب دیا تھا، نیل بر جلتی کسلتی منہ پر چادر تان کر لیٹ گئی۔

"بدتمیز نہ ہو تو۔"

☆☆☆

عشیہ اور شاہوار کے اٹھتے ہی طوفان آ گیا تھا۔

کب سے خاموش عروفہ نے ان کے نکلتے ہی بم چلا دیا، مورے بے چاری حق دق رہ گئی تھیں اور نشرہ گم صم، اب گھر میں کیا ہونے والا تھا، کچھ خبر نہیں تھی، عروفہ نے ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا۔

"مجھے شادی نہیں کرنی۔"

بات معمولی ہوتی تو چھپتی لمحوں میں سب کو خبر ہو گئی، ہیام اور مورے تب سے پریشان اور غم زدہ بیٹھے تھے، ہیام کو غیرت اور شرمندگی نے گھیرا ہوا تھا اور مورے کو عروفہ کی سرکشی نے چاروں شانے چت کر دیا۔

گھر میں مہمان تھے اور ادھر روزگل کے گھر والوں کو کیا جواب دیتے مورے کی خواہش تھی، زور زبردستی سے نکاح کر دیتے، مگر اس بات پر ہیام نہیں مان رہا تھا۔

"مورے! یہ چار دن کا کھیل نہیں، میں روزگل کی فیملی سے خود بات کر لیتا ہوں، کچھ عرصے کے لئے نکاح ملتوی کر دیتے ہیں۔" ہیام کے فیصلے پہ مورے مطمئن نہیں ہو رہی تھیں۔

''اس کو کیڑے پڑ جائیں گے کوئی رشتہ لینے نہیں آئے گا، جانے کس کے خیالوں میں ہے، اللہ مجھے صبر دے ورنہ میں اس ذلیل کا خاتمہ کر ڈالوں گی۔'' مورے کا غم وغصے سے برا حال تھا، ہیام کے سمجھانے بجھانے پر بھی چیخ رہی تھیں، حتیٰ کہ گلالئی نے ہی آکر مورے کو سنبھالا تھا، ان کا صدمہ اور دکھ کم نہیں ہو رہا تھا۔

شادی والا گھر مرگ بن گیا، مورے کی آہیں چھت ہلاتی رہیں۔

نشرہ ہیام کو دکھی اور افسردہ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتی رہی، بات کرنے اور تسلی دینے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

رات گئے جب وہ اپنے کمرے کی طرف گیا تب نشرہ بھی بنا چاپ کے ہیام کی پیروی کرتی پیچھے ہی آگئی، جیسے ہی وہ دروازہ بند کرنے کے لئے مڑا سامنے کھڑی نشرہ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا اور پھر خاموشی کے ساتھ ایک سائیڈ پہ ہو کر اسے راستہ دیا، جب وہ اندر آگئی تو ہیام نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

وہ پلنگ پہ بیٹھی تھی اور ہیام صوفے، دونوں پہلی مرتبہ اس حال میں ملے تھے کہ دونوں کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا، بہت دیر خاموشی ہی چکراتی رہی، جسے نشرہ کو دھیمی آواز نے بمشکل توڑا تھا۔

''ہیام! سب ٹھیک ہو جائے گا، تم پریشان نہ ہو۔'' نشرہ کو اپنے ہی الفاظ کھوکھلے لگ رہے تھے، کبھی کبھی تسلی دینا بھی بہت مشکل لگتا ہے، نہ الفاظ ساتھ دیتے ہیں اور نہ لہجہ۔

''کیا ٹھیک ہو گا نشرہ، اتنی بدنامی، سورج ڈھل چکا ہے، رات آ گئی، اگلا دن بھی آجائے گا، وقت بدل جائے گا مگر یہ ذلت؟'' وہ اذیت بھرے لہجے میں بولتا ہوا چپ ہو گیا تھا۔

''یہ ذلت کبھی ختم نہیں ہو گی۔'' اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

''مشکل وقت گزر جاتا ہے ہیام! تم حوصلہ مت ہارو۔'' نشرہ بے ساختہ ہی اٹھ کر اس کے قریب آ گئی تھی، دوزانو بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ ہیام کے گھٹنوں پہ رکھ دیئے تھے۔

ہیام نے سرخ آنکھوں سے نشرہ کی طرف دیکھا، وہ حوصلہ افزا نظروں سے دیکھ رہی تھی، ہیام نے نرمی سے آنکھیں موند کر اس کے دونوں ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ رکھے اور پرسکون ہو کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی تھی، نشرہ اس کے ہاتھ سہلاتی رہی یہاں تک کہ وہ اونگھنے لگا تھا، وہ تب بھی بے خوف سی وہیں بیٹھی رہی، اس کے سبک نقوش میں اپنی چاہت تلاش کرتی رہی، اسے ہیام کا ہر نقش اپنی محبت میں بولتا محسوس ہو رہا تھا، اس کا دل چاہا، رات یوں ہی ٹھہر ٹھہر کے چلتی رہے۔

☆☆☆

پلوشہ نے بھرے دل کے ساتھ عینی کا تھمایا ہوا فون بادل نخواستہ پکڑا تھا۔

''کس کا ہے؟'' یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی، پلوشہ جانتی تھیں، دوسری طرف فون پر کون ہے۔

''آ گئی تمہیں خالہ کی یاد۔'' ان کے بھرے لہجے میں ڈھیر سارا دکھ محسوس ہوتا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں خالہ۔'' وہ شرمندہ تھا، اداس تھا، گھر سے دور تھا اور اب اپنے اپنوں کے

www.urdusoftbooks.com

پاس واپس آنا چاہتا تھا، مگر اسے امام کے رویئے سے ڈر لگتا تھا اور خالہ کا سامنا کرنے سے شرمندگی ہوتی تھی۔

''اپنوں کے ساتھ کوئی ایسے کرتا ہے؟''

''میں شرمندہ ہوں۔'' اس کا لہجہ بجھا تھا۔

''تمہاری شرمندگی کیا گزرا وقت واپس لاسکتی ہے، اپنی اکلوتی بہن کی آخری رسومات پہ بھی نہیں آئے۔'' پلوشہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

''کس منہ سے آتا، مجھے امام سے ڈر لگتا تھا۔'' ہمان کی آواز پست تھی اور پیچھے ایک بچے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی، جسے وہ انگریزی میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔

''خالہ! اب اکیلے نہیں رہا جاتا، میں واپس آنا چاہتا ہوں۔'' وہ زیادہ دیر ضبط نہیں کرسکا تھا، بالآخر رو ہی پڑا، جب وہ رویا تو پیچھے بچہ بھی شاید باپ کو روتا دیکھ کر ہرٹ ہوا تھا، وہ بچہ بھی رونے لگا۔

''میرے بچے!'' پلوشہ بھی رو رہی تھی۔

''میں آپ سے اجازت لے رہا ہوں۔'' اس نے شاید روتے بچے کو اٹھالیا تھا، کیونکہ بچے کی آواز اب زیادہ قریب سے آرہی تھی۔

''کوئی اپنے گھر آنے کی بھی اجازت لیتا ہے؟'' پلوشہ نے ڈپٹ کر کہا تھا، ساری ناراضگی کا اثر زائل ہوگیا تھا، اس کے آنے کا سن کر پلوشہ کا مراوجود کھل اٹھا تھا۔

''پر امام۔'' وہ ہچکچایا۔

''امام نے کہا تھا، میں اس گھر دوبارہ نہیں آسکتا۔'' اس کی آواز پست ہوگئی تھی۔

''امام کو چھوڑو، اسے میں دیکھ لوں گی۔'' پلوشہ نے آنسو پونچھ کر اونچی آواز میں کہا تھا، پاس بیٹھی عینی حیران ہوئی تھی، عجیب لوگ تھے یہ بھی، ابھی ہنسنے لگتے اور ابھی رونے لگتے۔

''امام کہاں ہے؟''

''وہ بدین سندھ کی طرف ٹرانسفر ہو چکا ہے، اب وہیں ہے، شکر ہے خدا کا، اللہ نے صحت کے ساتھ جاب پہ بھی بحال کردیا۔'' اب وہ خوشی خوشی بتا رہی تھیں۔

''تو پھر میں آجاؤں؟'' اس معصومیت پہ پلوشہ سو دفع قربان ہوئی تھیں۔

''میرا بچہ تو جگ جگ آ۔'' ان کا دل ممتا کے جذبات سے لبریز ہوگیا تھا، جب انہوں نے فون رکھا تو عینی سے رہا نہیں گیا، ترنت زبان چلی تھی۔

''تو آپ نے ہمان سے صلح کرلی، امام بھائی کچھ کہے گا تو نہیں۔''

''کیوں کہے گا، جتنا امام کا گھر ہے اتنا ہمان کا بھی گھر ہے۔'' انہیں عینی کی بات کچھ اچھی نہیں لگی تھی، ویسے بھی ہمان کے آنے کی خوشی ہر چیز پہ حاوی تھی، وہ عینی کے بگڑتے تاثرات دیکھ ہی نہیں سکی تھیں۔

''چلو جی، ایک اور مہمان بلا کے جان آرہا ہے، ہماری تو خدمتوں میں ہی گزر جائے گی، اللہ جانے امی کس آس پہ بیٹھی ہیں، مجھے تو یہاں دال گلتی نظر نہیں آرہی، امام تو ہاتھ سے نکل ہی گیا،

اب یہ ہمان، یہ تو باہر کی ہو کھا کر آیا ہے، کہاں گھاس ڈالے گا، میری بھولی ماں کو دنیا کی سمجھ ہی نہیں اور میں یہاں ان امیروں کی نوکری کر رہی ہوں، نجانے کس آس پر، شاید کسی مظلوم ہیروئین کی طرح میرے بھی دن پھر جائیں، مگر لگتے نہیں۔" عینی جلے دل کے ساتھ زور و شور سے سوچے جا رہی تھی اور ادھر پلوشہ اس کو مختلف ہدایات دے رہی تھیں۔

"ہمان کا روم سیٹ کروا دو، گروسری کر آؤ، کھانے پینے کا سامان چیک کرو، گھر کی صفائی ستھرائی کروا دو، میرا بچہ آ رہا ہے۔"

"اور ساتھ اپنا بچہ بھی لا رہا ہے۔" عینی نے کسل کر سوچا تھا۔

"اب اس کی آیا گیری بھی کرنا پڑے گی۔" وہ جل بھن کر کباب ہو چکی تھی اور پلوشہ بے چاری اپنی خوشی میں مگن اس کے جلے تاثرات دیکھ ہی نہیں سکی تھیں، اگر دیکھ لیتیں تو حیران رہ جاتیں، اس کے تاثرات ہی اتنے مضحکہ خیز تھے۔

☆☆☆

عروفہ کا بالآخر ولید سے رابطہ ہو ہی گیا تھا، رات کے تین بجے تک وہ جاگتی رہی تھی اور اب جب اس نے کال ریسیو کر ہی لی تھی، اس کے انتظار کی مراد بر آ ہی گئی تھی تو اس کے سامنے زبان جام ہی ہو گئی۔

اب بولے تو کیا بولے؟ تھی تو پہاڑی لڑکی، چاہے جتنی بھی منہ پھٹ تھی مگر اپنی شادی رکنے کی خبر پہ شرمندہ ہو رہی تھی، آخر ولید نے تنگ آ کر پوچھ ہی لیا تھا۔

"اب بول بھی چکو، میرا نیند سے برا حال ہے۔" اس کے لہجے میں واضح بیزاری تھی، عروفہ کو دل سے دکھ ہوا تھا، تو کیا وہ نہیں پوری رات سے اس کی خاطر جاگ رہی تھی؟ اور ولید آتے ساتھ احسان جتا رہا تھا جیسے اسے بہت ہی برا لگا۔

"میں بھی تمہارے لئے جاگ رہی ہوں۔" وہ عروفہ ہی کیا جو جتائے نا۔

"تصحیح کر لو، میرے لئے نہیں، اپنے گھر والوں کے سونے اور تنہائی پانے کے انتظار میں۔" ولید نے اس کی بات درمیاں میں ہی اچک لی تھی، عروفہ کے سر پہ جا لگی مگر ضبط کر گئی۔

"بات تو ایک ہی ہے، تم سے بات کرنے کے لئے ہی جاگ رہی ہوں۔"

"اچھا، اب کام کی بات کرو، میں دن بھر کا تھکا ہوا ہوں۔" اب کے ولید کا انداز نسبتاً بہتر تھا، اس نے حوصلہ پا کر بتا ہی دیا۔

"میری شادی رک گئی ہے۔"

"رکی یا رکوا دی؟" ولید نے ترنت پوچھا تھا۔

"جو بھی سمجھ لو۔" اس کا انداز مبہم تھا۔

"تم نے آخر بیوقوفی کر ہی دی۔" ولید نے جیسے ماتھا پیٹا تھا۔

"تو پھر کیا کرتی۔" اسے ولید کا انداز بہت برا لگا تھا۔

"کم از کم یہ کام نہ کرتی، شادی ہو جانے دیتی۔" ولید نے چڑ کر کہا تھا، اسے عروفہ کی بیوقوفی پہ تاؤ آ رہا تھا۔

''پھر تم سے بات کیسے ہوتی؟'' اس نے ہونق پن کی انتہا کر دی تھی، تھی تو پہاڑی گنوار لڑکی ہی نا، ولید کا دل چاہا، اپنا موبائل ہی اس کے سر پہ مار کر توڑ ڈالتا اگر قریب ہوتا تو۔

''تو تم نے بات کرنے کے لئے، یعنی مجھ سے بات کرنے کے لئے اپنی شادی رکوا دی ہے؟'' ولید نے حیرتوں کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے، دوسری طرف عروفہ عجیب جذبات کا شکار ہو رہی تھی۔

''ہاں۔''

''کس قدر بیوقوف لڑکی ہو تم، بات تو بعد میں بھی ہو سکتی تھی۔'' ولید نے ایک دفع پھر اپنا سر پیٹا تھا۔

''بعد میں کیسے ہو سکتی تھی، میرا شوہر مجھے مار ڈالتا سمجھے۔'' اب کہ عروفہ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''اچھا...... اچھا۔'' ولید نے فوراً موقع دیکھ کر سیز فائر کیا، اس کی بلا سے شادی رکتی یا نہ رکتی، اسے اپنے کام سے مطلب تھا۔

''تم نے جو کیا، کچھ سوچ کر ہی کیا، بلکہ یہ تو بہتر ہو گیا۔'' اب وہ جان کر اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا، اندر سے گالیاں دے رہا تھا۔

''کس قدر احمق مخلوق ہے یہ، اپنی شادی رکوا دی گدھی۔'' اس کا موڈ شدید آف تھا اور اوپر سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا، کاش کہ عروفہ اس کے دوغلے پن کو سمجھ لیتی۔

''اب تمہارا بھائی کیا کرے گا؟ میں نے سنا ہے، پٹھان ان معمالات میں بڑے سنگ دل ہوا کرتے ہیں۔'' اب وہ آئندہ کی صورت حال جاننا چاہ رہا تھا، آیا کتنی جلدی وہ اپنے منصوبے پر عمل کر کے نشرہ کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیتا، اتنا تو اسے بھی پتا تھا ہیام نے یہ شادی اپنے گھر والوں سے چھپ چھپا کر کی تھی۔

''میرا بھائی ویسا پٹھان نہیں ہے، روشن خیال ہے اور وہ زبردستی کسی پہ اپنی مرضی نہیں ٹھونستا۔'' عروفہ نے ہیام کی تعریف کی تھی، جو ولید کو ایک آنکھ نہیں بھائی۔

''پھر تو بے غیرت ہوا۔'' یہ بات اس نے دل میں کہی تھی۔

''تھوڑا ناراض ہے مگر ٹھیک ہو جائے گا۔'' عروفہ نے مزید بتایا۔

''اور تمہاری ماں؟''

''ان کا مسئلہ نہیں، ان کے غصہ کرنے کی بیماری ہے، غصہ کریں گی، بولیں گی، جھگڑیں گی اور ٹھیک ہو جائیں گی۔'' عروفہ مطمئن تھی۔

''مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ پہاڑی لڑکیاں بھی اپنی شادی کے معاملات میں آزاد ہوں۔'' وہ واقعی حیران تھا، کیونکہ اس نے جو کچھ آج تک سنا تھا، یہ اس کے برعکس تھا۔

''ہمارے گھر کا معاملہ الٹ ہے، میری بہنوں نے بھی اپنی پسند سے شادی کی، میرا بھائی ایسی پابندی نہیں لگاتا۔'' عروفہ کے دل میں اپنے بھائی کے لئے غرور بھر آیا، جو بھی تھا، اس کا بھائی غرور کے لائق تھا۔

''بہت خوب۔'' ولید نے گہرا طنز بھرا سانس خارج کیا تھا۔

''پھر تو تمہارا بھائی خود بھی لو میرج کو ترجیح دے گا؟'' ولید کا تیر اب ہی ٹھیک نشانے پہ لگا تھا، بیوقوف پہاڑی لڑکی دام میں ہی اب آئی تھی، ولید کے من کی مراد برائی، گفتگو نے از خود ایسا رخ اختیار کر لیا تھا، جو ولید کی بہت ساری کشمکش کو لے اڑا تھا۔

''ایسے ہرگز نہیں۔'' عروفہ نے بہت شدت کے ساتھ انکار کر دیا تھا۔

''ایسا کیوں نہیں۔'' ولید اچھل ہی پڑا۔

''میرا بھائی ماں اور بہنوں کی پسند سے شادی کرے گا، اتنے سالوں میں اس نے کسی کو پسند نہیں کیا، نہ مورے اجازت دیں گی، وہ اپنی ماں کی پسند کو اولیت دے گا۔'' عروفہ کو بیوقوفی نے ولید کے منصوبے کو اور بھی تقویت دی تھی، اس کا دل اچھل پڑا تھا، اس کا مطلب تھا، ہیام کے گھر والوں کو ابھی تک ہیام کے کارنامے کی خبر نہیں ملی تھی، تو پھر نشرہ کس حیثیت سے یہاں رہ رہی تھی؟

''شاید ایسا نہ ہو، آخر کو وہ ڈاکٹر ہے، اتنا عرصہ لاہور رہا، ممکن ہے اس نے کسی کو پسند کر لیا ہو، تم لوگوں کو بتایا نہ ہو۔''

''ہو ہی نہیں سکتا، وہ ایسا نہیں، اگر کوئی ہوتی تو ضرور بتا دیتا۔'' عروفہ نے شدت کے ساتھ انکار کر دیا تھا اور ولید کے لئے سوچ کے کئی در وا ہو گئے تھے۔

''اور فرض کرو، ایسا ہو گیا ہو تو۔'' ولید نے ہوا میں ایک اور تیر چلایا تھا۔

''مورے ہیام کو کبھی معاف نہیں کریں گی، ان کا ایک ہی تو ارمان ہے، ہیام کی شادی پسند سے کرنے کا، ویسے بھی ہیام کو انہوں نے بچا کر رکھا ہوا ہے۔''

''بچا کر، کس لئے؟'' ولید نے مصنوعی حیرت کا شدید مظاہرہ کیا تھا۔

''ارے گلالئی کے لئے، گو کہ ہیام سے بڑی ہے، پر اگر جہاندار ماما، مورے کا سوتیلا بھائی گلالئی سے شادی نہیں کرتا تو مجبوراً ہیام کو ضرور کرنا پڑے گی، مورے گلالئی پہ اپنا اکلوتا بیٹا قربان کر سکتی ہیں۔'' عروفہ کے اگلے الفاظ نے ولید کے چودہ طبق روشن کیے تھے، آج تو بہت سارے انکشافات کا دن تھا، ولید کو اپنا جاگنا بیکار نہیں نظر آیا، وہ نیند پہ لعنت ڈال کر فارم میں آ چکا تھا۔

''اور ہیام؟ کیا وہ مان جائے گا؟'' ولید نے دل کے تجسس دبا کو پوچھا تھا۔

''ارے کیوں نہیں، مورے کے سامنے کبھی انکار نہیں کر سکتا، اور یہ تو طے ہے اگر گلالئی جہاندار کی نہ ہوئی تو ہیام کی ضرور ہو گی، مورے گلالئی کی زندگی کسی قیمت پر برباد ہونے نہیں دیں گی۔'' عروفہ اپنی ترنگ میں ایک ایک راز سے پردہ اٹھاتی جا رہی تھی، دوسری طرف ولید اپنی پلاننگ کو مزید اسٹرونگ کر رہا تھا، اب تو اسے نشرہ سے انتقام لینا بالکل ہی آسان لگ رہا تھا، اسے لگ رہا تھا، وہ جلد ہی بازی الٹنے والا ہے۔

☆☆☆

''اور پوری وادی کو لگتا تھا، فرخزاد میں پارہ بھرا ہوا ہے۔'' مورے تخت پہ بیٹھی لیموں کاٹتی ان دونوں کو بتا رہی تھیں اور وہ دونوں مرچوں میں مسالہ بھرتی ہمہ تن گوش تھیں۔

''جب وہ باہر نکلتا، میری ماں کو ہول اٹھنے لگتے تھے، یوں لگتا تھا جہاں سے گزرے گا تباہی مچاتا جائے گا، اس کی نسبت شیر شاہ بہت معتدل طبیعت کا مالک تھا۔'' وہ اپنے بھائیوں کے گزرے

دنوں کو یاد کرتی آبدیدہ ہو رہی تھیں۔

''فرخزاد اور جہاندار کی ایک جان ایک دل والی حالت تھی، لوگ کہتے تھے، یہ دونوں ایک روح اور ایک جان کے ساتھ زندہ تھے، دونوں کی عمروں میں اتنا تضاد تھا، پھر بھی ایسی دوستی کہ لوگ حیران ہوتے، جہاندار فرخزاد کے ساتھ رہ رہ کے اپنی عمر سے کئی سال پہلے ہی جوان ہو گیا، ہاں ایک بات اور تھی، جہاندار، فرخزاد سے زیادہ عقل مند اور معاملہ فہم تھا، اوائل عمری سے ہی اس میں ٹھہراؤ تھا اور وہ جذباتی بھی نہیں تھا، مگر فرخزاد؟'' مورے نے لیموں میں مسالہ بھرتے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

''فرخزاد میں آگ بھری تھی، کوئی بات برداشت ہی نہ ہوتی، غصہ آتا تو جاتا ہی نا، بس اس کا غصہ اسے وقت سے بہت پہلے لے گیا، میرا بچہ، میرا بھائی، میرا چاند۔'' مورے کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے، گلالئی کا سر جھکا ہوا تھا، نشرہ نے دیکھا، اس کے ہاتھوں پہ نمکین پانیوں کے شفاف قطرے گر رہے تھے، گلالئی رو رہی تھی، بے آواز رو رہی تھی۔

''مجھے پتا ہی نہیں چلا، وہ گلفام کی بیٹی کا کب اسیر ہوا، میرے گھر میں تو آتا ہی نہیں تھا، باہر اس نے کہاں دیکھا؟ مجھے خبر نہیں ہوئی، جب پتا چلا تو وقت نکل گیا، مجھ پر سارا الزام آ گیا، میں نے خانوں کی عزت کو اپنے بھائی کے ذریعے داغ لگوایا، بس میرا ناکردہ گناہ ہی میری سزا بن گیا۔''

''اب سوچتی ہوں تو بہت ساری باتوں اور الجھنوں کی سمجھ آنے لگتی ہے۔''

سردار نے ودھا اور فرخزاد کی محبت کو گناہ بنا کر صرف ایک ڈرامہ رچایا تھا، اس کی ماں چاہتی تھی مجھے گھر سے بے دخل کر دے، اسے میری بچیوں کا وجود کھٹکتا تھا، اسے لگتا تھا، سردار کا کبھی بیٹا نہیں ہو گا اور ساری جائیداد میری بچیوں کے نام لگ جائے گی، اسے اپنا تخت چھننے کا خطرہ تھا، اس نے بہت ساری زندگیوں کے ساتھ کھیل کھیلا۔

میرا نوعمر، نوجوان اٹھتی جوانی والا شیروں جیسا بھائی غیرت کے نام پہ قتل کر دیا، اس وقت بٹو محل میں میرے لئے قیامت تھی، جب میرے سر سے چادر اور سائبان چھین کر بے آسرا کر دیا گیا تھا، وہ وقت سرائے موت کا وقت تھا، وقت ان کے درد بھری آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا، یوں لگتا تھا، وہ بہت سارے ماہ و سال کو پتلیوں کے پیچھے ایک فلم کی مانند چلتا دیکھ رہی تھیں۔

''کسی نے بھی آواز نہیں اٹھائی، اس ظلم و جبر کے خلاف۔'' نشرہ نے گہری رنجیدگی سے سوال کیا تھا، مورے نے ایک دردناک آہ بھری تھی۔

''کس نے اٹھائی تھی؟ وقت کے فرعون کا راج تھا، کون جرأت کرتا؟ اس وقت سردار کسی کی سنتا ہی کہاں تھا؟ ایک طرف ودھا کے حصے کی ہزاروں لاکھوں ایکڑ اراضی اور جائیدادیں ہڑپ کرنے کی ہوس تھی اور دوسری طرف میرے باپ کو نیچا دکھانے کا جنون، یہ خاندانی دشمنی اور حسد میرے باپ کو حویلی اور اس کے جواں سال بیٹوں کو کھا گیا، شیر شاہ اور فرخزاد دنیا سے چلے گئے، اس کا خاندان لاپتہ ہو گیا، انہوں نے کوئی رابطہ نہیں رکھا، بھابھی بچوں کو لے کر نجانے کس کونے میں چلی گئی، جیسے وہ پربتوں کے اس پار ان خونی درندوں سے اپنے بچوں کو بچانا چاہتی تھی، جہاندار

اپنی ماں کے پاس اور پھر ننھیال میں ہی رہا، وہ بھی لوٹ کر نہ آیا۔"

"دوسری طرف گلفام کی بیوی حمت کو چھوڑ کر لاپتہ ہوگئی، وہ میری بھابھی کی سگی بہن تھی سننے میں آیا تھا، وہ حمت کو چھوڑ کر بھاگ گئی تھی، لیکن ایسا نہیں تھا، وہ دونوں بچیوں کو لے کر بھاگی تھی، دونوں جڑواں بچیاں، جس وین میں وہ منگورہ سے چڑھی تھی اس کا تعاقب کروا کے سردار نے اندھا دھند فائرنگ کروائی تھی، جس کی وجہ سے ویگن الٹ گئی، بہت سارے مسافر زخمی ہوئے، اسی شوروغل میں حمت ماں سے بچھڑ گئی، ویگن کھائی میں گر کر الٹ گئی تھی، بہت سارے مسافر لاپتہ ہو گئے، سرداروں نے بھی یہی سمجھا حمت کی ماں اور جڑواں بہن کھائی میں گر کر مر چکی ہیں، ان کی قبریں بنوا کر ختم درود کروایا اور کہانی ختم کر دی، ان قبروں میں آج بھی کوئی نہیں، خالی قبریں، انہیں کھائی کھا گئی یا زمین؟ کچھ خبر نہ ہوسکی، تھک ہار کر سردار نے یہ قصہ ہی ختم کر دیا، حمت کو واپس لے گئے، یہ کہانی اسی کھائی میں انجام پذیر ہوگئی تھی۔" مورے نے آج بہت سارے حقائق سے پردہ اٹھایا تھا، بہت ساری باتیں جو دل دہلانے والی تھیں، مگر نشرہ ان سے ناواقف تھی۔

اسے مورے کا کرب اپنا درد لگ رہا تھا، جب برداشت نہ ہوا تو ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی، گلالئی ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی، سر جھکائے اور اس کے گلابی دودھ سے ہاتھوں پہ ابھی بھی پانی کے قطرے گر رہے تھے، وہ بے آواز اب بھی رو رہی تھی۔

"اور سردار پہ کوئی مقدمہ نہیں چلا؟"

"کبھی فرعونوں سے کوئی ٹکرایا ہے موسیٰ کے سوا؟" مورے نے آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔

"اس وقت جہاندار کمزور تھا، طاقت وروں سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، مجھے لگا، وہ موت سے ڈر کر بھاگ گیا ہے، میں اس سے شدید ناراض تھی کہ آخری دفع ہماری بہت تلخ کلامی ہوئی تھی، پھر وہ روپوش ہوگیا، مجھے لگا بدعہد ہے، وعدے توڑ گیا ہے، پر یہ میری بھول تھی، اسے سب یاد تھے، ارادے بھی اور وعدے بھی، وہ لوٹ کر آ گیا ہے، شاید انتقام لینے، پر میں اب بھی ڈر رہی ہوں، خون کی ہولی کھیلنے سے، مجھے خوف ہے جہاندار کوئی تباہی مچا دے گا اور اب میں چاہتی ہوں وقت عصر اب کبھی بھی ہم پر نہ آئے۔" مورے کی آواز بھرا کر پست ہوگئی تھی، ان کے ساتھ لپٹی نشرہ نے ان کے سارے آنسو پونچھ ڈالے تھے، اب وہ ان کا جھریوں زدہ چہرہ چوم رہی تھی، اسے مورے جیسی عظیم عورت سے والہانہ عقیدت ہوگئی تھی، غموں کے پہاڑ سہنے کے بعد آج بھی وہ بہت حوصلے سے جی رہی تھیں۔

"میری بیٹی آج اسی گھر میں ہے، اسی چھت کے نیچے، جہاں سے نکالا گیا، یہ قانون قدرت ہے، اسے کوئی بدلنے پہ قادر نہیں۔" وہ نشرہ کا سر تھپتھپاتی کہہ رہی تھیں اور نشرہ نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا تھا۔

"اب عشیہ کو بھی ان سے بدلہ لینا چاہیے۔"

"نہ میرا بچہ! ہم نے اپنے بچوں کو یہ نہیں سکھایا، قدرت خود جب بہتر انتقام لے سکتی ہے تو ہم یہ کام کیوں کریں، اب اس عورت نے کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا، میری بیٹی اس کے گھر کی چھت تلے کبھی اپنے قدموں پہ کھڑی ہوگی۔" مورے نے گہرا سانس بھرا، وہ اب ہاتھ پونچھ کر تخت پہ لیٹنے

لگی تھیں، شاید تھک چکی تھیں، نشرہ نے سامان سمیٹ دیا تھا، پھر گلائی اور مورے کے لئے چائے بنانے لگی، وہ دونوں شاید کوئی اور بات کر رہی تھیں، جبکہ نشرہ عشیہ کے بارے میں سوچ رہی تھی، اسے عشیہ کے ارادوں اور حوصلے پہ رشک آ رہا تھا۔

ہر عورت کو اتنا ہی مضبوط اور بہادر ہونا چاہیے، جو اپنے حق کے لئے کھڑی ہو تو کئی عمارتوں کی بنیادیں ہلا دے۔

☆☆☆

اچانک ہی صندیر لالا کی طرف سے واپسی کا بلاوا آ گیا تھا، حمت اور سباخانہ حیران پریشان۔

ایک تو کومے کی جدائی اوپر سے آزادی سلب ہونے کا دکھ دہلا رہا تھا، ایک دفعہ پھر اسی قلعے میں قید ہونے جانا تھا، سباخانہ اور حمت دکھی دل کے ساتھ پیکنگ کر رہی تھیں اور کومے شدید غصے میں تھی۔

''میں اس کو نہیں چھوڑوں گی، اس کی جرأت کیوں ہوئی تم دونوں کو بلانے کی۔'' حمت اسے کول کر رہی تھی، جبکہ سباخانہ اور بڑا اھوا دے رہی تھی۔

''ضرور پوچھنا، ہماری آزادی برداشت نہیں ہو سکی۔'' سباخانہ کا قطعی دل واپسی پہ آمادہ نہیں تھا، یہی حال حمت کا تھا، مگر حمت کو اپنے جذبات پہ کنٹرول تھا۔

''رہنے دو سباخانہ، لالا کی پہلے ہی نہیں بنتی، ادیں دونوں کی لڑائی ہو گی۔''

''میں اس کی ایسی تیسی کر دوں گی۔'' کومے مارے جھنجلاہٹ کے الٹا سیدھا بول رہی تھی۔

''اب اتنا تو بتا دیتا نواب زادہ کتنے دنوں کے لئے لے کر جا رہا ہے۔'' اس نے جھلا کر حمت کے ہاتھ سے بیگ کھینچا تھا۔

''شاید ہمیشہ کے لئے۔'' سباخانہ نے جل کر جواب دیا تھا۔

''دیکھ لوں گی میں اسے، یہاں سے بھاگ کر اس پہ کیس کروا دوں گی، جیل میں جلے گا۔''

کومے اب اپنا غصہ نکال رہی تھی، اکیلے ہونے کا احساس ہی دہلا رہا تھا اور اب تو ان دونوں کی اتنی عادت ہو چکی تھی تنہائی کے علاوہ بھی دل برا ہو رہا تھا۔

''کیس؟ مگر کیوں؟'' یہ سوال حمت کی طرف سے آیا تھا، کومے نے بھنا کر اسے دیکھا۔

''مجھے اغوا کر رکھا ہے اس نے یہاں۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ حمت ہی کیا جو غلط بات برداشت کر جاتی۔

''اغوا نہیں کیا، تمہیں یہاں حفاظت کے ساتھ علاج کے لئے رکھا، تمہاری جان بچائی، ورنہ کسی کھائی میں اب تک خدانخواستہ جنگلی جانوروں کا شکار ہو چکی ہوتی۔''

''تو مرنے دیتا کیوں احسان کیا اور اب تک میرے گھر والوں کو اطلاع بھی نہیں دی۔''

کومے نے بھناتے ہوئے کہا تھا۔

''اطلاع اس لئے نہیں دی، وہ تمہیں شاید اب تک رو چکے ہیں، تمہاری صحت یابی کے بعد پہلا کام لالا یہی کریں گے۔'' حمت نے پھر سے اس کی بدگمانی دور کرنا چاہی تھی۔

''اتنا بھی اچھا نہیں۔'' وہ ایویں ہی کڑھ رہی تھی۔

www.urdusoftbooks.com

''اچھے تو ہیں، اتنا خیال رکھتے ہیں تمہارا، یہ اعزاز صرف تمہارے حصے میں ہے اور وہ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتے۔'' حمت نے خفگی سے جتلایا تھا۔

''تم دونوں کو ''لالا فوبیا'' ہو چکا ہے۔'' گوے نے ہاتھ جوڑے۔

''اچھا، اپنا خیال رکھنا، وقت پہ دوا لینا، اللہ نے چاہا تو ملاقات جلدی ہو گی۔'' حمت نے جاتے سمے اسے بہت ساری ہدایات دی تھیں، جو اس نے برے موڈ کے ساتھ سنیں۔

''امید تو نہیں لگتی دوبارہ ملاقات ہو گی۔'' سباخانہ کچھ زیادہ ہی مایوس لگ رہی تھی، حمت اسے بازو سے پکڑ کر باہر لے آئی، جب دونوں جیپ کے پاس آئیں تو غریب خان سامان دیکھ کر متعجب ہوا۔

''اوم...... اتنا سامان؟ خان نے سامان لانے کو تو نہیں کہا۔''

''ہیں تو پھر؟'' حمت سے پہلے ہی سباخانہ بول پڑی تھی۔

''سامان واپس رکھوا دو بابا، خان نے بولا، شام کو واپسی ہو گی۔'' غریب خان نے ماتھا پیٹ کے بتایا تھا۔

''ہم لوگ یہاں واپس آئیں گے۔'' سباخانہ نے ہونق پن کی انتہا کر دی تھی۔

''ظاہر ہے۔'' حمت نے گھور کر جتلایا۔

''تو پھر جا کیوں رہے ہیں۔'' وہ حیران تھی۔

''شاہوار خان کا ولیمہ ہے بابا۔'' کچھ دیر بعد غریب خان نے دھماکہ کیا تھا، وہ دونوں منہ کھول کر اچھل پڑی تھیں۔

''شادی ہوئی ہے، جو ولیمہ ہو رہا ہے؟'' یہ سوال سباخانہ ہی کر سکتی تھی، حیرت در حیرت، اس وقت اتنی حیرانگی تھی کہ دکھ کرنا بھی بھول گئی، تو شاہوار خان نے اپنی پسند سے شادی کر لی؟

''ظاہر سی بات ہے۔'' حمت نے اسے چٹکی کاٹی۔

''شادی ہوئی ہے تبھی تو ولیمہ ہو رہا ہے نا۔''

''مگر بی جاناں...... اور شاہوار گھر آ گیا، کمال ہے، ہمارے جانے کے بعد اتنی تبدیلیاں۔'' سباخانہ کی ازلی رقابت عود آئی، دل میں دکھ بھی بھر گیا تھا، مگر اس نے خود پہ حاوی نہ ہونے دیا، حمت کہتی تھی، جو ہمارا نہیں اس پہ کیا رونا؟ تو پھر کیا ہی رونا؟ اس نے ہر خیال جھٹک دیا تھا، مگر بی جاناں کی ہار کا خیال نہ جھٹک سکی۔

''کیا وقت واقعی بدل چکا ہے؟''

☆☆☆

نومی کچن میں کام کرتا شدید غصے میں تھا، برتن اٹھ پٹخ رہے تھے، دل چاہ رہا تھا پورا کچن ہی پلٹ کر دے، غصے میں اس کا بھونپو بھی آن تھا۔

''عینی کو نہیں بلوا سکتیں تو ایک اور کام کر دیں۔'' وہ چائے میں پتی انڈیلتا بھنایا، مخاطب والدہ تھیں جو پہلے ہی چائے نہ ملنے پہ بھنائی بیٹھی تھیں۔

''چائے بنا نہیں سکتا، بس زبان چلا سکتا ہے۔'' تائی نے تپ کر جواب دیا تھا۔

''آپ سے کچھ کہہ رہا ہوں۔'' اس نے کھڑکی میں سے گردن نکالی تھی۔

''میں بہری ہوں۔'' وہ بھی اس کی ماں تھیں، ترنت جواب دیا۔

''مجھ سے اب یہ گھر گرہستی نہیں سنبھالی جاتی۔'' نومی نے تاؤ میں آکر پھر سے برتن پٹخے۔

''اپنا آپ مجھے زنانہ لگنے لگا ہے، صبح ناشتے سے لے کر اب تک گھن چکر بنا ہوا ہوں، تین تین وقت کھانا پکاؤں چائے بناؤں، برتن دھوؤں، کپڑے، صفائی، دھلائی، آخر آپ نے مجھے نوکرانی ہی سمجھ لیا ہے، مجھ سے نہیں ہوتی یہ چاکری اب۔'' نومی غصے میں چلا رہا تھا، تائی نے بیزاری سے کروٹ بدل لی، یہ تو نومی کا روزانہ کا رونا تھا۔

''عینی کو بلوالیں یا اس چیز کا کوئی حل بھی سوچیں۔''

''میرا دماغ ہی نہیں، تم ہی حل بھی سوچ لو۔'' دوسری طرف بیزاری کا ہنوز وہی عالم تھا۔

''امی!'' وہ چلایا۔

''یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' یہ دھمکی ذرا کارگر تھی، امی ہڑبڑا کر اٹھ گئیں۔

''ارے کہاں جاؤ گے، کوئی اپنے بڈھے ماں باپ چھوڑ کر جاتا ہے؟''

''تو بڈھے ماں باپ ہی اولاد کا سوچ لیں، میں آپ کے سارے کام کرتا ہوں، اندر باہر کے مجھے فل ٹائم میڈ ہی سمجھ لیا ہے۔'' نومی نے کسل کر کہا تھا۔

''اپنے گھروں کے کام لوگ کرتے ہی ہیں، ہمارے نبی پاکؐ......'' تائی کے اگلے وعظ کو سنے بغیر نومی چیخ پڑا۔

''ہمارے نبی پاکؐ کا یہ بھی حکم ہے، بچوں کی شادیاں کر دیں، آپ کو بہو ملے گی، ہمیں بھابھی اور بیوی، میری نہ سہی، اسامہ بھائی کی کر دیں، اس گھر کو کوئی تو سنبھالے۔'' نومی کا انداز جلا کٹا تھا۔

''نشرہ کے چلے جانے کے بعد ہم تو معذور ہو گئے، فاقوں پہ آ گئے، اس گھر کا کوئی حال نہیں رہا۔''

یہ حقیقت تھی، جو نومی نے بیان کی، تائی کو اتفاق کرنا پڑا، نشرہ بری طرح سے یاد آئی تھی۔

''اتنی دفع اسامہ سے بولا ہے، نشرہ کو لے آئے یا ہمیں ملوا لائے، کوئی سنتا ہو تو۔'' تائی کے اپنے ہی شکوے بہت تھے۔

''وہ تو سسرال کی پیاری ہی ہو گئی، بندہ دو مہینے رہ ہی جاتا ہے۔''

''ہاں، دو مہینے رہ کر اس گھر سے پھپھوندی اور جالے اتار جائے، دو مہینے کا کھانا پکا کر فریز کر جائے، کم از کم میری جان تو چھوٹے۔'' نومی نے کسل کر تڑکا لگایا تھا۔

''میرا دل اداس ہے اپنی بچی سے، بندہ کبھی فون ہی کر لیتا ہے، نشرہ تو بھول ہی گئی۔'' تائی حقیقتاً آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

''یاد رکھنے کے لئے تھا ہی کیا؟'' نومی نے بھی طنز جھاڑا۔

''اب ایسی بھی بات نہیں، سب اسے یاد کرتے ہیں، مجھے تو بھولتی ہی نہیں۔'' انہیں نشرہ کی یاد کا دورہ پڑ گیا تھا اب۔

"جب تین وقت معدہ دہائی دیتا ہے تو نشرہ کی یاد تو ضرور آتی ہو گی۔" اس نے پھر سے طنز کا تیر چلایا۔

"سوکنوں جیسے طعنے دیتے ہو، بڑے کمینے ہو تم۔" تائی نے برا مان کر کہا۔

"اب چائے لا بھی دو، اور مجھے نشرہ سے بات کرنی ہے کال ملاؤ، بلاتی ہوں اسے، ایسی بھی کیا ناراضگی، چار دن رہ جائے، دل بڑا اداس ہے۔" تائی کے لہجے میں رقت بھر گئی تھی، نومی نے گہرا سانس بھرا، واقعی نشرہ کو بلانا ناگزیر تھا، وہ لپک کر فون اٹھا لایا۔

صد شکر اس کے چیخنے پہ امی کو خیال آ ہی گیا تھا، اسی بہانے ہی سہی، وہ اپنے میکے آئے گی، نومی کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا تھا، وہ حقیقتاً نشرہ کو بہت مس کر رہا تھا۔

☆☆☆

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔" ہیام بوکھلایا ہوا موقع پاتے ہی نشرہ کے سر پہ مسلط ہو گیا، وہ جو پچھلے صحن میں سبزیوں کو پانی دے رہی تھی، ڈر کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

"توبہ ہے ہیام، ڈرا دیا ہے۔" وہ خفگی سے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہوتی بولی تھی۔

"تم نے کیا سنا ہے؟"

"یہ چھوڑو۔" ہیام نے اس کے ہاتھ سے زبردستی بالٹی پکڑ کر ایک طرف رکھی، وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو جس کے تیور اچھے نہیں تھے۔

"نومی تمہیں لینے آ رہا ہے؟"

"ہاں۔" وہ گہرا سانس بھرتی آہستگی سے بولی تھی۔

"تم نے منع کیوں نہیں کیا، یہاں کیا بتا کر جاؤ گی، حد ہے نشرہ، میری ساری اسٹوری فلاپ ہو جائے گی۔" وہ شدید غصے میں تھا پھر بھی ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"میرا دل کیسے لگے گا؟ تمہارے بغیر، میں تمہارا اتنا عادی ہو چکا ہوں۔" اس کا پورا چہرا اور سارا لہجہ اداس ہو گیا تھا، اس کی بولتی آنکھوں سے بھی اداسی مترشح تھی، نشرہ کا اپنا دل ڈانواں ڈول ہوا، مگر پھر بھی اس کا دھیان ہٹانے کو بولی۔

"جیسے میرا دل لگتا تھا تمہارے بغیر، جب لاہور سے دو مہینے بعد بھی نہیں آتے تھے۔"

"نشرہ!" وہ واقعی اداس ہونے لگا۔

"میں تمہارے۔ جیسا بہادر نہیں ہوں، میں جدائی کیسے برداشت کروں گا۔" ہیام ٹھنک رہا تھا، اداس ہو رہا تھا، نشرہ کا دل بھی اداس ہو گیا تھا۔

"اچھا...... نہیں جاتی۔" وہ فوراً موم ہو گئی تھی، ہیام اسے روشن آنکھوں سے دیکھتا رہا اور اچانک اس نے نشرہ کا ہاتھ تھام کر بوسہ لیا۔

یہی لمحہ تھا، جب اچانک پچھلی بالکونی میں عروفہ کا سر نمودار ہوا تھا جیسے ہی اس کی نظر پچھلے صحن کی طرف اٹھی وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ منجمد ہو گئی تھی، اسی لمحے نشرہ نے بھی بالکونی کی طرف دیکھا تھا اور پھر اپنی جگہ فریز ہو گئی تھی۔

(جاری ہے)

خوابوں کی ہری شاخیں
حمیرا نوشین

میں حنبل جہاں داد خوبصورتی و وجاہت کے تیر در کش سے لیس کہ جس کی طرف صنف مخالف کی آنکھ اٹھے تو نظر میں سما کر ہی نظر ہٹے اور نظروں میں بسا سراپا کئی دنوں کے رتجگوں کا سبب بن جائے کہ جس کو پا لینے کا خواب آنکھ بننے لگے اور دل اس کے ساتھ کا متمنی ہو جائے۔

حنبل جہاں داد جس کو چاہے غلام کر ڈالے، جسے چاہے سلام کر ڈالے اور جس دل میں چاہے قیام کر بیٹھے۔

حسن، محبت، چاہت، وفا سب باادب بن کر سر تسلیم خم کیے کھڑے رہتے اور میں پورے کروفر سے اپنے شاہانہ پن سے چلتا ہوا ایک ایک دل کو روندتا چلا جاتا، کتنے ہی دل میرے سرد رویے پر مرجھا کر بکھر گئے کتنی ہی آنکھوں کی جوت جل کر بجھی اور کتنے ہی دام محبت میں اسیری کے منتظر دل امید و بیم کی کیفیت میں سر پٹخ رہے تھے۔

مگر میرا دل جس کا طلب گار تھا جس کی ایک نظر دیکھ لینے کی چاہ میں سینکڑوں کروٹیں بدلی تھیں ہزاروں آہیں بھری تھیں کہ جس رستے پر اس کے قدم اٹھتے، ان رستوں کو چھونے، ان پر چلنے میں میرا دل کیسا سرور پاتا تھا کاش! کوئی اس وقت میرے دل کی حالت سے باخبر ہوتا۔

آہ! یہ محبت بھی کیا چیز ہے کہ جس دل میں سما جائے اسے پل میں بدل ڈالے، محبوب کی آنکھ کا دیا اگر محبت پر روشن ہو جائے تو دل و روح روشن ہو جاتے ہیں اور اگر عشاق کا دل محبوب کی محبت سے خالی ہو تو ویرانی کا منظر پیش کرنے لگتا ہے، بہار میں بھی خزاں ڈیرا ڈال لیتی ہے۔

اور یہی حال اس وقت میرے دل کا تھا ویرانی میرے دل کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، ذرد پتوں کا شور میرے دل کو ستا رہا تھا۔

صبح کے اجالوں کی طرح چمکتی میری شفاف آنکھیں محبوب کی بے التفاتی پر ماند ہوگئی تھیں۔

وہ لمحے میری زندگی کا حاصل بن چکے ہیں جب مایا اعوان اسٹیج پر اپنے دلنشین و دبنگ لہجے میں حاضرین پر سکتہ طاری کیے ہوئے تھی، میں اس کی آواز کے سحر اور لفظوں کی گہرائی میں کھو سا گیا تھا نہ اپنے اطراف کا ہوش تھا نہ وقت کی رفتار کا، تالیوں کی گونج میں وہ بڑے اعتماد سے مسکراتی ہوئی اسٹیج سے اتر رہی تھی، میں اس کی طرف یک ٹک دیکھے جا رہا تھا، لمحہ بھر کو اس کی نگاہوں کا میری نگاہوں سے تصادم ہوا اور بس دل و نگاہ میں وہ اک نظر گڑ کر رہ گئی، اس ایک نگاہ نے مجھے اپنے شکنجے میں اس بری طرح سے کسا کہ میں بھول گیا کہ میں حنبل جہاں داد ہوں، نگاہیں مجھ پر مرکوز ہوتی ہیں میری نگاہ فقط نگاہوں کو روندتی ہے۔

میرا نام اسٹیج پر پکارا جا رہا تھا اور میں اپنے نام تک کو فراموش کیے اسے سوچے چلا جا رہا تھا، عاطف اقبال نے مجھے ٹہوکا دیا۔

''اٹھو مایا اعوان کے مباحثے کا منہ توڑ جواب دینے تمہیں اسٹیج پر بلایا جا رہا ہے۔''

اور میں ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں چلتا اسٹیج پر پہنچا، مائیک ہاتھوں میں تھاما، میری آمد پر ہال تالیوں سے گونج اٹھا، حاضرین کی طرف اٹھی میری نگاہیں جس جس صنف نازک پر پڑیں اس کو اپنے دل کی حالت سنبھالنا مشکل ہوگئی۔

میں اس وقت اسٹیج پر کھڑا ایک مجسمہ تھا جس کو کسی کی نظر نے پتھر بنا دیا تھا۔

میری آنکھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی مایا اعوان کی طرف اٹھی تو نگاہ کی واپسی ناممکن ہوگئی۔

میں بھول چکا تھا کہ مجھے مایا اعوان کے

مباحثے کی مخالفت میں بولنا ہے، اس دن میں اپنے دل کی حالت پر مسکرا اٹھا لوگ میرے بولنے کے منتظر تھے، ہر آنکھ مجھ پر جمی تھی۔

"حاضرین! ابھی چند منٹ قبل میری کلاس فیلو مایا اعوان جو اپنے موضوع کے متعلق دلائل دے کر اپنا نقطہ واضح کر کے گئی ہیں، میں انہی جملوں کا قائل ہو گیا ہوں، میری مخالف ساتھی نے مجھے لفظوں سے اس بات پر زیر کر لیا ہے کہ میں اس مباحثے کے خلاف چند جملے بھی نہیں ادا کر سکتا، میں اپنی مخالف ساتھی مایا اعوان کو اتنے بہترین دلائل سے نقطہ نظر واضح کرنے اور اس مباحثے کو جیتنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔" میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور وہ آنکھوں میں تحیر و الجھن کے رنگ لئے میری طرف دیکھ رہی تھی، ہال میں موجود لوگوں پر سکتہ ہو گیا تھا۔

وہی لوگ جو میرے بولنے پر ساکت ہوئے تھے آج خاموشی نے انہیں گنگ کر دیا، میں اس اسٹیج پر مایا اعوان سے جیتنے آیا تھا اور ہار چلا تھا، اس ہار نے مجھے ایک نئی لذت و نئے سرور سے آشنا کیا تھا، انتظامیہ، پروفیسرز سب کی نظروں میں میرے لئے حیرت و استعجاب اور غصہ کا اظہار تھا مگر میں پروا کیے بغیر اسٹیج سے اترتا چلا گیا اور کسی کے بھی سوالوں کے جواب دینے سے بچنے کے لئے یونیورسٹی کے احاطے سے باہر چلا آیا۔

یہ وقت میں صرف اپنے ساتھ گزارنا چاہتا تھا، اس سحر انگیز نظر کا لطف لینا چاہتا تھا جس نے میرے دل کی دنیا کو زیر کیا تھا۔

اس کی نظر مجھے سحر محسوس ہو رہی تھی جس نے مجھے جکڑ لیا تھا اور سب سے پہلے میں نے جب اپنے دل کی حالت اپنے جگری دوست عاطف اقبال پر آشکار کی تو وہ مجھے یوں دیکھنے لگا گویا میری دماغی حالت پر شبہ ہو۔

"تت......تم......تت......تم، میں پتا ہے تم کیا کہہ رہے ہو۔" لفظ اس کے منہ سے ٹکڑوں میں بٹ کر ادا ہوئے۔

"ہاں یار میں اپنے پورے ہوش و حواس میں اس بات کا اعتراف کر رہا ہوں کہ مجھے مایا اعوان سے عشق ہو گیا ہے، اب میرے دل کی ہر دھڑکن اسی کے نام کی قرض دار ہے بند پلکوں میں وہ میری آنکھ میں موتی بن کر چمکتی ہے اور آنکھ کھولوں تو ہر راہ پر مجھے اپنے مقابل کھڑی نظر آتی ہے۔"

میں دل کھول کر اعتراف کر رہا تھا اور وہ دم سادھے منہ کھولے مجھے حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

"جتنا بڑا تو نے منہ کھول رکھا ہے ناں اس میں مکھی، مچھر، بھڑ سب رہائش پزیر ہو جائیں گے۔"

"جتنا بڑا تو نے انکشاف کیا ہے اس پر اتنا بھی منہ نہ کھلے تو اور کیا کرے۔" وہ اب بھی متعجب تھا۔

"اس میں حیرانی کی بات کیا ہے۔"

میں نے اپنے سامنے رکھا چائے کا گرم کپ اپنے لبوں سے لگایا تو دل کے ساتھ ہونٹ بھی اس کی محبت کی تپش میں دہک اٹھے۔

"تم جانتے ہو کہ تم سفید بادلوں کا حسن لئے ہو اور وہ رات کی تاریکی سے سیاہی مستعار لئے ہوئے ہے۔"

"تو کیا محبت حسن سے کی جاتی ہے، رنگوں کی محتاج ہوتی ہے۔"

"نہیں عاطف اقبال یہ تمہاری بھول ہے، محبت الہامی ہے، اسیری جذبہ ہے، نظر کا ملاپ ہے، آنکھوں کے راستے کسی کے دل میں اتر

جانے کا نام ہے، یہ رنگ روپ حسن و خوبصورتی سے بالاتر ہے، مجھ پر محبت کے رنگ غالب آنے لگے میں اپنے دل کی کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔"

"یہ افسانوی باتیں ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جو چیز دیکھنے میں اچھی نہ لگے اس سے محبت کیا خاک ہوگی۔"

"وہ مجھے دیکھنے میں اچھی لگتی ہے اسی لئے تو محبت ہوگئی۔"

"ہونہہ، خالی لب و لہجے سے متاثر ہو کر عشق کے دریا میں نہیں کودا جاتا۔"

"مگر میں تو کود چکا ہوں اب پار لگے یا ڈوب چلے، اسی دم وہ میرے سامنے سے گزری تھی، اس کا گہرا سانولا رنگ مجھے سکون بخشنے لگا میں بے اختیار ہو کر اس کے قدموں کی دھول سے لپٹتا چلا گیا۔" عاطف اقبال نے مجھے تاسف و حیرانی سے دیکھا تھا۔

☆☆☆

"میں جس راہ سے گزرتا وہ راستہ پلٹ لیتی۔"

"تو کیا میری محبت کے جذبے اس پر آشکار ہو رہے ہیں، اس خوش کن خیال نے ہی مجھے رات بھر سونے نہیں دیا۔"

اور صبح یونیورسٹی کے لئے تیار ہوتے ہوئے میرے لبوں پر بڑی جاندار و پرسکون مسکراہٹ تھی جیسے مجھے میرے محبوب کی محبت حاصل ہوگئی ہو۔

اب میں وقت ضائع کیے بغیر اپنے جذبوں کو مایا اعوان پر منکشف کرنا چاہتا تھا، جذبوں کی شدت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا اور یہ موقع مجھے جلد مل گیا۔

وہ لائبریری میں سائیڈ پر تنہا بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی میں کچھ سوچ کر اس کے پاس چلا آیا۔

میرے سلام کے جواب میں اس نے مجھے حیرت سے دیکھا اور پھر آس پاس نظر دوڑائی۔

"میرے خیال میں سلام کا جواب استعجاب نہیں ہوتا۔" میں اس کے قریب ہی بیٹھ گیا، وہ جواب دے کر پھر سے لکھنے میں مگن ہوگئی۔

"مایا اعوان میری طرف دیکھو، میری حالت پر غور کرو، میرے دل کی دھڑکن کی صدائیں سنو جو صرف تمہارے نام کا ورد کر رہی ہیں۔" اس کے ہاتھ سے پیپر لے کر میں نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

میرے لفظوں پر اپنی قسمت پر رشک کرنے کی بجائے اس کے ماتھے پر سو بل نمودار ہوگئے۔

"یہ کیا بیہودگی ہے اگر آپ اپنے کسی دوست سے شرط لگا کر آئے ہیں کہ آپ مجھے اپنے لفظوں کا اسیر کر کے اپنی ہمراہی کا چند دن شرف دے کر اپنی جیت پر قہقہے لگائیں گے تو مسٹر حنبل جہاں داد آپ یہ شرط ہار چکے ہیں، یہ مایا اعوان کا دل ہے، حسن پر فریفتہ ہونے والی کسی عام لڑکی کا نہیں، اس کے گرد عزت و غیرت کا حصار بندھا ہوا ہے اور یہ حصار آپ کے عام سے جملے نہیں توڑ سکتے۔" وہ میرے ہاتھ سے پیپر لے کر تنفر سے بولی اور میں سن ہو گیا وہ میرے لفظوں کو عام سمجھ رہی تھی، میرے دل کی حالت کو جانتے ہوئے بھی مجھے فلرٹی سمجھ رہی تھی۔

"کیوں......؟ مایا اعوان کیوں؟ میرے جذبوں کی تپش تم تک کیوں نہیں پہنچی، اگر تم میری آنکھوں کو غور سے پڑھ لیتیں تو کبھی ان لفظوں سے میرے دل کو چھلنی نہ کرتیں۔" مجھے اس کے الفاظ تڑپا گئے۔

"وہ میری حالت سے بے خبر کیوں ہے؟"

میں عاطف اقبال کے سامنے رو پڑا، وہ میری حالت پر رنجیدہ ہو گیا۔

''تمہاری کیفیت میری سمجھ سے بالاتر ہے، حسن تمہاری کمزوری تھا، اتنے بد ذوق اب تم کیسے بن گئے۔''

''تم نے ٹھیک کہا کہ حسن ہی میری کمزوری ہے۔''

مایا اعوان کے حسن نے مجھے بے خود کرڈالا ہے، میرا دل اس کی چاہت پانے کے لئے تڑپ رہا ہے، اس کی محبت بھری نظر کا متلاشی ہے، اپنی نظر کی مستی سے وہ میرے دل کو سیراب کیوں نہیں کرتی؟ میں نے تھک کر کرسی سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندیں، دل اسے دیکھنے ملنے، بات کرنے کی چاہ میں تڑپ رہا تھا۔

''تمہیں مایا اعوان کے حسن نے گرفتار کرلیا ہے، اس کی خوبصورتی نے تمہیں جکڑ لیا ہے ہاہاہا۔''

''کیا بھونڈا انداق ہے یہ، اس میں حسن نام کی کوئی چیز پائی جاتی ہے کیا؟''

پوری کلاس میں وہ اپنے سیاہ رنگ سے الگ ہی پہچان رکھتی ہے، سیاہ گھنیری زلفیں، شب کا مقابلہ کرتی کالی گہری آنکھیں، گہرا سانولا رنگ، جس دن اپنی شکل کا ہمرنگ سوٹ پہن کر آتی ہے اس کا چہرہ اور نیچرز پہچاننا مشکل ہو جاتے ہیں، عاطف اقبال استہزائیہ ہنسا۔

''شٹ اپ۔''

''تم...... تم کیا جانو کہ اس کی سیاہ زلفوں اور کالی آنکھوں میں کیسا سحر ہے کہ اس کی آنکھ کا حسن کسی کو بھی زیر کرنے میں کمال رکھتا ہے وہ میرے لئے بنی ہے، میرے دل سے اس کے حسن کی قدر و قیمت پوچھو۔''

''مایا اعوان کو معمولی حسن کا مالک نہ سمجھنا عاطف اقبال۔''

''یہ اس کا غیر معمولی حسن ہی ہے جس نے حنبل جہاں [illegible] کے دل کو [illegible] بنالیا ہے پورے استحقاق سے وہ میرے دل پر حکمرانی کر رہی ہے، آج کے بعد میں مایا اعوان کے متعلق ایسے تضحیکی جملے ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔''

میں تیز تیز بولتا اس کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا۔

☆☆☆

برستی بارش جل تھل موسم میرے اندر کی تپش کو کسی طور کم نہیں کر پا رہے تھے، خنک ہوا کے جھونکے میرے بدن سے ٹکراتے تو میں ان کی خنکی سے جھلس جاتا۔

نیندوں سے میرا ناتا ٹوٹ چکا تھا
سکون کے پل میرے لئے خواب ہو چکے تھے
جلتی انگارواری میں میں ننگے پاؤں چل رہا تھا
مایا کے لفظ مجھے تپتی ریت پر گھسیٹ رہے تھے
کیوں...... آخر کیوں؟
مایا اعوان تمہیں میرے لفظوں پر اعتبار نہیں
میرے جملے تمہیں کھوکھلے لگتے ہیں
جذبوں سے عاری محسوس ہوتے ہیں

''آہ! یہ کیا کاری وار کیا ہے تم نے میری ذات پر، میری محبت کی سچائی اور لفظوں کی گہرائی تم سے ناپی کیوں نہیں جاتی۔''

''تم یونیورسٹی کی ذہین و فطین طالبہ، لفظوں کا ہنر رکھنے والی میرے لفظوں کو کیوں نہیں پرکھ سکی اب تک۔'' اس کی بے رخی و بے اعتنائی روز مجھے نئے کرب سے آشنا کرتی، میرا دل مایوسی کی اتھاہ گہرائی میں جا ڈوبتا، اپنی آرزو کی ویرانی پر آنکھوں کے ساتھ دل بھی بھیگنے لگتا۔

''میرا دل چاہتا کہ میں اس کے پاس بہاروں کو پیار کا سندیسہ دے کر بھیجوں، بادلوں کو پیامبر بناؤں کہ میری محبت کی برسات میں اسے جل تھل کر دو، ہواؤں کو اپنا ہمراز بناؤں کہ اس کی سانسوں میں میرے پیار کی مہک بس جائے۔''

اور پھر میں نے مایا کو پانے کے لئے راتوں کو سجدوں سے روشن کرنا شروع کیا۔
''جب میرا رب کہتا ہے کہ مانگ مجھ سے میں اپنے بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا، تو پھر میں نے مایا کو اپنے رب سے مانگنے کا تہیہ کر لیا۔''
''میرا ہر عضو دعا بن گیا، کہ مایا کے دل میں میرے عشق کی چنگاری بھڑک کر شعلہ بن جائے، میرے عشق کی تپش سے اس کی سیاہ آنکھیں تاب نہ لا سکیں وہ دیوانہ وار میری طرف لپکے۔''
''میری محبت پر بنا شک کے ایمان لے آئے، راتوں کو اگر میں اسے پانے کے لئے جاگوں، تو وہ بھی بیقرار ہو کر میری یاد میں تڑپے، مجھے سوچے، مجھے کھوجے، اس کے ذہن پر ایسا قابض ہو جاؤں، کہ باوجود کوشش کے وہ میرے سحر سے نہ نکل سکے۔''

☆☆☆

مایا کی محبت کی طلب صحرا میں بھٹکتے پیاسے کی طرح شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔
الجھے بال اور بکھرے حلیے میں، میں اس کے سامنے ایک بار پھر بھکاری بن کر اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔
''کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ ایسا، مجھے بتاؤ کون سے لفظوں سے تمہارے دل کی دنیا جیتوں، ایسا کیا کروں کہ تمہاری محبت میرا نصیب بن جائے، تمہاری چاہت کی پھوار میرے دل پہ برسنے لگے، مایا اعوان میں تمہاری محبت کا بھکاری ہوں، مجھے یوں مایوس مت لوٹاؤ، مجھے اپنی نظر کی مستی دان کر دو، میرے بے چین دل کو قرار بخش دو۔''
میرے لفظوں نے جیسے اس کے دل کو چھوا تھا اس نے چونک کر میری طرف دیکھا، میری آنکھوں میں جھانکا، اس کی محبت کی چاہ میں میری آنکھوں کو منتظر پایا تو گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔
''محبت کرنے والے یوں راستہ روک کر بھکاری نہیں بنا کرتے، محبت تو دل کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔''
''تم ایک بادشاہ کی طرح اپنی محبوب کو اپنی ملکہ بنا کر لے جا سکتے ہو تو عزت کی چادر میں لپیٹ کر اپنے نام کا غرور بخش کر لے جاؤ مجھے۔''
اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں آگے بڑھتی چلی گئی یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے لفظوں نے کسی میں زندگی کی روح پھونک دی ہے۔

☆☆☆

مما بابا نے مجھے پسند کا اختیار سونپ رکھا تھا سو میں نے مما کو مایا اعوان سے ملوا دیا وہ دونوں ایک دوسرے سے سرسری سا ملیں، گھر آ کر مما مجھ پر برس پڑیں۔
''مجھے تمہارے سٹینڈرڈ پر افسوس ہو رہا ہے۔''
''سستے لباس میں ملبوس وہ کالی کوئل ہی تمہیں پوری یونیورسٹی میں محبت کے لئے ملی تھی۔'' مجھے ان کی بات تڑپا گئی۔
''مما اس کا یہ ستا لباس اس کی غیرت و حمیت پر بہت جچتا ہے، اس کا کم قیمت لباس مہنگے برانڈڈ سوٹ پہننے والوں کو اوقات میں رکھتا ہے، وہ اپنی نظر کی حفاظت کرنا بھی جانتی ہے اور اپنے کردار کی بھی، مجھے ملکے لباس میں مضبوط کردار والی مایا اعوان سے دیوانگی کی حد تک عشق ہے اور آپ نے درست کہا وہ کالی کوئل ہے وہ کوکتی ہے تو لوگ اس کے لفظوں کے سحر میں کھو جاتے ہیں وہ مقابل کو لفظوں سے ایسی شکست دیتی ہے کہ وہ بلبلا اٹھتا ہے۔''
کوئل کا حسن اس کی آواز اور اس کی کالی رنگت میں ہی ہے کبھی سفید کوئل بھی دل کو لبھائی

ہے کوئل کالے رنگ میں ہی کوکتی اچھی لگتی ہے، مایا اعوان میری کوئل ہے جو میرے دل و دماغ میں ہر وقت کوکتی ہے مجھے سرور بخشتی ہے۔
میں بولتا جا رہا تھا اور مما آنکھیں وا کیے مجھے تکے جا رہی تھیں۔
''ایک بات ذہن نشین کر لیجئے آپ، اس کالی کوئل نے آپ کے بیٹے کے دل کو ایسا جکڑا ہے کہ آپ سو سفید کبوتریاں اس کے سامنے رکھ دیں گی تو بھی وہ اس کوئل کے عشق میں گرفتار ہو کر اسی کی طرف بڑھے گا سو اس بھول میں مت رہیے گا کہ کوئی سفید رنگت کی مالک میرے دل کے تاروں کو چھیڑ سکے گی، جو مضراب اس کوئل نے چھیڑا ہے وہی اس کے تاروں سے کھیلے گی۔''
نجانے مجھ میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی کہ میں مما کے سامنے اتنے کھلے لفظوں میں مایا سے محبت کا اظہار کرتا چلا جا رہا تھا۔
''محبت...... محبت...... محبت۔''
''چار دن کی محبت ہوتی ہے ساری زندگی محبت سے پیٹ نہیں بھرا جاتا زندگی کی اور بھی ترجیحات ہیں، ہمارے پورے خاندان میں ایک بھی سانولی رنگت کا نہیں اور تم کوئلے کی کان کو میرے گھر میں لانا چاہتے ہو، کیا عزت رہ جائے گی میری میرے سرکل میں کہ مسز طلعت شیرازی ایک معمولی کلرک کی بیٹی سیاہ رنگت کی مالک کو اپنی بہو بنا کر لے آئیں۔'' وہ استہزائیہ ہنسیں ان کا لہجہ مجھے زہر خند لگا۔
''یہ آپ کے خیالات ہیں، ذرا سوچیں اس وقت آپ کی کیا عزت رہ جائے گی آپ کے سرکل میں جب کسی دودھیا رنگت اونچے گھرانے کی تعلیم یافتہ لڑکی کو بیاہ کر گھر میں لانے سے قبل ہی آپ کا بیٹا اس کے ماتھے پر طلاق کا لیبل لگا دے گا، اس وقت آپ کیسے لوگوں کی نظروں کا سامنا کریں گی کیا وضاحت پیش کریں گی۔'' تلخ لہجہ میری زبان کا حصہ بنا تو مما دم بخود رہ گئیں، میں ان کی سوچ سے کہیں زیادہ آگے کی بات کر رہا تھا، میرے لہجے کی سختی وہ بھانپ گئی تھیں سو اس وقت وہ خاموش ہو رہیں۔

☆☆☆

یہ دل دیکھو کہ جس کے چاروں جانب
تیزی یادوں کا پہرا ہو گیا ہے
صحیح کہتے ہیں محبت رنگین تتلی کی طرح ہے اس کے رنگ بڑے خوش نما ہیں دل کو لبھاتے ہیں تسکین بخشتے ہیں دل کو سرور پہنچاتے ہیں سو میرا دل آج کل خوشنما پھولوں کا گلدستہ بنا ہوا تھا جس کے ہر گل سے مایا اعوان کی محبت کی مہک آتی تھی۔
نہ ہمارے درمیان عہد و پیاں ہوئے
نہ لفظوں کے اظہار کی حاجت ہوئی
مجھے ہر اس راہ سے انسیت ہونے لگی جہاں سے وہ گزرتی، کلاس میں اس کی موجودگی میرے دل کو سرشاری بخشتی رہتی، اس کا دھیان لیکچر کی طرف اور میری سوچیں اس کی طرف۔
نہ کبھی اس نے محبت کے لفظوں کے چند سکے میری جھولی میں گرائے، نہ چاہ کر نظر سے دل کو سرور بخشا، نہ کسی وعدے [illegible] زنجیر تھمائی، مگر میں پھر بھی خوش تھا کہ میرے [illegible] جذبوں کی آنچ اس کے دل پر اثر کر چکی ہے وہ میرے حال دل سے واقف ہے میرے جذبوں کی شدت نے اسے موم کر دیا اور وہ مجھے اپنی ہمسفری کا غرور بخشنے کو تیار ہے، اب میں دیر نہیں کرنا چاہتا تھا میں جلد از جلد مایا اور اس کی محبت اپنے نام کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

میں لائبریری میں امجد اسلام امجد کی کتاب ہم اس کے ہیں، پڑھنے میں محو تھا۔

شاعری پڑھتے ہوئے میرے لبوں پر ایک مسکان تھی اور مایا مجھے محبت کی نظم کے ہر صفحے پر مسکراتی نظر آتی، میں نے دھیرے سے اس کے گالوں کو چھوا، اس کے ریشمی بالوں سے میری انگلیاں کھیلنے لگیں، دل اس کی شبیہ سے ہم کلام ہونے لگا، جذبے عیاں کرنے لگا۔

میں بھول گیا تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں، یاد تھا تو بس اتنا کہ محبت کے اس حسین سفر میں مایا میرے ساتھ محوسفر ہے، میں بے اختیار شعر گنگنانے لگا۔

ہر دم دنیا کے ہنگامے گھیرے رکھتے تھے
جب سے تیرے دھیان لگے ہیں فرصت رہتی ہے
موسم کئی خوشبو لے کر آتے جاتے ہیں
ہر پل دھیان دریچے میں اک صورت رہتی ہے

''واہ...... واہ کیا شعر پڑھا ہے۔'' عاطف اقبال سر دھنتا اچانک ہی میرے ساتھ کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

''میرے دوست مانا کہ محبت نے تجھے ہوش وخرد سے بیگانہ کر دیا ہے مگر آنکھوں پر پڑے پردے تو ہٹا لو کہ تمہاری لیلیٰ کے سوا اور بھی لوگ تمہاری توجہ وتمہارے ساتھ کے خواہاں ہیں۔''

کتاب لے کر اس نے میز پر رکھی اور اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا میں نے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے اٹھایا اور مسکرا دیا۔

''تم جانتے ہو عاطف اقبال میری محبت کی تمازت مایا کے دل کو آنچ دینے لگی ہے، اس کے دل پر میری وفا کی تال رقص کرنے لگی ہے، مجھے یقین کامل ہے اس کی شاموں میں میرا عکس جھلملاتا ہوا میری محبت کی فضائیں اسے گھیرے رکھتی ہونگی اور وہ ان خوبصورت احساس تلے دبتی جا رہی ہوگی۔'' مایا کا ذکر میرے چہرے کو روشنی اور دل کو سکون بخش رہا تھا، عاطف پوری آنکھیں وا کیے مجھے دیکھ اور سن رہا تھا۔

''میں کتابوں کو چاٹنے والا، دوستوں کی سنگت میں محفل کو لوٹنے والا آج مایا کی محبت میں ہر ایک رنگ سے بے گانہ ہو گیا تھا۔'' وہ مجھے دیکھ کر خوش بھی تھا اور افسردہ بھی۔

خوش اس لئے کہ مایا کی آنکھوں میں بھی اس نے مجھ دیوانے کے لئے نرمی دیکھی تھی اور اداس اس لئے کہ وہ مما کو جانتا تھا کہ مایا کو وہ کبھی میری زندگی میں شامل نہ ہونے دیں گی مگر میرے دل میں یقین واثق تھا کہ مایا مجھے مل کر رہے گی۔

☆☆☆

خنک راتوں میں محبوب کو سوچنا اس پیکر جمال سے باتیں کرنا کتنا دلنشین ہے یہ تو بس عشاق ہی جانتے ہیں تاریک راتوں کو محبوب کا خیال تاریکی چیر کر روشنی لے آتا ہے اور اس روشنی سے دل و روح روشن ہو جاتے ہیں، دھڑکنیں رقص کرنے لگتی ہیں اور لب آپ ہی آپ مسکراہٹوں کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔

میں بھی اس وقت ایسے ہی احساس سے لپٹا تھا جب بابا دروازہ ناک کر کے میرے کمرے میں چلے آئے، مما بھی ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''اور بھئی جوان کیا ہو رہا ہے آج کل، سٹڈی کیسی جا رہی ہے۔'' بابا میرے قریب ہی بیٹھ گئے۔

''اے ون بابا بس ایگزیم ہونے والے ہیں سو اسی کی تیاری میں مصروف ہوں۔'' میں نے ان سے نظریں چرا کر کہا تو وہ ہوں کر کے رہ گئے۔

''میں منتظر ہوں تمہاری سٹڈی مکمل ہونے کا، تا کہ تم جلد از جلد بزنس سنبھال سکو، یار اب

www.urdusoftbooks.com

Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے
خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس
MEDORA OF LONDON

کچھ تھکنے لگا ہوں میں۔" وہ تکیہ اونچا کر کے میرے بیڈ پر نیم دراز ہو گئے۔

وہ دونوں کوئی شادی اٹینڈ کر کے لوٹے تھے اور سیدھے میرے پاس ہی چلے آئے تھے۔

"بھئی فائزہ ہمارے بیٹے کا کمرا کچھ بے رنگ نہیں لگ رہا، بس اس کی سٹڈی کمپلیٹ ہوتے ہی اس کے روم کو رنگوں و روشنیوں سے بھرنے کا انتظام کرو۔" بابا میری طرف دیکھ کر مسکرائے تو میں جھینپ گیا۔

"آپ کے کہنے سے قبل ہی میں نے سوچ لیا ہے، جانتی ہوں کہ اس کے بے ترتیب کمرے کو اب کسی کے سلیقے کی ضرورت ہے۔" انہوں نے میرے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی جہاں پر مختلف چیزیں بے ٹھکانہ ہوئی تھیں، مجھے آج کل خیال یار سے فرصت ہی نہیں تھی کہ اپنی چیزوں کو ڈھنگ سے رکھ پاتا، میں ان کی بات سن کر خاموش ہو رہا۔

صبح ہوتے ہی مما پھر سے میرے کمرے میں آن وارد ہوئی، میں جو یونیورسٹی کے لئے نکلنے کو تیار کھڑا تھا مما کی آمد پر چونک گیا، انہیں میرے جذبوں کی شدت کا اندازہ تھا جبھی تو وہ جلد از جلد (بقول ان کے) مایا اعوان کا بھوت میرے سر سے اتارنا چاہتی تھیں، مگر وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ یہ بھوت نہیں خوبصورت احساس ہے جو میری ذات کا حصہ بن چکا ہے، میں نے ایک جھٹکے سے وہ تمام تصویریں ہاتھ مار کر نیچے گرائی تھیں جنہیں دکھانے کے لئے مما کا ہاتھ میری طرف بڑھا تھا، حسن و خوبصورتی کا شاہکار وہ تصویریں کمرے میں جا بجا بکھر گئیں، میں نے ایک ایک تصویر کو اپنے پیروں تلے خاک کیا، وہ میری اس حرکت پر بھونچکا رہ گئیں۔

"آپ کیوں نہیں سمجھتیں کہ مایا میرے لئے کیا ہے، وہ میرے لئے بہاروں کی دلکشی ہے، ہوا کی خوشگوار جھونکا ہے جس نے میری زندگی میں تازگی بھر دی ہے، مما اس تاباں جمال کا خیال میرے دل کو دھڑکنے کی ترغیب دیتا ہے میرے لئے وہ حسن و دلکشی کی تجلی ہے، اس کو پانے کے لئے میرا دل آگے ہاتھ جوڑے کھڑا ہے آنکھیں اس کے سراپے کے دیدار میں روشنی بھرتی ہیں ہر سانس اس کی چاہت میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے، اگر مایا اعوان میری زندگی میں نہیں تو آپ کی زندگی میں بھی آپ کے بیٹے کی خوشیاں نہیں اور شاید اس کا وجود بھی نہ ہو۔" میں نے ماں کے جذبات سے کھیلنے میں سفاکی کی انتہا کر دی وہ تڑپ اٹھیں۔

"تو تم ایک معمولی سی لڑکی کو ماں کی محبت کے مقابل لا رہے ہو۔"

"وہ معمولی لڑکی نہیں ہے مما، آپ کے بیٹے کی خوشیاں اس سے وابستہ ہیں اس کے دل کا قرار اس کے پاس ہے، جس بیٹے کو آپ اتنا چاہتی ہیں، اس کے دل کی خوشی آپ کو عزیز کیوں نہیں۔" میں جلتی آنکھوں کو لئے باہر نکل گیا، میں مما اور مایا کے بیچ جیسے تھکنے لگا تھا، مایا کو میرا نام پوری عزت و مان کے ساتھ چاہیے تھا اور مما کو اپنا نام و مقام معاشرے میں قائم رکھنا تھا میں نے تھک کر صوفے سے ٹیک لگا لی۔

میری رگ رگ میں مایا اعوان بسی تھی، مایا سے دستبرداری کا مطلب زندگی کی ہر خوشی سے روٹھنا تھا۔

والدین کو اپنی اولاد کی زندگی بڑی عزیز ہوتی ہے اولاد بھی وہ جو اکلوتی بھی ہو جان بیچ کر بھی اس کی زندگی بچانا پڑے تو دریغ نہ کریں، میری دھمکی کارگر رہی تو مما نے ہار مان لی، میرے جذبوں نے انہیں شکست دے دی۔

www.urdusoftbooks.com

ماما کے مان جانے سے میری روح تک مسکرا اٹھی تھی میرا دل گنگنانے لگا، خواب قطار در قطار سرمژگاں بسیرا کرنے لگے۔

میرے لئے شب بسر کرنا مشکل ہوگئی تھی، صبح یونیورسٹی میں مایا کو میں ہر جگہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا مگر وہ مجھے مل ہی نہیں پا رہی تھی، میں پاگلوں کی طرح یونیورسٹی کی خاک چھانتا پھر رہا تھا اور پھر وہ مجھے اپنی دوستوں کے ہجوم میں کیفے ٹیریا میں کھلکھلاتی نظر آئی، اس کے موتیوں سے دانت چمکتے اور لمحے میں مسکراتے لبوں میں چھپ جاتے، اس کی آنکھوں کی چمک میرے دل کو روشن کیے دے رہی تھی، میرا دل اس چمک پر فدا ہو رہا تھا۔

''کون کہتا ہے مایا اعوان خوبصورت نہیں ہے، میں پوچھتا ہوں میرا دل پوچھتا ہے کہ کون ہے جو مایا اعوان سے زیادہ خوبصورت ہے، میں اس کے سانولے حسن سے مرعوب ہوگیا۔''

اسی دم اس کے ساتھ بیٹھی الوینہ کی نظر مجھ پر پڑی تھی، اس نے کھنکھار کر مایا کو نظروں سے اشارہ کیا، مایا نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا تو مجھے اپنی جانب محویت سے دیکھتے پا کر ہونٹ سکیڑ لئے میرے اس طرح سے دیوانگی سے دیکھنے پر کئی اور نگاہیں بھی میری طرح اٹھی تھیں، کئی کلاس فیلو نے جملے کسے تھے۔

کہتے ہیں عشق و مشک چھپائے نہ چھپے، کلاس فیلوز میری نظروں کو بہت دنوں سے مایا اعوان کا طواف کرتے دیکھ رہے تھے، نہ صرف میری نظریں بلکہ اس کے آس پاس منڈلانے پر مشکوک ہو گئے تھے، مایا پھر فقرے اچھالے جاتے، اب بھی یہی صورتحال تھی۔

وہ آئے ہماری بزم میں خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم خود کو اور بھی ان کے حسن کو دیکھتے ہیں

جونیئرز میں سے کسی نے فقرہ کسا تو مایا کا چہرہ تپ کر سرخ ہوگیا وہ جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھی تھی اور میرے سامنے تن کر کھڑی ہوگئی، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ مجھے گھور رہی تھی، مگر ادھر اس کے غصے کی پرواہ ہی کسے تھی میں تو ان جھیل کنول میں ڈوب رہا تھا، اس ساحرہ کی آنکھوں میں اپنا عکس ہلکورے لیتا دیکھا تو میرے دل کو جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی۔

''مسٹر حنبل جہاں داد تمہیں آخر مسئلہ کیا ہے کیوں میری ذات کو تماشا بنانے پر تلے ہو تمہیں اگر مجھ سے محبت ہے تو اس محبت کو پا کیوں نہیں لیتے، مسٹر جہاں داد محبت کو رسوا نہیں کیا جاتا، لوگوں کی تمسخرانہ نگاہیں مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں اگر محبت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو تو لوگوں کو بتانے کا حوصلہ بھی رکھو، علی الاعلان کہو'' کہ میں روز مایا اعوان سے محبت کی بھیک مانگتا ہوں مگر یہ مجھے محبت بھیک میں نہیں جائز رشتے میں منسلک ہو کر دینا چاہتی ہے۔'' اس کی بات سن کر جسے میں ہوش میں آ گیا تھا میں نے پورے استحقاق سے مایا اعوان کا ہاتھ تھاما تھا۔

''لوگ محبت کا تمسخر نہیں اڑایا کرتے مایا اعوان، لوگ محبت کی قدر کرتے ہیں، میں آج سب کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ مایا اعوان میرے دل پر حکومت کر رہی ہے میں نے اپنی دل کی سلطنت کو پر مایا کو حکمرانی بخشی ہے اور بہت جلد مایا میرے گھر پر بھی حکمرانی کرے گی۔'' میں نے کوٹ کی جیب سے رنگ نکالی اور مایا کی انگلی میں پہنادی۔

کیفے میں موجود لوگ ہکا بکا رہ گئے، لڑکیاں غش کھا کر گرنے کو تھیں اور میں مایا کا ہاتھ تھامے کیفے سے باہر لے آیا، میری بات سن کر اس کے چہرے پر کئی رنگ پھیلے تھے، ان رنگوں کا عکس

میرے دل پر بکھرنے لگا میرا دل کھل اٹھا۔
یہ کیسا خوش نما احساس ہے
آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دھنک
کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں

☆☆☆

نکاح کے وقت قبول ہے، کے لفظ میرے لبوں سے کھنکی کے لئے ادا ہوئے تھے اور جب میری کوئل نے صدا بلند کی "قبول ہے" تو مجھے لگا کہ کوئی ساز بجا ہو، دل کے تاروں سے کوئی کھیلا ہو، آج اس ساز سے میرے دل کے ساتھ ساتھ گھر کے در و بام بھی چہک اٹھیں گے، میرے لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے۔

میں پوری شان اور تمکنت سے اپنی زندگی کا ہاتھ تھامے اپنے آشیانے میں داخل ہوا تھا، مجھے اپنا دل کسی رئیس کا دل لگا جس نے شہر سلطنت کی سب سے حسین دوشیزہ کا نہ صرف دل جیت لیا ہو بلکہ اسے اپنے محل میں لے کر پورے استحقاق سے پھر رہا ہو۔

میں مدھر دھڑکنوں کو سنبھالتا اپنی مایا کی طرف بڑھا تھا وہ سفید گلابوں میں اک کھلی کلی لگ رہی تھی، اس کے پلکوں کی کالی جھالر، پیشانی کی سنہری دھوپ، گالوں کی شرمیلی لالی مجھے ہوش و خرد سے بے گانہ کر رہی تھی، اس کے من کا کندن، آنکھ کا کاجل مجھے بہکانے لگا۔

ہم تھے ہمارے ساتھ کوئی تیسرا نہ تھا
ایسا حسین دن کہیں دیکھا سنا نہ تھا
آنکھوں میں اس کی تیر رہے تھے حیا کے رنگ
پلکیں اٹھا کے میری طرف دیکھتا نہ تھا
اس کے تو انگ انگ میں جلنے لگے دیئے
جادو ہے میرے ہاتھ میں مجھ کو پتا نہ تھا
اس کے بدن کی لو سے تھی کمرے میں روشنی
کھڑکی میں چاند، طاق میں کوئی دیا نہ تھا
سانسوں میں تھے گلاب تو ہونٹوں پہ چاندنی
ان منظروں سے میں تو کبھی آشنا نہ تھا

☆☆☆

نکاح پر مما نے چند قریبی رشتہ داروں کو مدعو کیا تھا، سپاٹ چہرہ لئے انہوں نے شادی کے فرائض ادا کیے تھے میرے لئے یہی بہت تھا، کہ جب مایا میری زندگی میں بہار بن کر داخل ہوئی تو مما میرے ہمراہ تھیں ولیمہ شاندار دیا گیا شہر کی مہنگی ترین بیوٹیشن نے مایا کے حسن کو نکھارا۔

"اب اس کے پاس حسن نام کی کوئی چیز تو ہے نہیں مجبوراً وقتی حسن ان بیوٹیشنز سے مستعار لینا پڑتا ہے شکر ہے کہ ان کے ماہر ہاتھ جادو کر دیتے ہیں ورنہ تو اپنے حلقے میں آج میری کیسی سبکی ہوتی۔"

ولیمہ سے فارغ ہونے کے بعد مما کے الفاظ میں نے بڑے تحمل سے سنے تھے۔

اس دن کے بعد میں نے مایا کے لئے میک اپ پر قدغن لگا دی تھی، جس دل کو وہ اچھی لگتی ہے اسے یہ عارضی دلکشی گوارا نہ تھی، میری مایا کا حسن کاملیت لئے ہوئے تھا پھر میں کیسے اس پر غازے کی تہہ برداشت کرتا۔

☆☆☆

محبت تو ایک گلابی تتلی ہے جو دلوں میں اڑتی پھرتی ہے میرے لئے مایا کی محبت ایک ایسا مشروب تھی جسے میں گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا جس کی لذت میں ہر گزرتا دن اضافہ کر رہا تھا۔

اس کے چہرے کی شعاعوں سے اجالے نکھرتے تھے اور رات مجھے کبھی تاریک ہی نہ لگی اس کے جسم و جاں سے اٹھتی محبت کی روشنی لپٹیں

سارا ماحول روشن رکھتیں، میری آنکھیں اس محبت کی روشنی سے چکاچوند ہو جاتیں۔

وہ ایک پھول تھی جس کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو جائے، وہ ایک ایسا راگ تھی، جس کو سنتے سنتے عمر بیت جائے، وہ ایسا چین تھی، کہ انسان سب درد بھول جائے، اس کی موجودگی ایسی کہ سحر زدہ کر دے اور عدم موجودگی میں، میں اس کے سحر سے نکل ہی نہ سکوں، مایا میرے لئے زندگی کی ہر خوشی تھی، میری ہر خوشی اس کی مرہون منت تھی۔

میں اپنی سابقہ زندگی پر نظر ڈالتا تو پھیکی و بے کیف لگتی مایا کی ہمسفری و محبت میں، میں جینے کا مزا لے رہا تھا، محبت کے رنگوں سے آشنا ہو رہا تھا، میرے لئے وہ سخت جاڑوں میں ایک خوشگوار دھوپ تھی۔

☆☆☆

مما اور مایا کے بیچ ایک خاموش رشتہ تھا، نہ انہوں نے اسے کبھی مخاطب کیا اور نہ مایا نے اس فاصلے کو پاٹنے کی کوشش کی بس وہ لبوں پر چپ اور مسکراہٹ کا لبادہ لئے پھرتی رہتی، ویسے بھی مما گھر پر کم ہی ہوتیں اس لئے ان کا سامنا مایا سے کم ہی ہوتا، بابا البتہ اس کے اخلاق و محبت و ذہانت کے گرویدہ تھے، بہت دیر تک وہ دونوں ادب پر گفتگو کرتے، مما کھانے کی ٹیبل پر بھی ہمارا ساتھ بہت کم دیتیں، بابا کبھی ہمارے ساتھ کھانا کھا لیتے اور کبھی مما کے ساتھ کمرے میں ہی کھا لیتے۔

میں چپ تھا، مجھے امید تھی کہ ایک دن مایا مما کا دل جیت لے گئی اور اس نے واقعی میری ماں کا دل جیت لیا تھا، اس دن موسم کہر آلود تھا، سرد موسم نے انسان وحیوان سب کو ٹھٹھرا کر رکھ دیا تھا، میرا آفس جانے کا کوئی موڈ نہ تھا، مایا نے بھی

کچھ دنوں سے بابا کی کمپنی جوائن کر لی تھی اور باقاعدگی سے آفس جاتی۔

شرارت سے، غصے سے، ناراضگی سے میں نے مایا کو آج آفس سے چھٹی کرنے پر آمادہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کان لپیٹے آفس جانے کی تیاری کرتی رہی، میں نے غصے سے کمبل میں منہ ڈھانپ لیا۔

''بابا کیا سوچیں گے کہ ان دونوں نے میری کمائی پر عیش کرنے کا ارادہ باندھ رکھا ہے جب وہ اس یخ بستہ موسم میں آرام چھوڑ کر نکل جاتے ہیں تو ہم کیوں نہیں۔'' کمبل ہٹا کر اس نے اپنے برفیلے ہاتھ میرے چہرے سے چھو کر میرے بال بکھیرے تھے، میں نے اپنے لبوں کو سختی سے بھینچ لیا، یہ میری ناراضگی کا اظہار تھا۔

''حنبل اگر آپ ایسا کریں گے تو آفس میں میرا سارا دن بور گزرے گا مجھے خوشی خوشی رخصت کریں، آنکھیں کھولیں دیکھیں یہ گرین کلر مجھ پر کتنا سوٹ کر رہا ہے۔'' وہ میرے قریب ہی بیٹھ گئی اس کے وجود سے اٹھتی مہک مجھے مدہوش کر رہی تھی۔

''آنکھیں کھولیں ناں ورنہ میں رو دوں گی۔'' میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں میں سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر اپنی مایا کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا، اس کی آنکھ میں آنسو آنے کا مطلب میں نے اس کے دل کو اذیت بخشی تھی اور جس دل میں، میں رہتا تھا اسے میں کیسے تکلیف پہنچا سکتا تھا۔

سو میں نے پانچ منٹ لگائے اور اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

''تمہارے بغیر کیا میں اس کمرے کے درو دیوار سے دل کی باتیں دہراؤں گا، اس کمرے میں اگر تم نہیں ہوگی تو میں کیسے سکون پاؤں گا، تمہاری موجودگی سے ہی اس جگہ روشنیاں پھوٹتی ہیں، تمہاری عدم موجودگی میرے لئے ایسے ہی ہے جیسے میں اندھیری قبر میں پڑا ہوں۔'' اس نے تڑپ کر میرے لبوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھا تھا۔

''اچھا الٹے سیدھے جملے نہ بولیں، اب تیار ہو ہی گئے ہیں تو پھر ناشتہ کر کے آفس چلیں۔'' میں اسے ساتھ لگائے لگائے ناشتے کی ٹیبل پر لے آیا تھا، سڑک پر جب ہماری گاڑی نے رفتار پکڑی تو دھند سے سامنے کی ہر شے دھندلائی ہوئی تھی کہر نے پوری فضا کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

''گاڑی آہستہ چلائیں حنبل۔'' میں نے گاڑی کی رفتار بالکل ہی دھیمی کر دی، موسم بہت عاشقانہ مزاج لئے ہوئے تھا اور میں تو ویسے بھی پورا عاشق تھا۔

کار کی ونڈو کھول کر میں نے فوگ کا مزا لینا چاہا ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ اور دوسرے کو باہر نکال کر ہتھیلی پر ٹھنڈک اور کہر کی نمی محسوس کی، مایا مجھے دیکھ کر مسکرا دی، اس کی روشن آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں، میں ان جھیل کنول میں ڈوبنے لگا۔

''کیسا سحر پھونک دیتی ہیں تمہاری یہ کالی آنکھیں کہ بندے کے ہوش اڑ جائیں، میں کتنا خوش بخت ہوں مایا کہ ان حسین آنکھوں میں میرا چہرہ ہے۔''

''اچھا اب آنکھوں پر شاعری نہ کرنے لگ جانا آگے دیکھ کر دھیان سے گاڑی چلائیں۔''

''تم نے کہیں دھیان دینے کے قابل ہی کہاں چھوڑا۔'' آنکھوں میں مستی اور لہجے میں شرارت لے کر میں مزید رومنٹک ہونے لگا، میرے ہاتھ میں دبے اس کے ہاتھ میں لرزش

ہوئی، پلکوں کا بار اٹھانا اس سے مشکل ہوگیا، ان پلکوں کے سائے میں، میں بے چین ہونے لگا، اٹھتی گرتی ان پرچلمن میں گنگنانے لگا۔

"حنبل آگے دیکھیں، محتاط رہیں۔" وہ چلائی تھی اور میری لاپرواہی نے سب کچھ لمحوں میں تاریک کر دیا سامنے سے آتی وین سے ہماری گاڑی بری طرح ٹکرائی تھی، کانچ نے میری آنکھوں کو چیر کر رکھ دیا پھر میرا بدن اور پھر روح کو بھی مسل ڈالا، حواس کی دنیا سے بیگانہ ہوتے ہوئے میں نے مایا کی نیچے جھکتے ہوئے چیخ سنی تھی۔

☆☆☆

مما کہتی ہیں مایا کو مجھ سے جدا ہوئے اک عرصہ بیت گیا مگر میں کہتا ہوں مایا مجھ سے کبھی جدا ہوئی ہی نہیں، میرے دل و دماغ اس کی یادوں کی ملکیت ہے، اس کا مسکراتا چہرہ روز میرے کمرے میں آتا ہے مجھے سرور بخشتا ہے میری ڈھارس بندھاتا ہے، مما جو اس کے وجود سے نالاں تھیں، اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہ تھیں آج پہروں اس کی یاد میں آنسو بہاتی ہیں، اس کا لہجہ اس کی باتیں یاد کر کے غمزدہ ہو جاتی ہیں اور کیوں نہ ہوں اس نے ان کے لخت جگر کے لئے قربانی ہی ایسی دی تھی کہ وہ اس کی محبتوں کی مقروض ہوگئی تھیں اور میں حنبل جہاں داد میں تو پہلے ہی اس کی چاہتوں کے زیر بار تھا، مجھے اس سے محبت تھی، میں اسے حاصل کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے حاصل کر لیا، مایا کو مجھ سے محبت تھی، اس نے میرے دل کو محبتوں کا خزینہ دان کیا تھا، میرے دل کو فرحت بخشی تھی، محبتوں سے میرا دامن بھر دیا تھا اور مرنے کے بعد انہی آنکھوں کا نور دے کر مجھے اپنا اسیر کر لیا، مجھے کبھی نہیں لگا کہ مایا مر گئی ہے مجھ سے دور چلی گئی ہے وہ یہیں ہے میرے دل کے قریب، میری آنکھوں میں، میرے لئے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کیا ہوگی کہ میں دنیا کو مایا کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں، میں جب بھی آئینے پر نظر ڈالتا ہوں، مجھے آج بھی مایا کی آنکھوں میں اپنا عکس جھلملاتا نظر آتا ہے۔

اس حادثے نے میری آنکھوں کی روشنی چھینی تھی اور مایا کی زندگی، مایا مجھے جاتے جاتے بھی اپنی محبت میں جکڑ کر گئی، مہینوں موت سے لڑتے لڑتے وہ مجھ سے جیت گئی۔

محبت کرنے والوں کی کہانی زندگی تک محدود نہیں زندگی کے بعد بھی زندہ رہتی ہے، اس کی یادوں سے دن رات میرا کمرا مہکتا ہے، میرے دل پر آج بھی اسی کی محبت کی حکمرانی ہے، میری پوری زندگی کا ثمر مایا کی یہ آنکھیں ہیں جن سے روز محبت کے جام چھلکتے ہیں میرے نفس نفس میں عشق و یقین کی لہریں رقص کرتی ہیں، اس کی نگاہ کی شاعیں میری آزردہ زندگی کو روشن کرتی ہیں، میری زندگی میں رنگ بھرتی ہیں۔

ہیرے موتی لعل گہر ہیں
تیری آنکھیں میرا گھر ہیں

☆☆☆

اس سادگی پہ

سویرا فلک

''توبہ ہے بھئی، تھکن سے ہڈیاں ٹوٹ رہئیں ہیں میری تو۔'' فردوس بیگم نے لاؤنج میں بچھے صوفہ کم بیڈ پر پیر پسارتے ہوئے کہا تو ان کے شوہر نامدار علیم صاحب نے ان کی کراہوں کی آواز پر اخبار سے نظریں ہٹا کر بیگم پر گاڑتے ہوئے بولے۔

''جب آپ یوں کام پر کام پھیلائے جائیں گی، تو تھکن تو ہونی ہی تھی، میں نے کہا بھی تھا کہ ابھی چھ ماہ قبل ہی تو رمضان المبارک سے قبل رنگ و روغن ہوا تھا مگر آپ پر تو جیسے دھن سوار تھی، اب رنگ و روغن میں تو ایسے ہی گھر پھیلتا ہے اوپر سے آپ لوگوں کے بازاروں کے چکر ہی ختم نہیں ہو رہے ہیں۔''

''ہاں تو صاحب شادی بیاہ کوئی معمولی کام نہیں ہے، سو بکھیڑے ہوتے ہیں، آپ مرد ذات ہیں کیا جانیں بھلا کہ کپڑے لتوں کی خریداری کے علاوہ بھی سو سو کام نکل آتے ہیں، ابھی میچنگ کی بیلیں چاہیں، تو ابھی سوٹ کی ہم رنگ چوڑیوں کے لئے مارے مارے پھرو، پھر کبھی دوپٹے پیکو کرانے ہیں تو ابھی درزی سے سلے سوٹوں کو دوبارہ لے جا کر نقص صحیح کروانے ہیں۔'' فردوس بیگم نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا پھر شانوں پر پڑا دوپٹہ پگڑی کے انداز میں آڑھا ترچھا ماتھے پر لپیٹا اور آنکھیں موندلیں۔

''تو ہم بھی تو یہی عرض کر رہے ہیں بیگم صاحبہ کو آپ کو بھلا کون سا لڑکی کا جہیز بنانا ہے جو اس قدر لمبی فہرست تیار کر رکھی ہے بکھیڑوں کی، یہ تو وہی بات ہوئی آ بیل مجھے مار۔''

''محترمہ جو ہے جیسا ہے اس پر شکر کی عادت ڈالیں، بلاوجہ میں کام بھی بڑھاتی ہیں اور خرچہ بھی۔'' علیم صاحب اتنا کہہ کر دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے اور فردوس بیگم میاں کی الزام تراشی پر بری طرح بھنا اٹھیں اور آنکھیں کھول کر سرہانہ اونچا کر کے میاں کی جانب مکمل رخ کر کے بیٹھ گئیں گویا توپوں کا دہانہ ان کی جانب کر لیا۔

''اچھا تو یوں کہیے نا کہ اصل میں آپ کو خرچے کی فکر کھائے جا رہی ہے، ارے بھئی جب تک زندگی ہے خرچے تو لگے رہیں گے آخر کو دنیا میں رہتے ہیں تو دنیا داری بھی برتنی پڑتی ہے، وگرنہ لوگ آپ کو نہ تو کچھ نہ کہیں گے کہ آپ ٹھہرے مرد، پھوہڑپن اور کنجوسی کے طعنے مجھ غریب کو ہی ملیں گے کہ گھر کی پہلی شادی ہے گھر کی عورت نے گھر کو سجایا نہ سنوارا، اوپر سے آپ کو تو یہ عقل بھی نہیں کہ لڑکیوں کو تو اچھے سے اچھا پہنا اوڑھا کر رکھنا ہی پڑتا ہے اب اتنی بڑی تقریب میں سو سو لوگوں کی نظروں میں رئیں گی تو ایسے میں اچھی دیکھیں گی تو ہی کسی کو بھائیں گی نا۔'' فردوس بیگم اپنے تئیں بڑی دور کی کوڑی لائی تھیں مگر علیم صاحب ان کے مشورے سے ہرگز متاثر نہ ہوئے کیونکہ وہ عوام الناس کی طرح بیوقوف نہیں تھے جو سب کچھ جانتے بوجھتے بھی لیڈروں کی حمایت میں نعرے مارتی رہتی ہے وہ جہاندیدہ آدمی تھے اور اپنے طور پر اپنی نصف بہتر کو بھی زمانہ شناسی کے گر سکھانے کی کوشش کرتے رہتے تھے، سو ابھی بھی انہوں نے یہی کیا۔

''ارے بیگم دنیا کا کیا ہے جی، اس کا تو کام ہی باتیں بنانا ہے کچھ علم ہے آپ کو کہ ایک لڑکے کی شادی پر ہی کتنا قرضہ چڑھ گیا ہے آگے دو بچیاں بھی بیٹھی ہیں اگر آپ کی دانست میں اور توقع کے عین مطابق ان کا نصیب ان کے چمکتے دمکتے روپ کے باعث دمک جائے گا تو ذرا یہ بھی سوچیے کہ یوں خالی ہاتھ ہم ان کو عزت سے کیسے رخصت کر پائیں گے اور پھر مجبوری کے عالم

میں اچھے سے اچھے رشتوں کو بھی انکار ہی کرنا پڑے گا۔"

"توبہ ہے صاحب، خوشی کا موقع ہے کیوں اول فول منہ سے نکالے جا رہے ہیں اور اب ایسا بھی کیا کر دیا ہے میں نے جو آپ خدانخواستہ اس حد تک کنگال ہوئے جا رہے ہیں کہ ساری زندگی کی جمع پونجی لٹنے چلی ہے۔" فردوس بیگم سخت بدمزہ ہوئی تھیں میاں کی دوراندیشی پر۔

"ارے نیک بخت عقلمندی یہی ہے کہ جو جمع ہے اسے سوچ سمجھ کر خرچ کیا جائے نہ کہ آ جائے گا قارون کا خزانہ، وقت پڑنے پر یہ سوچ کر چادر سے پیر باہر نکال لئے جائیں، میں معمولی سرکاری ملازم ہوں، لاکھوں کا کھاتہ نہیں ہے میرا بینک میں اور آپ شاید بھول رہی ہیں کہ فقط پانچ سال رہ گئے ہیں میری ریٹائرمنٹ میں۔"

"تو کیا کروں؟ اکلوتے بیٹے کے ارمان پورے نہ کروں کہ کل کو لڑکیوں کی شادی پر خرچہ کروں تو وہ نہ سوچے گا کہ اماں نے میری دلہن کے لئے تو یوں دل کھول کر کپڑے زیور نہ بنائے تھے اور آپ نہ جانے کیوں مایوس ہوئے بیٹھے ہیں جب بیٹیوں کے رشتے کا سبب بنے گا تو رخصتی کے وسائل بھی اللہ خود ہی دے گا اور رہی قرضہ اتارنے کی بات تو خیر سے آپ کی پینشن تو ہوگی اور گریجویٹی بھی ملے گا اور میرا بیٹا آج کم کما کر رہا ہے تو کیا ساری عمر کم ہی کماتا رہے گا، ابھی سے آپ ان فکروں میں کہاں سے پڑ گئے، فرائض سے فارغ ہو لیں تو قرضہ بھی اتر ہی جائے گا۔" فردوس بیگم ہنوز اپنے موقف پر قائم تھیں۔

"جی جی بالکل جیسے بیٹے کی شادی کے بعد اس کی آمدنی بڑھے گی تو خرچہ تو بڑھے گا نہیں اور میری پینشن تو گویا اتنی ہی ہوگی جتنی میرے محکمے کے ڈائریکٹر کی اور کیونکہ میں صدر پاکستان کا قریبی عزیز ہوں تو گریجویٹی کی رقم تو قارون کے خزانے کے ہم وزن ہوگی، ارے کچھ اپنے بڑھاپے کے لئے بھی بچا کر رکھنا ہے یا سارا کچھ قرضوں کو اتارنے اور بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کی ہی نظر کر دینا ہے۔" علیم صاحب نے بیگم کو ہوش کے ناخن دلانے کی ایک اور کوشش کی مگر یہ بھی ناکام ٹھہری۔

"ارے بھئی علیم صاحب پھر نہ کریں شادی یا پھر یوں کریں بس دو گواہ اور مولوی بلوا کر نکاح پڑھوا دیں اور دل کرے اور آپ کی جیب اجازت دے تو چھوہارے بٹوا دیں ورنہ اس پر بھی صبر کر لیں گے ہم۔" علیم صاحب کے طعنے فردوس بیگم کو بری طرح سلگا کر رکھ گئے۔

"توبہ ہے بیگم، آپ اصل بات سمجھتی ہیں نہیں، بس الٹا چڑھ ہی دوڑتی ہیں، اچھا اب بچیوں سے کہیے چائے تو بنا دیں ذرا۔" علیم صاحب نے ہمیشہ کی طرح جھگڑے کو زور پکڑنے سے روکنے کی تدبیر کرنی چاہی مگر فردوس بیگم اپنے نام کی ایک ہی تھیں۔

"ارے مجھے سمجھانے کے بجائے آپ اپنے آپ کو سمجھائیں پہلے، ایک تو پہلے ہی سر درد سے پھٹ رہا تھا، رہی سہی کسر آپ نے پوری کر دی۔" فردوس بیگم کنپٹیاں مسلنے لگیں اور علیم صاحب اپنی بے چارگی پر ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہوئے لاؤنج سے نکل گئے۔

☆☆☆

فردوس بیگم کا شمار ان خواتین میں ہوتا تھا جو سلیقے اور سوجھ بوجھ جیسی خوبیوں سے مکمل طور پر مبرا ہوتی ہیں۔

"چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ اور تھوڑے کو بھی غنیمت جانو۔" جیسے محاوروں کو نہ انہوں نے

کبھی پڑھا تھا، نہ سنا تھا سو اس کے معنی و مفہوم سے مکمل طور پر نہ آشنا تھیں اور جو کبھی بھولے بھٹکے کانوں سے ٹکرا بھی پڑا تو انہوں نے اسے دوسرے کان کے راستے فوراً نکال باہر کیا تھا، کیونکہ ایسی باتوں کے کہنے سننے سے ہی انہیں اختلاج ہونے لگتا تھا، نہ کہ ان پر عمل پیرا ہونا، زندگی کو کیسے برتا جاتا ہے، گھر کی عورت گھر کو کیسے منظم رکھتی ہے، خاتون خانہ کیسے بچت کے اصول اپنا کر مرد کا ساتھ دیتی ہے، اس بارے میں جاننے کی کبھی انہوں نے کوشش بھی نہیں کی تھی، ایسی باتوں سے ان کا دور دور تک کا سروکار نہیں تھا، کیونکہ ان کے نزدیک زندگی جیسی ملے ویسے ہی گزار دینا بہترین انسانی عمل تھا، حالات کے دھاروں کو بہتری کی جانب گامزن کرنے کی سعی کرنا، زندگی کے نشیب و فراز میں، سہج سہج کر قدم رکھنا ان کے نزدیک سراسر فضول امر تھا، وہ بس دکھاوے کی دنیا میں جینے والوں میں سے تھیں، اس لئے وہ اپنے شوہر نامدار کی تمام حکایتوں، مشوروں اور نصیحتوں کو مکمل طور پر لغو جانتے ہوئے یکسر فراموش کر دیتی تھیں، ان کے نزدیک علیم صاحب کے آنے والی زندگی کے لئے منصوبہ سازی اور سوچ سمجھ کر چلنے کے تمام دلائل بودے تھے، کیونکہ وہ محض آج میں جینے والوں کو ہی دانش مند تصور کرتی تھیں لیکن علیم صاحب یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی نصف بہتر کبھی بھی ان کے مدبرانہ سوچوں کی ہم خیال نہ ہوں گی شاید عادتاً یا پھر امید کا دامن تھامنے اپنی کوشش جاری و ساری رکھتے تھے، گو کہ فردوس بیگم اپنے خاوند کی ایسی تجاویز کو خاطر میں نہ لاتی تھیں مگر پھر بھی میاں کے مصالحت آمیز رویے کے باعث اگر کبھی کمزور ہونے بھی لگتیں تو علیم صاحب کی مثبت گفتگو اور رائے کو طعنہ زنی اور بحث قرار دے کر وہ واویلا مچاتیں کہ علیم صاحب کو الامان الحفیظ کہتے ہوئے میدان چھوڑنے میں ہی عافیت دکھائی دیتی تھی، کیونکہ وہ اپنے گھر کا شیرازہ نہیں بکھیرنا چاہتے تھے اور علیم صاحب کی اس قربانی کو ان کی اعلیٰ ظرفی نہ جان کر فردوس بیگم ان کے اس اقدام کو ان کی پسپائی اور اپنی فتح جان کر اور تن جاتی تھیں اس لئے شادی کے کئی سال گزرنے کے بعد بھی انہوں نے اپنا وطیرہ نہیں چھوڑا تھا، اب بھی وہ اپنے اکلوتے بیٹے حمزہ کی شادی کو گھر کی پہلی شادی کہہ کہہ کر دنیا اور دنیا والوں کے آگے سرخرو ہونے کے لئے جائز اور ناجائز تمام عوامل یکسر فراموش کیے جا رہی تھیں اور ہمیشہ کی طرح جب علیم صاحب نے ایک بار پھر انہیں صحیح اور غلط کا فرق بتانا چاہا تو انہوں نے علیم صاحب کے اصل مدعا جانے بغیر ان پر چڑھائی کر دی اور چاروناچار ہر بار کی طرح علیم صاحب کو ہی ہتھیار ڈالتے ہی بنی تھی۔

مگر چند دنوں بعد شادی والے گھر کا ماحول بگڑ جانے کے اندیشے کے تحت فردوس بیگم نے بھی طوعاً و کرہاً لچک دکھا ہی دی۔

''اری لڑکیوں ذرا چائے تو پلا دو مجھے اور اپنے ابا کو......اور چائے چڑھا کر ادھر آ کر سامان سمیٹو جلدی سے اور باقی ماندہ صفائی اور بکھرے سامان کو ٹھکانے لگانے کا کام کل صبح ناشتے سے فارغ ہوتے ہی شروع کر دینا، فریزر میں نہاری پڑی ہے، کل دوپہر کو وہ کھالیں گے روٹیاں بازار سے آ جائیں گی، پندرہ دن رہ گئے ہیں ڈھولکی میں، دن ویسے ہی چھوٹے ہیں بھاگے چلے جا رہے ہیں، پھر مہمانوں کا آنا جانا بھی بڑھ جائے گا۔'' انہوں نے ہدایت نامہ جاری کیا تو بڑی بیٹی حنا آ کر جلدی سے لاؤنج میں بکھری اشیاء سمیٹنے میں لگ گئی اسے کام میں لگا دیکھ کر فردوس بیگم نے

دوسری بیٹی کو بھی آواز لگائی۔

''اری او حرا تو کہاں مر گئی ہے؟ ضرور کانوں میں تار ڈالے بیٹھی ہوگی یہ لڑکی۔'' فردوس بیگم کو حرا کا ہر وقت کا ایف ایم سننا سخت ناگوار گزرتا تھا اور اب تو موڈ ہی آف تھا تو دونوں بیٹیوں کی گویا شامت ہی آئی ہوئی تھی، وہ تو غنیمت حرا نے منہ دھونے کے لئے ہیڈ فون کانوں سے نکالا ہوا تھا تو اماں کی تیز آواز کے کانوں سے ٹکراتے ہی وہ تقریباً بھاگتے ہوئے لاؤنج میں آ پہنچی تھی۔

''جی اماں میں چڑھا رہی تھی، اچھا اب یہ بتائیں کہ یہ جوتوں کے ڈبے، چوڑیاں اور پرس کہاں رکھوں؟'' حرا نے رنگ برنگے کاغذوں سے پیک کئے گئے دلہن کے سامان کی جانب اشارہ کرکے پوچھا۔

''ارے وقتی طور پر ایک الماری خالی کرکے اس میں رکھ دو، اب کے ہفتے کو حمزہ کے ساتھ جا کر سوٹ کیس لے آؤں گی تو اس میں جما دینا اور وہ چائے بھی لے آؤ۔'' فردوس بیگم نے نیم دراز ہوتے ہوئے تان لگائی تو حنا جا کر چائے نکال کر لے آئی اس کے پیچھے پیچھے علیم صاحب بھی دوبارہ چلے آئے اور اپنا کپ اٹھا کر دیوار سے لگی سیٹی پر بیٹھ گئے، حنا بھی حرا کے ساتھ کام میں لگ گئی، علیم صاحب چائے کی چسکیاں لینے لگے پھر آنکھوں سے حنا کو اشارہ کیا تو اس نے چائے کا کپ اٹھا کر اماں کو تھمایا۔

''اماں یہ چائے پی لیں ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

''ہاں لا سر پھٹ رہا ہے درد سے اور جسم تو پھوڑے کی طرح دکھ رہا ہے۔''

''اوہ اماں پہلے کیوں نہیں بتایا، لاؤ میں دبا دوں۔'' حنا ماں کے سرہانے بیٹھ کر کندھے دبانے لگیں ساتھ ہی ماں کے کانوں میں سرگوشی کرنے لگی۔

''اماں وہ مجھے بوتیک کا سوٹ بھی دلا دو شام میں، جو میں نے ولیمے کے لئے پسند کیا تھا، کہیں کوئی اور نہ خرید لے، کیا حسین کلر کمبی نیشن ہے۔'' حنا نے دلجمی سے ماں کی خدمت کرتے ہوئے لاڈ بھرے لہجے میں فرمائش کی تو خالی چائے کا کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے اماں نے اثبات نے سر ہلا دیا، تو حرا نے اماں کا موڈ اچھا دیکھ کر اپنا بھی نشانہ لگایا۔

''اماں میں تو تینوں دن پارلر سے تیار ہوں گی ورنہ تصویریں اچھی نہیں آتیں اور یہ تصویریں تو یادگار ہوں گی نا۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں، اکلوتے بھائی کی شادی ہے، خوب ارمان نکالنا۔'' فردوس بیگم نے سخاوت دکھائی تو علیم صاحب بیگم کی اس دریا دلی پر کلس کر ہی رہ گئے۔

''واہ بھئی بیگم، کیا بات ہے آپ کی، بچیوں کو سمجھانے کے بجائے آپ انہیں اور شہہ دے رہی ہیں، خیال رکھیے گا ان کے ارمان نکالتے نکالتے کہیں میرا جنازہ ہی نہ نکل جائے۔''

''لاحول ولا قوۃ یا اللہ کیوں واہی تباہی بکے جا رہے ہیں؟ کیا دشمن ہوں آپ کی؟ ارے بچیوں کے ارمان ہم نہ پورے کریں گے تو کون کرے گا بھلا؟ جانے کیسا گھر بار ملے آگے۔'' فردوس بیگم نے ایک بار پھر اپنی نرالی منطقوں سے میاں کو قائل کرنا چاہا۔

''تو بیگم عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ آج ہی سے انہیں ہر طرح کے حالات کے لئے تیار کیا جائے اور کفایت شعاری کا سبق سکھایا جائے نہ کہ ایسی زندگی اور عیش و عشرت کا عادی بنایا جائے کہ آگے چل کر کم پر سمجھوتہ کر ہی نہ پائیں،

مگر آپ سے بحث کرنا سراسر وقت ضائع کرنا ہے۔" حلیم صاحب کی طبیعت اب کے بار بیگم کی عدم معاملہ فہمی کے باعث سخت مکدر ہو چکی تھی اس لئے وہ ایک بار پھر لاؤنج سے چلے گئے تھے، فردوس بیگم بڑبڑاتے ہوئے پھر نیم دراز ہوگئیں، حنا اب ان کے پیر دبانے لگی تھی وہ ہر صورت میں ماں کے موڈ بحال رکھنا چاہتی تھی حالانکہ اب اس کے اپنے ہاتھوں میں درد ہونے لگا تھا مگر بوتیک پر دیکھا جوڑ آنکھوں کے آگے مسلسل رقصاں ہو کر اسے نئی توانائی دے رہا تھا، حرا کے ذہن نے بھی کام دکھایا اور اس نے ماں کی توجہ اپنی جانب کر لی۔

"اماں پتہ ہے آج کرن ملی تھی کالج میں، کہہ رہی تھی بس ضروری کلاسز اٹینڈ کرنے آتی ہوں جب یہ ملاقات نہیں ہو پا رہی، بتا رہی تھی کہ آصفہ ممانی گھر میں کام کروا رہی ہیں تو ان کا ہاتھ بٹانا پڑ رہا ہے ان کا بھی گھر پھیل گیا ہے بہت اور وقت ان کے پاس بھی کم ہے عامر بھائی کی شادی میں بھی بس ڈیڑھ ماہ ہی رہ گیا ہے اور گھر میں دو ہی عورتیں ہیں آصفہ ممانی اور کرن۔"

"کیا کام کروا رہی ہیں، ابھی پانچ سال پہلے تو پورا گھر گرا کر بنوایا تھا۔" اماں کی نظروں میں بھاوج کے لشکارے مارتے ٹائلز سے مزین در و دیوار آئے تھے اور وہ اٹھ بیٹھیں۔

"اماں اوپر چھت پر جو کمرہ تھا، اس کے علاوہ ایک کمرہ اور کچن بنوایا ہے، باقاعدہ پورا کاریڈور بنوایا ہے اور پر جو منزل بنائی ہے اس کے بھی پورے فلور پر ٹائلز لگوائے ہیں اور نیچے کا کچن تڑوا کر اٹالین طرز کا بنوایا ہے۔" حرا نے تیر نشانے پر لگتے دیکھا تو بریکنگ نیوز کے بعد تفصیل سے خبریں نشر کیں، وہ جانتی تھی کہ اماں اپنے بھائی بھاوج کی کن سوئیاں لینے میں بڑی دلچسپی رکھتی ہیں۔

"اچھا تمہارے عابد ماموں کا فون تو آیا تھا، جیولرز کے پاس چلنے کو کہہ رہا تھا کہ ساتھ ہی چلیں گے آرڈر کنفرم کرنے، مگر کچھ ذکر نہیں کیا، بیوی نے جو منع کر دیا ہوگا کہ بہن کو مت بتانا، ہائے کتنا کمزور دکھنے لگا ہے میرا بھائی اور اس عورت کو دیکھو، ذرا جو فکر ہو بس لگی ہے دونوں ہاتھوں سے میاں کی کمائی اڑانے میں، حق ہاہ، میرا عابد بھیا کیسا نصیبوں کا کھوٹا نکلا کہ ایسی بے پرواہ اور پھوہڑ عورت پلے پڑ گئی ہے، ارے ایسی عورتیں ہی تو ہوتی ہیں جو میاں کو حرام کمائی کی جانب رغبت دلاتی ہیں، ارے جب خرچہ کمائی سے بڑھ جائے، فرمائشوں کی لسٹ ختم نہ ہو تو کیا کرے بے بس مرد، مگر اس بے حس عورت کو تو بس اپنی خواہشوں سے غرض ہے، اپنی قبر کو بھی سنگ مرمر سے سجائے گی، ہر ایک سے کہتی پھرتی ہے کہ گھر ایسا ہو کہ رہنے میں مزہ آئے جیسے موئی دیواریں نہ ہوئیں چاٹ مصالحہ ہوگئیں کو چاٹیں اور مزہ آئے، اے اللہ رحم کر دے میرے لاچار بھائی پر۔" فردوس نے بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو لاؤنج میں رکھے شوکیس کی دراز سے اپنی دواؤں کا پرچہ لینے کے لئے آنے والے حلیم صاحب نے بے چارگی سے اپنی نصف بہتر کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا اور دل ہی دل میں آمین کہہ ڈالا۔

☆☆☆

وہ ایک لمحہ

حیا بخاری

www.urdusoftbooks.com

دور کہیں بہت زور سے بجلی کڑکی تھی، ساون رت کے آتے ہی گرمی کا زور ٹوٹ سا گیا تھا، دن کے کسی نہ کسی پہر تیز بارش نہیں تو ہلکی ہلکی کن من ہو ہی جاتی تھی، نم آلود ہوا نے البتہ فضا کو عجیب سیلن زدہ سا کر دیا تھا، کبھی اسے یہ موسم سے اس لئے بھی چڑ رہتی تھی کہ ساون کے آتے ہی اسے سارا وجود عجیب سی چکناہٹ کا احساس ہوتا تھا، دن میں دو تین بار صابن سے رگڑ رگڑ کے نہانا مگر اس کیفیت سے جان نہ چھڑا پاتا تھا۔

مگر اب یہی ساون اس کا پسندیدہ موسم بن چکا تھا اور اس کی وجہ بھی صرف شیر علی شاہ ہی جانتا تھا۔

باہر برستی بارش کے شور میں اضافہ ہوا تو اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب سائیڈ پہ رکھ دی، اس نے ایک نظر اپنے پہلو میں سکون کی نیند میں ڈوبے اپنے عزیز از جان بھتیجے اور بھتیجی پہ ڈالی اور بنا آہٹ کیے ہی بیڈ سے نیچے اترا۔

دروازہ کھولتے ہی بارش کی تیز بوچھاڑ نے اس کا استقبال کیا، چھت پہ بنے اس واحد کمرے کے سامنے چھوٹا سا شیڈ تھا جو بارش کے پانی کو روکنے میں ناکام تھا، وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا صحن کے بالکل وسعت میں آ کھڑا ہوا، اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ کب بارش کے پانی میں اس کے آنسو بھی شامل ہو گئے، صرف چند لمحے ہی وہ خود پر قابو رکھ سکا تھا، شیر علی شاہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیا تھا، بادل کسی بے حد مخلص دوست کی طرح بلکہ ہمیشہ طرح گھن گرج میں اس کی آواز چھپالی تھی، تبھی تو یہ موسم اسے عزیز تھا۔

☆☆☆

یونیورسٹی میں ان کا آخری مہینہ تھا صرف چند روز ہی رہ گئے تھے پھر انہیں ہمیشہ کے لئے اسی یونیورسٹی کو خیر آباد کہہ دینا تھا جہاں سے وہ سب بہت خوبصورت یادیں لے کر جا رہے تھے۔

سبھی سٹوڈنٹس لان میں بیٹھے خوبصورت موسم کو انجوائے کر رہے تھے، مگر ایک تئیس سالہ خوبرو نوجوان بہت بے چینی سے کوریڈور میں ٹہل رہا تھا، اس کی بے حد سیاہ چمکتی آنکھوں میں بے چینی واضح تھی، شاید وہ بے قراری سے کسی کا منتظر تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' تبھی کسی نے بہت ہی مدھم آواز سے اسے پکارا تھا، وہ اسے کوریڈور کے سامنے بنی سفید پتھروں سے کی روش پہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی نظر آئی تھی، اس کی خوبصورت کالی آنکھوں میں حیرت ابھری تھی۔

''یہ صبا نے آپ کے نوٹس دیئے تھے، وہ خود بزی تھی، سو مجھے بھیج دیا اور وہ آپ کو بہت تھینکس کہہ رہی تھی۔'' اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا، لڑکے کی آنکھوں کی چمک ایکدم ماند پڑ گئی تھی، ایک لمحے کے لئے وہ لڑکی بھی چونک گئی تھی مگر جلد ہی خود پہ قابو پالیا۔

''آپ شیر علی شاہ ہو ناں؟ فزکس ڈیپارٹمنٹ کے ذہین ترین طالب علم۔'' وہ شاید زیادہ ہی دکھی تھا، تبھی صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''کیا آپ مجھ سے شادی کرو گے؟'' اور شیر علی شاہ کی آنکھوں میں حیرت امڈ آئی۔

لڑکی کے بغور دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں پہلے نمایاں ہونے والے تاثر کا نام نشان تک نہیں تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ ہکلایا۔

''میں آپ سے محبت کرتی ہوں پچھلے ایک سال سے جب سے یہ یونیورسٹی جوائن کی ہے تب سے۔'' وہ اس کی جونیئر تھی اتنا تو وہ جانتا تھا

مگر یہ سب وہ اس کی جرأت پہ حیران تھا۔

''مگر میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔''

''میرے لئے یہ اہم نہیں کہ آپ کسی اور سے محبت کرتے ہیں میرے لئے تو یہ اہم ہے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔''

''ایسی محبت کا کیا فائدہ؟'' شیر علی شاہ نے کندھے اچکائے۔

''محبت میں فائدہ یا نقصان کہاں دیکھا جاتا ہے یہ تو من کا سودا ہے، محبوب کے در پہ بھکاری کی طرح بے مول مٹی ہوتے رہو۔'' وہ مسکرائی۔

شیر علی شاہ نے پہلی مرتبہ اس لڑکی کو بغور دیکھا تھا، خوبصورت کشمیری کشیدہ کاری سے سجی سیاہ شال سے اس نے اپنے نازک وجود کو مکمل طور پر ڈھانپ رکھا تھا، صرف اس کے ہاتھ اور چہرہ چادر سے آزاد تھے، چہرے پہ بلا کی معصومیت کے ساتھ غضب ڈھاتا اعتماد اس کی شخصیت کو بارعب بنا رہا تھا، بہت کم عمر لگنے کے باوجود بھی اس کی شخصیت میں ایک وقار سا تھا۔

''یہ سب کتابی باتیں ہیں، اصل حقیقت نہیں۔'' اس نے دیکھا کہ ان میں بیٹھے سٹوڈنٹس بھی ان کی طرف متوجہ ہونا شروع ہو گئے، شیر علی شاہ نے آہستگی سے قدم لان کی نسبتاً کم آباد جگہ کی طرف بڑھا دیئے، وہ حیران رہ گیا جب وہ لڑکی بھی انہیں کی طرح قدم اٹھاتی اس کے ہم قدم ہو گئی۔

''میں یہ بات نہیں مانتی محبت تو ایک خالص جذبہ ہے بلکہ غلام سے بادشاہ کو کنیز سے اور امریکی کو افریقی سے ہو جائے تو عجیب نہیں۔'' دھیمے لہجے میں اس نے شیر علی شاہ کو جواب دیا تھا، وہ اس کی بات پہ بے اختیار ہنسنے لگا تھا، وہ بھی بے اختیاری سی اسے دیکھے گئی۔

''محبت کے رنگ تو آنکھوں سے دیکھ لئے جاتے ہیں، اتنے خالص اور اتنے ہی سچے کہ آپ کی آنکھوں میں واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔'' وہ انار کے درخت کے نیچے ایک بینچ پر بیٹھ چکی تھی، شیر علی شاہ میکانکی انداز میں اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اس غیر ارادی حرکت پر وہ خود بھی حیران تھا۔

''اچھا تو تمہیں میری آنکھیں میں کسی اور کے محبت کے رنگ کیوں دکھائی نہ دیئے۔'' اس نے لڑکی سے نظریں ملاتے ہوئے پوچھا مگر نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیسے جذبے تھے کہ وہ نگاہیں چرا گیا۔

''پہلی نظر میں ہی نظر آ گئے تھے، لیکن میرے لئے سب سے اطمینان کی بات کیا ہے؟'' اس نے سوالیہ انداز سے اسے گھورا۔

''میرے ایک چھوٹے سے اقرار نے بس ایک سیکنڈز میں وہ رنگ پھیکے کر دیئے تھے۔''

''وہ تو میں حیران رہ گیا تھا، شاید تبھی۔'' اسے خود بھی اس کی نظر شناسی پہ حیرت ہوئی۔

''وہ کوئی پل ہو، میں نے کہا ناں میرے لئے بس وہی ایک سیکنڈ ہی کافی ہے۔'' اس کے اطمینان پہ وہ مزید کچھ نہ بول سکا۔

''پھر محبت یہ کہاں دیکھتی ہے کہ جس سے آپ محبت کرتے ہیں وہ بھی آپ سے محبت کرے، یہ سب کچھ جان بوجھ کر بھی اندھی بن جاتی ہے۔'' وہ رکی تھی، وہ اس کے بولنے کا منتظر تھا۔

''کبھی آپ نے کبوتر کو دیکھا ہے، جب اس کے سامنے بلی آ جائے تو وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے اور بلی غائب ہو جاتی ہے، تو وہ سمجھتا ہے کہ اب وہ محفوظ ہے اور آنے والے وقت سے قدرے بے فکر ہو جاتا ہے۔'' وہ ذرا دیر رکی۔

"بالکل اس طرح شیر، محبت بھی جان بوجھ کر اندھی بن جاتی ہے سارے سود و زیاں سمجھتی ہے مگر آنکھیں بند کر کے اپنی ڈگر پہ چلتی رہتی ہے، انجام سے بے پرواہ، بے خوف، محبت پھر رکتی کہاں ہے۔"

"میں حیران ہوں میں نے اپنی زندگی میں تم جیسی لڑکی نہیں دیکھی۔" وہ واقعی حیران تھا۔

"میرے لئے ان الفاظ سے بڑھ کر بھلا اور کیا متاع ہو سکتی ہے۔" وہ مسکرائی، اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جسے اس کی بات کا مطلب نہ سمجھا ہو۔

"میں آپ کو مختلف لگی ہوں، مطلب اب آپ شاید ہی مجھے کبھی بھول پائیں، اس سے بڑھ کر میرے لئے کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"میں چلوں گا۔" وہ گھبرایا۔

"کیا پھر کبھی ملو گے؟"

"نہیں۔" اس نے صاف انکار کیا تھا اور اگلے ہی پل اسے اپنے اس روڈ برتاؤ کا احساس بھی ہو گیا تھا۔

"میرا مطلب ہے۔"

"آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ملنا نہ ملنا ہمارے اختیار میں تھوڑی ہے ناں میں پھر بھی کوشش کروں گی کہ آپ مجھے کبھی نہ دیکھ پائیں۔" وہ اٹھ کر چل دی مگر دو تین قدم آگے جا کر رک گئی۔

"مگر میں ہمیشہ آپ کا انتظار کروں گی شیر علی شاہ کہ دل پہ میرا اختیار نہیں رہا۔" مضبوط لہجے میں کہتی وہ آہستہ آہستہ دور ہوتی گئی، وہ پتہ نہیں کیوں اس کے دور اور غائب ہونے تک اس سے نظر نہ ہٹا سکا تھا۔

☆☆☆

"تم وہ نوٹس خود نہیں لا سکتیں تھیں، میں نے تمہارا انتظار کیا، کیا تم جانتی نہیں ہو۔"

"سو واٹ، تم جانتے ہو میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی پرواہ نہیں کرتی۔" وہ بے پرواہ چیونگم چباتی رہی۔

"محبت میں کیئر کرنی پڑتی ہے۔" وہ زور سے ہنسی تھی، کافی دیر تک ہنستی رہی تھی، اس کی نیلگوں آنکھوں میں نمی سی چھلکنے لگی تھی۔

"ڈونٹ ٹیل می یار، تم کب سے کتابی باتیں کرنے لگے۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا تمسخر تھا وہ چپ رہا۔

"کیوں کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو۔" اس نے بمشکل آواز نکالی تھی۔

"پتہ نہیں بس مجھے تو یہ پتہ ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" وہ عام سے لہجے میں کہتی چیونگم چبانے لگی تھی، سمندر کی لہریں بہت زور سے چٹان سے ٹکرائیں تو دونوں کو بھگو گئیں۔

"پر میرے لئے یہ اہم ہے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔" دور کسی کی مدھم سی آواز نے لہروں پہ رقص کیا تھا۔

"اچھا یہ سب چھوڑ آج میں تم سے ضروری بات کرنے آئی ہوں، میں نے اپنے گھر والوں سے اپنے اور تمہارے متعلق بات کی تھی، ہمارے رشتے پہ راضی ہیں، تم ایسا کرنا کہ اپنے کچھ ضروری ڈاکومنٹ[illegible] مجھے دے دینا تفصیل میں بعد میں پوچھ کے بتا دوں گی۔"

"وہ کس لئے؟"

"پاپا نے اپنے ایک دوست سے بات کی ہے وہ تمہیں اپنے ابروڈ کی برانچ میں بہت اچھی جگہ سیٹ کر دیں گے۔"

"کیا مطلب ہم ابروڈ جائیں گے؟"

"ہاں تو اس میں حیرانگی والی کون سی بات ہے۔"

''مگر کیوں؟'' وہ ابھی تک حیران تھا۔
''کیوں کہ یہاں وہ کہ تم وہ سب افورڈ نہیں کر سکتے، جس سب کی میں عادی ہوں، اب میں کم از کم تمہارے اس ڈبے نما گھر میں تو رہنے سے رہی۔'' طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے وہ بالوں کو جھلانے لگی۔
''اور میرے بڑے بھیا جو اماں ابا کے بعد ساری عمر مجھ پر اپنی ساری کمائی لٹاتے رہے اور اب جب میں کچھ کمانے کے قابل ہوا ہوں تو۔''
''یہ سب چھوڑو شیر آج کے دور میں ہر کوئی اپنا فائدہ سوچتا ہے، تم بھی اپنی لائف کی طرف دیکھو؟ سوچو تمہارا لائف اسٹینڈرڈ کتنا اونچا ہو گا۔''
''نہیں امایہ میں یہ نہیں کر سکتا، تم سے کتنی محبت ہی سہی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ تم سے پہلے مجھ پر اپنے بھائی کی محبت کے کئی ہی قرض واجب الادا ہیں۔'' اس کی بات پہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
''اوہ تو اب مسٹر شیر علی شاہ کو اپنے رشتوں کی فکر ستانے لگی ہے۔''
''کیوں؟ کیا تمہیں نہیں ہے اپنے پیاروں کی فکر۔'' اس نے الٹا سوال کر دیا۔
''اپنے رشتہ داروں کو میرے رشتہ داروں سے نا ملاؤ شیر۔'' وہ غرائی۔
''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' شیر اس بار اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔
''مطلب بالکل صاف ہے، کہاں میرے گھر والے اور کہاں تم مڈل بلکہ لوئر کلاس لوگ۔''
شیر کی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی، اس قدر تحقیر، اس قدر نخوت۔
''میرے بھائی سچ کہتے تھے تم لوگ نالی کے کیڑے ہوتے ہو، تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں تمہارے ساتھ تمہارا پورا ٹبر بھی پال لوں گی۔''
اس کا کڑوا لہجہ اس کے کان پھاڑنے لگا تھا۔
''لیکن تم اب فیصلہ کر لو، اگر تمہیں میرے ساتھ عشق کرنا ہے تو اپنے پیاروں سے ہمیشہ کے لئے منہ موڑنا ہو گا، ورنہ راستہ کھلا ہے، تم جا سکتے ہو۔'' اس نے دور پانی میں ایک کنکر اچھالا تھا، شیر کچھ دیر یونہی گم صم بیٹھا رہا تھا، پھر اٹھ کر کچھ کہے بنا اپنی بائیک کی طرف آیا اور بائیک سٹارٹ کرتا ہوا کا مسافر ہوا تھا۔
امایہ نے غصہ سے چٹان کو لات رسید کی تھی اور شیر کو زیر لب گالی سے نوازا تھا۔

☆☆☆

وہ کتنے دن بعد یونیورسٹی آیا تھا، وہی بڑے بڑے ڈیپارٹمنٹ وسیع سرسبز لان، جگہ جگہ انجوائے کرتی ہنستی کھیلتی سٹوڈنٹس کی ٹولیاں اور ایک دوسرے سے سیر حاصل بحث میں مصروف اساتذہ، سب کچھ ویسے کا ویسا تھا، کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا تھا، وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے ہی بس سے اتر گیا تھا، سامنے ہی وہی انار کا درخت تھا۔
''مجھ سے شادی کریں گے؟'' کوئی بے اختیار یاد آیا تھا۔
''محبت تو محبت ہوتی ہے، دیتی ہے، نوازتی ہے کبھی کچھ مانگتی نہیں ہے۔'' قدم قدم پہ ہوا نے سرگوشی کی تھی۔
''میں پھر کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گی۔''
''ملنا اور نہ ملنا تو قدرت کے ہاتھ میں ہے۔'' اور اسے حیرت ہوئی تھی، اس کی یادوں میں تو امایہ کو ہونا چاہیے تھا، امرحہ کو نہیں، لیکن قدم قدم پہ امرحہ یاد آ رہی تھی، وہ اچانک ہی تیز تیز قدم اٹھاتا میڈم تبسم کے آفس کی طرف آ گیا، وہ

ان کا قابل اور سویٹ سٹوڈنٹ رہا تھا، وہ نوٹس کے بہانے امرحہ کا ان سے تا آسانی پتہ کر سکتا تھا، میڈیم نے بھی محبت سے اس کا استقبال کیا تھا، اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ براہ راست اپنے موضوع پر آیا تھا۔

''میم! ایک لڑکی تھی امرحہ، جونیئر تھی ہماری، ان کے پاس نوٹس تھے میرے، پلیز اگر اسے بلوا دیں۔'' اس نے دھڑکتے دل سے اس کا ذکر کیا۔

''امرحہ!'' اگلے ہی پل اس نے میڈم تبسم کا اسے محسوس ہوا کہ میڈم کا چہرہ متغیر ہوا تھا۔

''پھر تو تمہیں نوٹس کو بھولنا ہو گا شیر۔'' وہ غمگین لہجے میں بولیں۔

''پلیز میڈم کھل کر بات کریں۔'' وہ جیسے تڑپا۔

''امرحہ؟ بہت اچھی لڑکی تھی ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ تمہارے نوٹس واپس نہ کرتی۔'' اور شیر کی جان سولی پہ اٹکی تھی، اس کا دل کسی انہونی کے ڈر سے جیسے سینے کی سلاخیں توڑنے کے درپے ہوا۔

''بہت ہی بریلینٹ اسٹوڈنٹ تھی وہ میری۔''

''کیا مطلب کہاں گئی، کیا وہ یہ نیورسٹی چھوڑ گئی ہے۔''

''کاش ایسا ہوتا شیر، مگر پتہ نہیں اسے اس چھوٹی سے عمر میں کیا روگ لگ گیا تھا کہ دنیا ہی چھوڑ گئی۔'' اور شیر کو لگا تھا کہ اس کا سینہ درد سے پھٹ جائے گا، وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، فضا میں سخت گھٹن محسوس ہو رہی تھی، وہ جلد از جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا، تبھی سر عباس نے اس کو آواز دے کر بلایا تھا، دور سے ہی ان کی آواز پے رک گیا تھا، پاس سے گزرتی لڑکی جس نے سفید شال لے رکھی تھی سر عباس کے منہ سے اس کا نام سن کر رک گئی تھی اور ایک درخت کے نیچے اس شخص کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی تھی، وہ بھی شاید جلدی میں تھا یا شاید پریشان تھا، سر عباس کو چھوڑ کر وہ ڈیپارٹمنٹ سے باہر نکلا تھا، تب وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے گئی اور ایکسیکوزمی کہہ کر اس کو متوجہ کیا، وہ حیرت سے اس کو دیکھنے لگا تھا۔

''کیا آپ شیر علی شاہ ہیں؟''

''جی۔''

''میرے پاس آپ کے لئے ایک امانت رکھی ہے، کیا آپ اس ایڈریس پر آ سکتے ہیں شام کو۔'' ایک کاغذ پہ کچھ لکھ کر اس نے ان کے حوالہ کیا تھا۔

''مگر۔''

''اگر مگر کا جواب آپ کو شام میں ہی مل جائے گا میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' وہ نم لہجے میں کہتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

دل تو نہیں چاہتا تھا مگر لڑکی سے کیا وعدہ وہ ایفا کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔

''میں فروا ہوں امرحہ کی چھوٹی بہن۔'' وہ شاکڈ ہوا تھا۔

''امرحہ آپ سے بے پناہ محبت کرتی تھی، مجھے اس نے خود یہ بات بتائی تھی، بلکہ آپ کے متعلق ہر بات جو اسے معلوم تھی، اس کی صبح و شام آپ کو یاد کرتے گزرتی تھی، کبھی کبھی تو میں آپ کے ذکر سے چڑ جاتی، پھر وہ مجھ سے ناراض ہو جاتی تھی۔'' وہ اداس سے مسکرائی۔

''اس لئے مجبوراً مجھے آپ کے سارے قصیدے سننے پڑتے تھے۔'' شیر بت بنا بیٹھا رہا۔

''اس کو پڑھائی کا بھی بے حد شوق تھا، بہت ذہین اسٹوڈنٹ تھی مگر میرے بھائی کی ایک

ضد نے اس کی جان لے لی۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''امرحہ کی منگنی بچپن ہی سے ہمارے پھپھو زاد انجم سے ہو گئی تھی اور انہوں نے اچانک ہی اس کی شادی کی تاریخ ایک ماہ کے اندر ہی طے کر دی تھی جیسے ہی اسے پتہ چلا کہ ہفتہ کے بعد اس کی شادی ہے وہ آپ کا پتہ کرنے میں لگ گئی مگر اس کی قسمت میں آپ سے ملنا نہیں لکھا تھا، دن کی بے طرح تھکاوٹ رات کی بے سکونی اور ٹینشن کا نتیجہ اس کا نروس بریک ڈاؤن کی شکل میں ہمارے سامنے آیا، جس دن اسے پیا دیس جانا تھا اس دن وہ اسی دنیا کے لوگوں کو خدا حافظ کر گئی تھی، تین دن پورے تین دن زندگی اور موت کی جنگ لڑتے لڑتے بالآخر وہ ہم سب سے جدا ہو گئی۔''

''جس دن اسے معلوم ہوا کہ ایک ہفتے کے بعد اس کی شادی ہے اس نے مجھے آپ کے لئے ایک تحفہ دیا تھا کہ کبھی بھی آپ سے ملاقات ہو گئی تو میں یہ آپ کو پہنچا دوں اس کو یقین تھا کہ آپ کبھی نہ کبھی ملو گے ضرور اسے نہ سہی مجھ سے، شاید تبھی اس نے مجھے یہ آپ کے لئے دیا تھا۔'' اس نے ایک بیگ سے شاپر نکال کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔

''کاش آپ اس کی زندگی میں یہاں آئے ہوتے تو شاید۔''

''خیر میرے خیال سے آپ کو چلنا چاہیے میرے بھائی کے آنے کا وقت ہو گیا ہے وہ آتے ہی ہوں گے۔'' اسے اچانک ہی خیال آیا، وہ خاموشی سے سر ہلا کر اٹھ گیا۔

کئی لمحوں تک وہ بس چپ چاپ اس ڈائری اور مردانہ کشمیری شال کو دیکھے گیا تھا جو اس شاپر سے برآمد ہوئی تھیں جو امرحہ کی بہن نے اسے دیں تھیں۔

کریم کلر کی مردانہ شال اس نے کھول کے اس نے مکمل خود کو ڈھانپ لیا تھا، نرم گرم سا احساس سردی کو کم کر گیا، اس نے کالے رنگ کی وہ ڈائری کھولی اور پڑھنے لگا، ایک ایک ورق پہ حروف موتیوں کی طرح بکھرے تھے اور ہر لفظ ہر موتی اس کے نام سے جڑا تھا، وہ ڈائری امرحہ کے اس کے لئے احساسات، جذبات اور دعاؤں سے بھری تھیں، اس نے کچھ بھی طلب نہیں کیا تھا، لیکن دعا محبت اور خلوص سب اس دان کر گئی، جو اسے جانتا تک نہ تھا لیکن آج اسے بھی محسوس ہوا تھا، اصل پیاس تو ایسی خلوص کی تھی، وہ ڈائری دل سے لگائے پھوٹ پھوٹ کے رو دیا تھا، کہ بالکل آخری صفحے پہ لکھا جملہ ساری عمر کے پچھتاؤں کے لئے کافی تھا۔

''Once upon a time''۔

امرحہ مرتے مرتے داستان رقم کر گئی تھی، جو شاید اسے اب سنانی تھی، پچھتاؤں اور آنسوؤں کے ساتھ۔

☆☆☆

www.urdusoftbooks.com

تحریم محمود

غیبت کا گناہ

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ غیبت کرنے والوں کی سخت سرزش کرتے تھے غیبت اسے کہتے ہیں کہ کوئی کسی کا اس کی غیر موجودگی میں اس طرح تذکرہ کرے جو کہ اسے ناپسند ہو، ایک حدیث میں وضاحت اس طرح ہے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیبت کی حقیقت دریافت فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارا اپنے بھائی کا اس طرح تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو۔'' صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر وہ بات اس میں موجود ہو تو کیا پھر بھی غیبت ہوگی۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں نہ پائی جائے تو پھر یہ بہتان ہوگا۔''

چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو ایک دفعہ ایک ضیافت میں مدعو کیا گیا آپ نے لوگوں سے کسی کی غیبت سنی تو فرمایا۔

''عجیب بات ہے کہ پہلے لوگ گوشت سے پہلے روٹی کھاتے ہیں، مگر یہاں دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے بھائی کی غیبت کر کے روٹی سے پہلے اس کا گوشت کھا رہے ہیں۔'' پھر آپ وہاں سے اٹھ گئے اور کھانا نہ کھایا۔

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

محبوب عمل

حضرت موسیٰ علیہ السلام، کلیم اللہ تھے، انہیں اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی حاصل تھا، ایک مرتبہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔

''اے میرے رب! تجھے میرا کون سا عمل زیادہ پسند ہے تاکہ وہ کام زیادہ کیا کروں۔'' اللہ کا ارشاد ہوا۔

''مجھے تیرا وہ عمل تمام کاموں سے زیادہ پسند آیا کہ جب بچپن میں تمہاری ماں تمہیں مارتی تو تم مار کھا کر پھر اسی طرف دوڑتے تھے۔''

(تذکرہ غوثیہ)

حمیرا رضا، ساہیوال

کھانے کے متعلق بعض سنن طیبہ

- حضرت اسماء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ جاتا اور فرمایا۔
میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا کہ ''سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔''
(دارمی، مدارج النبوت)
- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے، کیونکہ مضر ہضم ہے، جب تک کھانا ہضم کے قریب نہ ہو پانی نہیں پینا چاہیے۔ (مدارج النبوت)

O کھجور یا روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پڑا ہوتا تو اس کو صاف کر کے کھا لیتے۔ (مسلم)

O آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا کھاتے ہی سو جانے کو منع فرماتے (یہ دل ثقالت پیدا کرتا ہے)۔ (زادالمعاد)

O کسی دوسرے کو کھانا دینا یا کسی سے کھانا لینا ہو تو داہنا ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ (ابن ماجہ)

ماریہ عثمان، سرگودھا

پہلی کرن

☆ جس نے مخلوق سے کچھ مانگا وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔

☆ حیات کا دروازہ جب تک کھلا ہے غنیمت جانو، وہ جلد ہی تم پر بند کر دیا جائے گا اور نیکی کے کاموں کو جب تک تمہیں قدرت ہے، غنیمت سمجھو۔

☆ موت سے پہلے یاد خدا میں عزت ہے کیونکہ کاٹنے کے وقت ہل چلانا اور بیج بونا حماقت ہے۔

☆ سارے ملک کا بگاڑ ان تین گروہوں کے بگڑنے پر ہے، حکمران جب بے علم ہوں، عالم جب بے عمل ہوں اور فقیر جب بے توکل ہوں۔

☆ محبت کامل نہیں ہو سکتی، جب تک قربانی نہ دی جائے۔

☆ صادق وہ ہے کہ جب دیکھو تو ویسا ہی پاؤ کہ جیسے سنا تھا۔

☆ ہر بچے کی پیدائش اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔

ماروخ آصف، خانیوال

ایک اور دانت

دندان ساز کی بیٹی نے اپنے محبوب سے پوچھا۔

''آج اچھا موقع تھا تم کلینک گئے تھے کیا آج بھی تم نے میرے پاپا سے رشتے کی بات نہیں کی؟'' نوجوان نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں! حسب معمول آج بھی میری ہمت جواب دے گئی اور میں ایک اور دانت نکلوا کر خاموشی سے واپس چلا آیا۔''

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

ہری مرچیں

O ہر عورت خوب صورت ہوتی ہے، سوائے گھر کی عورت کے۔

O آپ سینما دیکھ کر اتنے خوش نہیں ہو سکتے جتنا ایک عورت پڑوس کے گھر جھانک کر خوش ہوتی ہے۔

O سمجھدار جج پہلے عورت کی عمر دریافت کرتے ہیں اور تب انہیں جا کر سچ بولنے کا حلف اٹھواتے ہیں۔

O یاد رکھیے! ناجائز اخراجات ناجائز آمدنی ہی سے پورے ہو سکتے ہیں۔

O اپنی نقدی کی حفاظت کرو، اصولوں کی حفاظت دیکھا جائے گا۔

O عورت کے نزدیک سب سے حسین عورت وہ ہے، جو اسے آئینے کے سامنے دکھائی دے۔

O خواتین فارغ اوقات میں بچوں کے سر سے جوئیں نکالتی ہیں بے شک جوئیں ہوں یا نہ ہوں۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

سرگوشیاں

O سفر کا آغاز تیز رفتاری سے کیا ہے تو دیکھو رکنا

نہیں ورنہ تمہارا اپنا ہی غبار راہ تمہیں دبوچ لے گا۔

O زندگی نجانے کس کس کا انتظار کرتی ہے اور موت بن بلائے مہمان کی طرح اچانک آ جاتی ہے۔

O در ہمیشہ وا رکھنے چاہیں کہ کچھ لوگ دستکوں کے عادی نہیں ہوتے اور صدا دیے بغیر لوٹ جاتے ہیں۔

O جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے، وہ حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کر رہا ہوتا ہے۔

O محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہو جائے، اس کو آسانی سے آزاد نہیں کیا جا سکتا، اسے آزاد کرنے سے دل کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

O غصہ ایک چور ہے جو انسان کے اچھے لمحات چوری کر لیتا ہے۔

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

جنٹلمین

مسٹر برائن امریکیوں کا سامان دلانے میں مصروف رہا، درمیان میں کیپٹن غلام حسین نے ایک دو بار اسے توجہ دلائی کہ "پاکستانیوں کا سامان بھی لوڈ کرا دے۔" لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی، جب فارغ ہوا تو اس نے سامان کے وزن کی جمع تفریق کے بعد بے پروائی سے کیپٹن غلام حسین سے کہا۔

"پاکستانی تو اس پرواز سے نہیں جا سکتے۔"

"کیوں نہیں جا سکیں گے؟" کیپٹن غلام حسین نے مسٹر برائن کی ناک سے ناک ملا کر دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

ایک تھرڈ ورلڈ ملک کے ایک جونیئر فوجی سے مسٹر برائن کو قطعاً اس اشتعال انگیز رویے کی توقع نہیں تھی، اس کا خیال تھا کہ "ترلے منتیں" کرنے کے بعد وہ پاکستانیوں کو آئندہ کسی پرواز سے بھجوا دے گا لیکن غلام حسین سیاستدان تو تھا نہیں اس نے اک پاکستانی کو آواز دی۔

"بہزاد! ذرا یہ اسٹین گن دینا مجھے۔"

یہ ذات شریف جس کا نام بہزاد تھا بڑے مستعد ثابت ہوئے، انہوں نے اسٹین گن کا رخ آسمان کی طرف کیا، اسے کاک کیا، سیفٹی کیچ اتارا اور کیپٹن غلام حسین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"Gun loada, cocked safty catch removed"

غلام حسین نے اسٹین گن پکڑتے ہوئے مسٹر برائن سے پوچھا۔

"ہاں مسٹر برائن! پاکستانی کیوں نہیں جا سکتے اس فلائیٹ سے؟" مسٹر برائن نے دور ایک نظر گوروں کی طرف دیکھا جو کتوں اور لڑکیوں کی چاپلوسی میں مصروف تھے اور پاکستانی فوج پر نگاہ کی جو پاس ہی نظم و ضبط سے اپنے افسروں کے اگلے احکامات کے منتظر کھڑے تھے۔

"ٹھہرو، ٹھہرو جائیں گے جائیں گے، اسی فلائٹ سے جائیں گے۔"

مسٹر برائن کی ساری لاپروائی کافور ہو گئی، پورے واقعے میں چند سیکنڈ لگے ہوں گے، کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ دو اہم ملکوں کی خارجہ پالیسی کن نشیب و فراز سے گزر گئی۔

(جنٹلمین سبحان اللہ از اشفاق حسین)

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

اقوال اختری

☆ تھکن سود کی طرح ہوتی ہے، ادائیگی نہ ہو تو بے حساب بڑھتی اور جمع ہوتی رہتی ہے جب

www.urdusoftbooks.com

تک کوئی بھلا آدمی بھلے طریقے سے بے باق نہ کروادے۔

☆ فیصلہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے اندر غلطی کا امکان گھاس کی اس نرم کونپل کی طرح ضرور ہوتا ہے جو کسی بھی جگہ، کسی بھی لمحے سر اٹھائے چپ چاپ لہرانے لگتی ہے۔

☆ ہمت بھی عجیب پھولے ہوئے غبارے جیسی ہوتی ہے ذرا نا موافق بات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالات و حالت تک بدل دیتی ہے۔

☆ جعلی عکس ڈالنے والا علم ہو یا اعداد و شمار، ہمیشہ نتیجہ توقعات کے برعکس ہی لاتے ہیں۔

☆ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے بٹھا دے نقصان تو وہ ہے جو کسی کو آپ کی نظروں سے گرا دے۔

☆ رویوں میں اندھیرا آئے تو صرف انہیں کوسنے مت بیٹھ جایئے، ممکن ہے آپ کے ایک چراغ جلانے سے کسی کے اندر کی کچھ تاریکی کم ہو جائے۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان

عیب جوئی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا۔

''اے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو مار جلانے اور شرمندہ کرنے اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا اور وہ رسوا ہو کے رہے گا اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔'' (جامع ترمذی)

حنا زبیر احمد، بہاولپور

اقوال شیخ سعدی رحمتہ اللہ

☆ جب تو اللہ سے مغفرت و عطا کا طالب ہے تو جن لوگوں کی امیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں تو انہیں بھی محروم و مایوس نہ کر۔

☆ جو شخص سعی و عمل میں کوتاہی کرتا ہے پیچھے رہنا اس کا مقدر ہے۔

☆ بادشاہ اگر عدوات اور ظلم پر کمر باندھ لے تو پھر اسے بادشاہ کی بجائے بھیڑیا کہنا زیادہ مناسب ہے۔

☆ دنیا بے وفا اور انتہائی ناقابل اعتبار ہے، اس سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جو اسے مخلوق خدا کی اصلاح اور فلاح میں لگا دیتا ہے۔

☆ عقل مند اپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کرتا ہے اور نادا اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اٹھاتا ہے۔

اُم رباب، ساہیوال

تعبیر

سیہ راتوں کے آگے سرخرو ہوں
چاند سے آنکھیں ملا کر بات کرتی ہوں
کہ میں نے عمر میں دیکھا ہے پہلی بار یہ منظر
میری نیندیں میرے خوابوں کے آگے سر اٹھا کر
چل رہی ہیں

نعیمہ بخاری

☆☆☆

زاہدہ اظہر ---- حافظ آباد

پلک جھپکتے ہی دنیا اجاڑ دیتی ہے
وہ بستیاں جنہیں بستے زمانے لگتے ہیں
فراز ملتے ہیں غم بھی نصیب والوں کو
ہر اک کے ہاتھ کہاں یہ خزانے لگتے ہیں

....

خزاں میں چاک گریباں تھا میں بہار میں تو
مگر یہ فصل ستم آشنا کسی کی نہیں
میں آج زد پہ اگر ہوں تو خوش گمان نہ ہو
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

....

کوچہ یار سے ہر فصل میں گزرے ہیں مگر
شاید اب جاں سے گزر جانے کا موسم آیا

فضہ بخاری ---- رحیم یار خان

تھا جنہیں زعم وہ دریا بھی مجھی میں ڈوبے
میں کہ صحرا نظر آتا تھا سمندر نکلا
شہر والوں کی محبت کا میں قائل ہوں مگر
میں نے جس ہاتھ کو چوما وہی خنجر نکلا

....

تھکا گیا ہے سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پر سر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

....

فراز اس شہر میں کس کو دکھاؤں زخم اپنے
یہاں تو ہر کوئی مجھ سا بدن پہنے ہوئے ہے

چلو کہ آج کوئی بچپن کا کھیل کھیلیں ہم
بڑی مدت ہوئی بے ساختہ ہنس کر نہیں دیکھا

....

میرے احساس کے زخموں نے جگایا مجھ کو
نیند تو ٹوٹی مری ، خواب تمہارے ٹوٹے

....

مجھے سمیٹ سکو تو معجزہ ہو گا
بکھر گیا ہوں خلا میں وسعتوں کی طرح

اُم رباب ---- ساہیوال

کوئی کرتا ہی نہیں ذکر وفا داری کا
ان دنوں عشق میں آسانی ہی آسانی ہے

....

باہر تو کوئی دشمن جاں اپنا نہیں تھا
یارو بھلا ہمیں اندر کے خدوخال نے مارا
آئے جو نظر چہرے بظاہر تھے فروزاں
افسوس انہی چہروں کے افعال نے مارا

....

مرتے رہے ہم لوگ سدا وقت کے ہاتھوں
ماضی نے ہمیں مارا کبھی حال نے مارا
کچھ نقش سلامت ہیں جو دیتے ہیں گواہی
گزری ہوئی صدیوں کو مہ و سال نے مارا

نعیمہ بخاری ---- اٹک

ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں

....

پچ در پیچ سلسلے دل کے
مجھے تیری تجھے کس کی تلاش

....

سکون ملتا ہے رونے سے دل کو بھی آذر
شدید ہو کبھی موسم تو بارشیں مانگوں
ثمرین زاہرہ ---- خان پور

گفتگو کرنے کا کچھ اس میں ہنر ایسا تھا
وہ میری بات کا مفہوم بدل دیتا تھا

....

جنون میں ہوش کے سب سلسلے بھی ساتھ رکھتا ہے
وفا کرتا ہے لیکن فاصلے بھی ساتھ رکھتا ہے
کوئی آب و ہوا تو راس آئے گی کبھی اس کو
محبت کی ساری منطقیں بھی ساتھ رکھتا ہے

....

دھیان رکھنا ہر اک آہٹ پر
شاید ابھرے صدا کہیں اس کی
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

....

اسے کہو بہت نامراد شے ہے جنوں
اسے کہو کہ مجھے ہے بہت جنوں اس کا

....

خواہشوں کی محرومیاں مت پوچھ میرے ہم نفس
کہ میری نس نس میں خوابوں کا زہر اترا ہے
طاہرہ رحمان ---- بہاولنگر

ہم ہی کریں کوئی صورت انہیں بلانے کی
سنا ہے ان کو تو عادت ہے بھول جانے کی
جفا کے ذکر پہ تم کیوں سنبھل کے بیٹھ گئے
تمہاری بات نہیں بات ہے زمانے کی

....

پانی پہ بھی ریت پہ تڑپی چیتی گئی
بنتی رہی ہے دکھ کا کبھی عنوان محبت
ہم نے پڑھے ہیں اتنے فسانے کہ بس
لگتا ہے ہر فسانے کی ہے جان محبت

....

رشتوں کو توڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
رخ اپنا موڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
ایسا نہ ہو کہ ایک دن پچھتاؤ ہر گھڑی
تم مجھ کو چھوڑنے میں ذرا احتیاط کرنا
عمرانہ علی ---- حاصل پور

اپنا آنچل سنبھال کر چلنا
چھیڑ خانی ہوا کی عادت ہے

....

دل کو تمہاری یاد کے آنسو عزیز تھے
دنیا کا کوئی درد سمونے نہیں دیا
ناصر یوں اس کی یاد چلی ہاتھ تھام کر
میلے میں اس جہاں کو کھونے نہیں دیا

....

جو لگ چکی ہے گرہ دل میں کھل نہیں سکتی
تو لاکھ ملتا رہے ہم سے دوستوں کی طرح
عظمیٰ جبیں ---- لیہ

مختصر لفظوں میں ہے اب یہ مزاج زندگی
رابطہ سب سے ہے مگر واسطہ نہیں

....

ہر چارہ گر کو چارہ گری سے گریز تھا
ورنہ ہمیں جو دکھ تھے بہت لادوانہ تھے

....

وہ ریت کر کے میرے خواب کی زمینوں کو
میرے وجود میں دریا تلاش کرتا ہے
گنوا کے مجھ کو کسی عہد خوش گمانی میں
وہ شاید اب کوئی مجھ سا تلاش کرتا ہے
وردہ منیر ---- لاہور

جس کی باتوں کے فسانے لکھے
اس نے تو کچھ نہ کہا تھا شاید
تجھ کو بھولے تو دعا تک بھولے
اور وہی وقت دعا تھا شاید
نسرین خورشید ---- جہلم

گزارو گے جس کے لئے مدتیں
وہ لمحہ بہت مختصر آئے گا
محبت میں پڑتی نہیں جھریاں
میں پہچان لوں گا اگر آئے گا

....

ہزاروں دکھ پڑے سہنا محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا محبت مر نہیں سکتی
جہاں میں جب تک پنچھی چہکتے اڑتے پھرتے ہیں
ہے جب تک پھول کا کھلنا محبت مر نہیں سکتی

....

وہ اک بات جو بہت تلخ کہی تھی اس نے
بات تو یاد نہیں یاد ہے لہجہ اس کا
صائمہ مظہر ---- حیدر آباد

غم اپنے کسی طور عبارت نہیں کرتے
ہم اہل وفا اتنی جسارت نہیں کرتے
ہم لوگ خطا وار محبت سہی لیکن
ہم لوگ وفاؤں کی تجارت نہیں کرتے

....

کوئی ملا ہی نہیں جس کو وفا دیتے
ہر اک نے دھوکا دیا کس کس کو سزا دیتے
یہ ہمارا ظرف تھا کہ خاموش رہے ورنہ
داستاں سناتے تو محفل کو رلا دیتے

....

کوئی ملا ہی نہیں جس کو وفا دیتے
ہر اک نے دھوکا دیا کس کس کو سزا دیتے
یہ ہمارا ظرف تھا کہ خاموش رہے ورنہ
داستاں سناتے تو محفل کو رلا دیتے

ایمان علی ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوچا کیے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کر خون کر گئے جس کے ملال میں

....

اس سے پہلے کہ بے وفا ہو جائیں
کیوں نہ اے دوست ہم جدا ہو جائیں
بندگی ہم نے چھوڑ دی فراز
کیا کریں لوگ جب خدا ہو جائیں

....

برباد کرنے کے اور بھی راستے بہت تھے
نہ جانے انہیں محبت کا ہی خیال کیوں آیا
شاہدہ اسد ---- گوجرانوالہ

مجھ سے بچھڑ کے تو بھی تو روئے گا عمر بھر
یہ سوچ لے کہ میں بھی تری خواہشوں میں ہوں

....

اسے بلا کے ملا عمر بھر کا سناٹا
مگر یہ شوق کہ اک بار پھر بلاؤں اسے
ابھی تک اس کا تصور تو میرے بس میں ہے
وہ دوست ہے تو خدا کس لئے بناؤں اسے

....

جنہیں سلیقہ ہے تہذیب غم سمجھنے کا
انہی کے رونے میں آنسو نظر نہیں آتے
خوشی کی آنکھ میں آنسو کی جگہ رکھنا
برے زمانے کبھی پوچھ کر نہیں آتے
صائمہ مشتاق ---- جڑانوالہ

جب میں باتوں سے ٹوٹ جاتا ہوں
کوئی ہونٹوں سے جوڑتا ہے مجھے
جانے وہ کون تھا دیے کی طرح
راستے میں جلا گیا ہے مجھے

☆☆☆

وعدہ

میں ستارے توڑ کر لاؤں گا تیرے واسطے
اس کا وعدہ میرے جان و دل پہ ایسا چھا گیا
میں بہت خوش تھی مجھے اک چاہنے والا ملا
وہ ہمارے گھر ''ستارہ لان'' لے کر آ گیا
ثمرین زاہرہ، خان پور

چل رہا ہے

ادھر ناکے پہ ناکہ چل رہا ہے
ادھر ڈاکے پہ ڈاکا چل رہا ہے
ادھر منصوبہ بندی کے ہیں چرچے
ادھر کاکے پہ کاکا چل رہا ہے
نمرہ سعید، اوکاڑہ

مقام شکر

''کیا کبھی کسی نے تمہیں اپنے ہاں کام کاج یا کوئی ملازمت وغیرہ کرنے کی پیشکش کی۔'' ایک صاحب نے ایک پیشہ ور بھکاری سے پوچھا۔

''جی ہاں......صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا'' بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''ورنہ لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ ہمدردی اور محبت کا ہی سلوک کیا ہے۔''

طاہرہ رحمان، بہاولنگر

رہنمائی

خمار زدگان کی ایک محفل سے ایک صاحب جانے کے لئے اٹھے تو میزبان انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا، جب وہ صاحب لڑکھڑاتے ہوئے دروازے سے نکلنے لگے تو میزبان نے کہا۔

''جب تم فٹ پاتھ پر پہنچو گے تو تمہیں دو ٹیکسیاں نظر آئیں گی، جو تمہارے بالکل قریب ہو، اس میں بیٹھ جانا، اس کے برابر والی میں بیٹھنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں ہو گی۔''

عمرانہ علی، حاصل پور

اف یہ عورتیں

ایک ریاضی دان کا کہنا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں ریاضی کی زیادہ ماہر ہوتی ہیں کیونکہ وہ اپنی عمر کو ہمیشہ دو سے تقسیم کرتی ہیں، اپنے لباس کی قیمت کو دو سے اور اپنے شوہر کی تنخواہ کو تین سے ضرب دیتی ہیں۔

وہ اپنی بہترین سہیلیوں کی عمروں میں پانچ سال جمع کرتی ہیں اور......اور......اور۔''

عظمیٰ جبین، لیہ

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک نوجوان کی چند دنوں کے بعد شادی ہونے والی تھی، اس کے قریبی دوست اسے مشورے دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی، ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا، نئی نویلی دلہن بلی سے خوفزدہ ہوگی اور تم بلی کو

مار کر دلہن پر رعب جمانا، بس سمجھو کہ پھر جیت تمہاری ہوگی۔

شادی والی رات نوجوان نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی، جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتا چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھم دھا دھم کی آوازیں آ رہی ہیں، کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا تو دلہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

''ارے آپ! دیکھیں اس کم بخت نے مجھے بہت تنگ کیا، میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کرلوں۔''

وردہ منیر، لاہور

بین الاقوامی کہاوتیں

- جہاں دو آدمی اکٹھے ہوں وہاں مت رکو۔ (پاکستانی کہاوت)
- سوئے ہوئے کتے کو سویا رہنے دو، بیدار ہو کر وہ یقیناً آپ پر بھونکے گا۔ (ترکش کہاوت)
- اگر تم خود ترقی نہیں کر سکتے تو دوسروں کو ترقی کرتے دیکھ کر آنکھیں بند مت کرو۔ (جرمن کہاوت)
- تلوار اور عورت کی چلتی ہوئی زبان کو روکنا ہی اصل بہادری ہے۔ (روسی کہاوت)
- روتی عورت اور بیمہ ایجنٹ کی باتوں پر کبھی اعتبار مت کرو۔ (جاپانی کہاوت)
- آپ کا دماغ بڑھ تو سکتا ہے لیکن عورت کی عمر ساری زندگی نہیں بڑھتی۔ (فارسی کہاوت)
- ساس ری ساس تیرا کون سا دانت سیدھا۔ (بنگلہ دیشی کہاوت)
- اگر کوئی کتا آپ پر بھونک رہا ہے تو آپ اس پر بھونکنا شروع مت ہو جائیں۔ (یونانی کہاوت)

ثمرہ شیرازی، پتوکی

بیویات

امریکن بیوی: ہر لمحہ اس سوچ میں رہتی ہے کہ کب موجودہ شوہر سے طلاق لوں تاکہ اس طلاق کے نتیجے میں اچھی خاصی رقم اینٹھ سکوں، نیز وہ اس مسئلے پر بھی غور و فکر کرتی ہے کہ اگلے شوہر کے لئے کوئی تگڑی آسامی ڈھونڈوں تاکہ اس سے طلاق لے کر مزید رقم حاصل کرسکوں۔

برطانوی بیوی: یہ شوہر کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اہمیت دیتی ہے تو اپنے نئے نئے بوائے فرینڈز کو، بلکہ اپنے شوہر کو بھی مشورہ دیتی ہے کہ وہ دو چار نئی گرل فرینڈز بنالے، آخر کار یہ شوہر سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔

برازیلین بیوی: شوہر کے آرام و سکون کا بہت خیال رکھتی ہے، اسی لئے وہ سر شام گھومنے پھرنے باہر نکل جاتی ہے، تاکہ اس کا شوہر آرام سے گھر میں بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھ سکے۔

جاپانی بیوی: اپنے شوہر کا اتنا ہی زیادہ خیال رکھتی ہے، جتنا زیادہ خیال وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے، نئی کار اور موبائل فون کا رکھتی ہے۔

چائنز بیوی: اپنے شوہر کو طرح طرح کے چائنیز کھانے پکا کر کھلاتی ہے حالانکہ اس کا شوہر اس سے بہتر چائنیز کھانے پکا سکتا ہے۔

افریقن بیوی: اپنے شوہر پر ہر وقت اپنے قبیلے کی دھاک بٹھانے کے لئے بہادری کے قصے سناتی ہے، نا صرف یہ بلکہ اپنے شوہر پر ان کا عملی مظاہرہ بھی کرتی ہے۔

پاکستانی بیوی: ایک عدد شوہر کے مل جانے پر اس سوچ میں غرق ہو جاتی ہے کہ بڑی مشکل

سے ہاتھ آیا ہے شوہر نما نوکر، بچ کے جانے نہ پائے کہیں۔

حمنہ حماد، کراچی

بے چارگی

"مائی ڈیئر! تمہیں خط لکھنا کتنا مشکل ہے جب میں پہلی بار لکھنے بیٹھی تو ایک بچے نے چاکلیٹ گرا دی، جب دوسری مرتبہ لکھنے بیٹھی تو میرے پین کی انک ختم ہوگئی، اب تیسری بار تمام نقد اور ادھار دے کر بیٹھی ہوں تو دماغ سے مضمون ہی غائب ہوگیا ہے۔

مصباح فیصل، کوہاٹ

مرحوم خصوصی

"برصغیر کے بعض پسماندہ علاقوں میں اب تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ برادری کی تمام بوڑھیاں کسی کے ہاں غمی میں شریک ہوتی ہیں تو لمبا سا گھونگھٹ کاڑھ کے بیٹھ جاتی ہیں اور اپنے اپنے پیاروں کے نام لے کر بین کرتی، دھاڑتی ہیں، سب اپنے اپنے مردوں اور مردوں کی خوبیاں بیان کر کے خشک آنسوؤں سے روتی ہیں۔

اگر کوئی ناواقف حال پہنچ جائے تو وہ ایک گھنٹے بین سن کر بھی یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ اس مجلس آہ و بکاہ میں دو ڈھائی سو مردوں میں آج کا مرحوم خصوصی کون ہے۔"

عائشہ شہباز، لاہور

بے چارگی

محاذ جنگ سے بھاگے ہوئے ایک سپاہی کو دیکھ کر کمانڈر نے غصے سے کہا۔

"تمہارا دوسرا ساتھی کہاں ہے؟"

"جناب! وہ تو جنگ میں ہلاک ہوگیا ہے۔"

"اور تم اسے وہیں چھوڑ آئے ہو، جاؤ احمق اس کی لاش لے آؤ۔"

"مگر جناب! میری لاش اٹھا کر کون لائے گا؟" سپاہی نے بے بسی سے کہا۔

نسرین خورشید، جہلم

انداز ہمدردی

بس میں بہت زیادہ رش تھا، ایک بزرگ سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے ڈنڈا پکڑے کھڑے تھے، قریب ہی سیٹ پر ایک نوجوان کھڑکی پہ سر ٹکائے سو رہا تھا، کنڈیکٹر نے اس خیال سے اسے جگانے کی کوشش کی کہ کہیں اس کا اسٹاپ نہ نکل جائے۔

نوجوان نے آنکھیں کھولے بغیر بولا۔

"میں سو نہیں رہا ہوں، تم اپنا کام کرو۔"

"سو نہیں رہے ہو تو پھر اس طرح آنکھیں بند کیے کیوں بیٹھے ہو؟" کنڈیکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

"میں بزرگوں کو کھڑے ہو کر سفر کرتے نہیں دیکھ سکتا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

صائمہ مظہر، حیدرآباد

فخریہ پیشکش

میاں بیوی نے بچہ گاڑی خریدی، بچے کو اس میں بٹھایا اور گھر کی طرف چل دیے راستے میں انہیں جو کوئی دیکھتا ہنسنے لگتا، میاں بیوی بہت پریشان ہوئے کہ آخر ماجرا کیا ہے جب وہ گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ بچہ گاڑی سے کارخانے کا لیبل اتارنا بھول گئے تھے، جس پر تحریر تھا۔

"ہمارے کارخانے کی فخریہ پیشکش۔"

☆☆☆

افشاں اشرف ---- عارف والا

س: عین غین بھیا دل کا دروازہ کس طرف ہوتا ہے؟

ج: آنکھوں کی طرف۔

س: عین غین بھیا سر پر کتنے بال ہوتے ہیں؟ اگر آپ کے ہیں تو گن کر بتائیں؟

ج: جتنے آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں اگر آپ کی آنکھیں ہیں تو گن لیں۔

س: عین غین بھیا سنا ہے آپ اپریل میں اپنی سوویں سالگرہ منا رہے ہیں؟ کیا واقعی؟

ج: یہ آپ کو خواب یاد آیا ہے۔

س: عین غین یکم اپریل کو ''ان'' سے کیا شرارت کروں؟

ج: ''ان'' کے سامنے آ جانا وہ ڈر جائیں گے۔

آصفہ انبساط نائیک ---- حافظ آباد سٹی

س: ''مدت ہوئی ہے آپ کو پریشان کئے ہوئے'' اگلا مصرع لکھیں تو جانیں؟

ج: اس لئے پھر تنگ کرنے آ گئے ہیں ہم۔

س: انو غنو جی کل آپ کو انگلیوں پہ کون نچا رہا تھا؟

ج: وہی جو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر آپ کو نچا رہا تھا۔

س: میرے بی اے کے پیپرز سر پر ہیں کوئی جلدی سے ایسا وظیفہ بتائیں پیپرز بھی دے دوں اور فیل بھی نہ ہوں؟

ج: محنت کا وظیفہ کرو۔

س: اصول اور فضول میں کیا بنیادی فرق ہے؟

ج: اگر اصول آپ کو اچھا انسان بناتا ہے تو اصول ہے وگرنہ فضول ہے۔

ڈاکٹر واجد ---- ملیر کالونی

س: عقلمندی اور بیوقوفی میں کتنا فاصلہ ہے؟

ج: بہت کم۔

س: کبھی کی دن بڑے کبھی کی راتیں، آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: نیک خیال ہے۔

رابعہ اسلم ---- رحیم یار خان

س: مائیکل جیکسن کی روح یہ بتا کل تو لنڈے بازار کی طرف کیوں جا رہا تھا؟

ج: مائیکل جیکسن مر گیا......؟ اچھا ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا۔

س: ہائے ٹونی ناراض تو مت ہو بات سنو نجانے کیوں تم بڑے اپنے اپنے سے لگتے ہو؟

ج: لگتا ہے کہ ٹونی کا خط تم نے غلطی سے مجھے بھیج دیا ہے ویسے یہ ٹونی تمہیں اپنا کیوں لگتا ہے کہیں تم بھی تو......؟

س: اپنی ایک تصویر لفافے میں رکھ کر بھجوا دو؟

ج: تصویر کا کیا کرنا ہے۔

س: سن وے بلوری اکھ والیا...... بھلا کیا؟

ج: آگے پورا گانا سن لو۔

س: میرا شعور بہتا نہیں ہے لفظوں سے؟

ج: رحیم یار خان بہت دور ہے کیا کروں۔

سمیرا انور ---- رحیم یار خان

س: صرف ایک بات پوچھنا تھی اگر محبت پر ٹیکس لگ جائے تو؟

ج: گرلز کالجوں کے دروازے سے رش ختم ہو جائے گا۔

ساجد عباس اعوان ---- حافظ آباد سٹی

س: مسٹر عبداللہ ایک مدت بعد اس محفل میں حاضر ہوں کیا سما چار ہیں کیسے رہے اتنا عرصہ کیا کبھی ہماری یاد آئی؟

ج: دوبارہ خوش آمدید، سما چار سننے ہیں تو ٹی وی لگا لو۔

س: تمہاری سوال پہ سوال کرنے کی عادت نہ گئی پچھلی بار آمنہ کاظمی نے پوچھا دنیا تمہیں اس موڑ پہ لے آئی گی تمہارا جواب تھا کس موڑ پر جواب دیا کرو سوال نہ کیا کرو؟

ج: یہ تم آمنہ کاظمی کی طرف سے کیوں پوچھ رہے ہو کہیں......؟

س: میری روح کی دھرتی پر ہی دکھوں کی فصل کیوں لگتی ہے؟

ج: دھرتی پر جس کا بیج بوؤ گے وہی فصل اگے گی۔

س: اجاڑنے والے بھی کیوں اکثر بھول جاتے ہیں؟

ج: اگر بھولیں نہ تو ان کا جینا حرام ہو جائے۔

محمد سعید نوئی ---- عارف والا

س: ہیلو مسٹر عین غین تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے ایک ہاتھ سے کیوں نہیں؟

ج: ایک ہاتھ سے بھی بج سکتی ہے ذرا ہاتھ زور سے اپنے منہ پر تو مارو۔

س: اے مسٹر عورت یہ کب کہتی ہے ''لکیاں دے دکھ وکھرے''؟

ج: جب کوئی مت جیسا ایک ہاتھ سے تالی بجانے کی کوشش کرتا ہے۔

س: ارے دل دے جانی ناراض ہو گئے ہون تینوں لگن تے فیر میں پوچھاں؟

ج: میں نے ناراض کیوں ہونا ہے تالی تو تم نے بجائی ہے۔

رانا محمد بہزاد ---- عارف والا

س: عین غین جی قربانی کے جانور کو تو اس لئے سجایا جاتا ہے کہ اس کا آخری وقت قریب ہوتا ہے مگر دلہن کو اس طرح سجانا کیا ظاہر کرتا ہے؟

ج: کہ دولہے کا وقت قریب ہے۔

س: عین غین جی میری ساس مجھے اس واسطے اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں کیونکہ پھر میں ان کی بیٹی کا بھائی لگوں گا پلیز اس کا کوئی حل بتایئے؟

ج: تم بھی اپنی ساس کو ماں نہ سمجھنا ورنہ ان کی بیٹی تمہاری بہن لگے گی۔

س: لگتا ہے بڑھاپے نے آپ کے جواب دینے کی سکت پر قبضہ جمالیا ہے اگر ایسا ہے تو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم مر گئے ہیں کیا؟

ج: اسی کی تو فکر ہے۔

س: کہتے ہیں کہ کسی کو ذلیل کرنا ہو تو اسے الیکشن میں کھڑا کر دیں یا پاکستانی کرکٹ ٹیم کا کپتان بنا دیں، ان دونوں میں سے آپ کون سی سیٹ لینا پسند کریں گے؟ (صرف اپنی بات کرنی ہے)

ج: میں تو کرکٹ ٹیم کا کپتان بننا پسند کروں گا کیونکہ الیکشن میں کھڑے ہو کر جو تمہارے ساتھ ہوا ہے اس کے بعد تو میری توبہ۔

مہناز کوثر سومرو ---- رحیم یار خان

س: عین غین جی آداب محبت؟

ج: تسلیم۔

☆☆☆

فاعذہ عبدالمنان: کی ڈائری سے ایک غزل

جو غم ملا جبیں کے شکن میں چھپا لیا
دل سی گداز چیز کو پتھر بنا لیا
جو آہ تھی شکستہ تھی ساتھ لے گئی
جو اشک تھا ہوائے سحر نے اڑا لیا
کاغذ کے پھول سر پہ سجا کر چلی حیات
نکلی برون شہر تو بارش نے آ لیا
اک میں ہی طہ ہمہ نہیں، تو بھی فریب ہے
اپنی ہی ذات سے ترا بھی پتا کیا
اک عمر جس کی مار پہ رہ کر بچے رہے
پہنچے تھے اوٹ میں کہ وہی تیر کھا لیا
ہم بھی شکست شوق پہ نالاں رہے مگر
دل نے آسمان ہی سر پہ اٹھا لیا
ہم نے کہ بخت خفتہ نہ جاگ اٹھے اے ظفر
معمورۂ ازل سے دل بے صدا لیا

عقیقہ منیر: کی ڈائری سے ایک نظم

بساط جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب وروز دل پر عتاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہوتو پتا چلے
یہ جولوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس دوستاں
تو یہ کون ہیں؟
یہ جولوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس جسم وجاں
تو یہ کس لئے؟
یہ جواضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جوسنگ سا کوئی آ گرا ہے جمود میں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دل میں درد چڑھا ہوا ہے لطیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو پتلیوں میں ہے عکس کوئی خفیف سا
تو یہ کب سے ہے؟
یہ جو آنکھ میں کوئی برف سی ہے جمی ہوئی
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دوستوں میں نئی نئی ہے کمی ہوئی
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جولوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتا، انہیں کیا خبر؟
کسی راہ کے کسی موڑ پر جو نہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتا چلے

صائمہ سلیم: کی ڈائری سے احمد فراز کی غزل

وحشت تھی مگر چاک لبادہ بھی نہیں تھا
یوں زخم نمائی کا ارادہ بھی نہیں تھا
خلعت کے لئے قیمت جاں یوں بھی بہت تھی
پھر اتنا دلآویز لبادہ بھی نہیں تھا
ہم مرحبا کہتے ترے ہر تیر ستم پر

سچ یہ ہے کہ دل اتنا کشادہ بھی نہیں تھا
ہم خون میں نہلائے گئے تیری گلی میں
اور تو کہ سر بام ستارہ بھی نہیں تھا
یارو کوئی تدبیر کرو تم کہ وہ ہم سے
نا خوش تھا مگر اتنا زیادہ بھی نہیں تھا
آخر کو تو گل ہو گئے سورج سے مسافر
اور میں تو چراغ سر جادہ بھی نہیں تھا
پاگل ہو فراز آج جو رہ دیکھ رہے ہو
جب اس سے ملاقات کا وعدہ بھی نہیں تھا

نازیہ جمال: کی ڈائری سے نوشی گیلانی کی غزل

عذاب در بدری سے نکلنا چاہتے ہیں
اب اس کے خیمہ خوشبو میں رہنا چاہتے ہیں
صدائے گل کی طرح ، موجۂ صبا کی طرح
تیری گلی سے کسی دن گزرنا چاہتے ہیں
تلاش رزق میں بھٹکی ہوئی تکان کے بعد
پرندے اپنے گھروں کو پلٹنا چاہتے ہیں
ہمیں نہ دیکھ زمانے کی گرد آنکھوں سے
تجھے خبر نہیں ہم تجھ کو کتنا چاہتے ہیں
وفا ہے شرط تو پھر اپنے درمیان اب بھی
یہ لوگ کس لئے دیوار رکھنا چاہتے ہیں
امیر شہر سلامت ، مصاحبان سمیت
ہم اہل صبر اب ان سے مکرنا چاہتے ہیں

سمن رضا: کی ڈائری سے ایک غزل

لمحے لگتے ہیں دل دکھانے میں
وقت لگتا ہے پھر منانے میں
گھاؤ لفظوں کا پھر بھر نہیں سکتا
بات بنتی ہیں بنانے میں
گلشن دل کو تباہ مت کرنا
صدیاں لگ جائیں گی بنانے میں
فصل گل نے جو بے قرار کیا
ہم لگے گھر کو پھر سجانے میں

دم آخر بھی منتظر تھا دل
آپ نے دیر کر دی آنے میں

سمن رضا: کی ڈائری سے فیض احمد فیض کی نظم

”جو میرا تمہارا رشتہ ہے“

میں کیا لکھوں کہ جو میرا تمہارا رشتہ ہے
وہ عاشقی کی زبان میں کہیں بھی درج نہیں
لکھا گیا ہے بہت لطف وصل و درد فراق
مگر یہ کیفیت اپنی رقم نہیں ہے کہیں
یہ اپنا عشق ہے آغوش جس میں ہجر و وصال
یہ اپنا درد کہ ہے کب سے ہمدم مہ و سال
اس عشق خاص کو ہر ایک سے چھپائے ہوئے
گزر گیا ہے زمانہ گلے لگائے ہوئے

شاہین سلیم: کی ڈائری سے ایک غزل

گلے ملا نہ کبھی چاند ، بخت ایسا تھا
ہرا بھرا بدن اپنا درخت ایسا تھا
ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانۂ جگر لخت لخت ایسا تھا
یہ اور بات کہ وہ لب تھے پھول سے نازک
کوئی نہ سہہ سکے لہجہ کرخت ایسا تھا
کہاں کی سیر نہ کی تو سن تخیل پر
ہمیں تو یہ بھی سلیماں کے تخت ایسا تھا
ادھر سے گزرا تھا ملک سخن کا شہزادہ
کوئی نہ جان سکا ساز و رخت ایسا تھا

ایمن عزیز: کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی نظم

مجھے پتا ہے کہ ایک جگنو کے جاگنے سے
یہ تیرگی کی دبیز چادر نہیں ہٹے گی
مجھے خبر ہے کہ میری بے رو ٹکروں سے
فصیل دشت نہیں ہٹے گی
میں جانتا ہوں کہ میرا شعلہ چمک کے ذوق غبار ہوگا

ماروخ آصف: کی ڈائری سے قتیل شفائی کی غزل

ہاتھ دیا اس نے میرے ہاتھ میں
میں تو ولی بن گیا اک رات میں
عشق کرو گے تو کماؤ گے نام
تہمتیں بٹتی نہیں خیرات میں
عشق بری شے سہی پر دوستو
دخل نہ دو تم میری ہر بات میں
مجھ پہ توجہ ہے آفات کی
کوئی کشش تو ہے مری ذات میں
راہنما تھا میرا اک سامری
کھو گیا میں شہر طلسمات میں
شام کی گل رنگ ہوا میں چلی
درد مہکنے لگا جذبات میں
ہاتھ میں کاغذ کی لئے چھتریاں
گھر سے نہ نکلا کرو برسات میں
ربط بڑھایا نہ قتیل اس لئے
فرق تھا دونوں کے خیالات میں

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک نظم

ان ترختے نحیف کاندھوں پر
اپنے کنبے کا بوجھ ڈھوتا ہوں
اور جب دل کا بوجھ بڑھتا ہے
بیوی بچوں سے چھپ کے روتا ہوں
ضبط غم کی نہیں کوئی معیاد
بجھتی آنکھیں ستا ہوا چہرہ
یہی انجام سخت کوشی ہے
جوڑتا ہوں رقم کفن کے لئے
یہی اصل سفید پوشی ہے
ہر تگ و دو کی ہے یہی بنیاد
کہہ رہی ہے زبان حال مری
میں نے کی ہے ترقی معکوس
روز چھپتا ہوں قرض خواہوں سے
کیسے بنواؤں خوش نما ملبوس
ہر فرصت سے بانجھ بے ایجاد
اک پتھر ہے میرے سینے میں
یا دل ناصبور رکھتا ہوں
عید پر خوش لباس بچوں سے
اپنے بچوں کو دور رکھتا ہوں
آپ ہی صید آپ ہی صیاد
عید کے دن کہیں نکلتے نہیں
میں میری اہلیہ میری اولاد
اس لئے دوستوں کی خدمت میں
خوش رہیں سب بقدر استعداد

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک غزل

میں بھی جھوٹا تم بھی جھوٹے
آؤ چلو تنہا ہو جائیں
کون مریض اور کون مسیحا
اس دکھ سے چھٹکارا پائیں
آنکھیں اپنی خواب بھی اپنے
اپنے خواب کیسے دکھائیں
اپنی اپنی سوچوں میں سب
اپنے اپنے خواب سجائیں
اپنے اپنے کاندھوں پہ سب
اپنی اپنی لاش اٹھائیں
شاید لمحہ آئندہ میں
لوگ ہمیں سچا ٹھہرائیں

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک نظم

کبھی یاد آئے تو پوچھنا ذرا اپنی خلوت شام سے
کے عشق تھا تیری ذات سے
کے پیار تھا تیرے نام سے
ذرا یاد کر کہ وہ کون تھا جو تجھے بھی عزیز تھا
وہ جو جی اٹھا تیرے نام سے
وہ جو مر مٹا تیرے نام پہ

☆☆☆

باربی کیو چکن

اشیاء

مرغی کے سینے چار عدد (آدھے آدھے)
ایک لیموں کا ہرا دھنیا دو کھانے کے چمچے
(تازہ کٹا ہوا Marinade کے لئے)
لیمن جوس تہائی کپ
لہسن ایک جوا (کش شدہ ادرک)
سویا ساس ایک کھانے کا چمچہ
تازہ لال یا ہری مرچ ایک یا دو عدد
(باریک کٹی ہوئی)
نمک و سیاہ مرچ حسب ضرورت
ہری پیاز (باریک کٹی ہوئی) دو عدد

ترکیب

لکڑی کے ہتھوڑے کے ساتھ مرغی کے سینوں کو کوٹ کر ہموار کر لیں، میرینیٹ کے تمام اجزا ایک پیالے میں ملا کر گوشت میں ڈالیں اور ڈھانپ کر فریج میں رکھ دیں، (رات بھر یا چند گھنٹے) خاص قسم کا باربی کیو پین اگر ہے تو درست ورنہ عام پین میں ہلکا سا چکنائی لگا کر گوشت کو میرینیشن سے نکال کر رکھیں یا کوئلوں پر جالی رکھ کر باربی کیو کر لیں یا پھر Grill کر لیں، دونوں جانب سے پکا کر سرخ اور نرم کر لیں، ہرا دھنیا چھڑک کر لیموں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں، ساتھ جو کی روٹی تاکہ نشاستے کی ضرورت پوری ہو سکے۔

ہاٹ چکن جنجر ود سپر رائس

اشیاء

چکن (بون لیس) ڈیڑھ کپ
سویا ساس ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک دو چائے کے چمچے
(جنجر، لمبائی میں کاٹ لیں)
ٹماٹو پیسٹ ڈیڑھ کپ
ٹماٹو کیچپ دو کھانے کے چمچے
تیل تہائی کپ
کلونجی چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک حسب ضرورت
یخنی ایک کپ

ترکیب

تیل گرم کر لیں، اس میں چکن اور ادرک ڈال کر ہلکا سا فرائی کر لیں، دو منٹ بعد اس میں ٹماٹر پیسٹ اور کلونجی ڈالیں، تین چار منٹ پکائیں، پھر نمک، کالی مرچ، لال مرچ، سویا ساس اور ٹماٹو کیچپ ڈال دیں اور تھوڑی دیر بھونیں پھر ایک کپ مرغی کی یخنی یعنی چکن اسٹاک ڈال کر پکائیں، جب تیل اوپر آ جائے تو اتار لیں اور سپر رائس کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

سپر رائس

اشیاء

چاول	دو کپ
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
چلی سوس	چوتھائی چائے کا چمچہ
تیل	ایک کپ
لہسن پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
ٹماٹو کیچپ	آدھا کپ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
گاجر	دو عدد

(چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں)

ہری پیاز	چوتھائی کپ
ہری مرچ (لمبائی میں کاٹ لیں)	تین عدد

ترکیب

چاولوں کو نمک اور سرکہ ڈال کر ابال لیں، ایک پین میں تیل ڈالیں گرم ہو تو لہسن پیسٹ ڈالیں، ہلکا بھون کر سویا ساس، چلی سوس، کیچپ، نمک، چینی ملا کر تھوڑا بھونیں، ساتھ ہی سبزیاں ملا کر اسٹر فرائی کریں پھر چاول ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور ہاٹ چکن جنجر کے ساتھ سرو کریں، دعوت کے لئے بہترین ڈش ہے۔

کنٹکی فرائیڈ چکن

اشیاء

چکن (بریسٹ پیسز)	چار عدد
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
کالی مرچ پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ضرورت
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

کڑاہی میں تیل گرم کریں اور زیرہ ڈال دیں پھر چکن کے پیسز ڈال کر دو سے تین منٹ چمچہ چلائیں اس کے بعد لہسن، ادرک پیسٹ، نمک اور کالی مرچ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح فرائی کر لیں، ٹرے میں نکال کر دو سے تین گھنٹے فریزر میں رکھ دیں۔

کوٹنگ کے لئے

اشیاء

میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
دودھ	1/3 کپ
دہی	1/3 کپ
نمک	حسب ضرورت
بیکنگ پاؤڈر	چٹکی بھر
تیل (تلنے کے لئے)	حسب ضرورت

ترکیب

ایک پیالے میں میدہ، کارن فلور، انڈا، دودھ، دہی، نمک اور بیکنگ پاؤڈر اچھی طرح مکس کر لیں، فریزر سے چکن نکال لیں، کڑاہی میں تیل گرم کریں، چکن کے پیسز آمیزہ سے اچھی طرح کوٹ کر لیں اور باری باری کڑاہی میں ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تل لیں، فرنچ فرائیز اور کیچپ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

ینگ چاؤ چکن

اشیاء

مرغی	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
لال مرچ	دو عدد کشمیری
نمک	حسب ذائقہ

دکنی مرچ (پسی ہوئی)	آدھا چائے کا چمچہ
اجینوموتو	آدھا چائے کا چمچہ
آسٹر سوس	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
چلی گارلک سوس	دو کھانے کے چمچے
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
تیل	چوتھائی کپ

ترکیب

ایک سوس پین میں تیل گرم کریں، کشمیری لال مرچ اور پیاز کے چوکور ٹکڑے کاٹ کر تیل میں ڈالیں اور مرغی بھی ساتھ ڈال کر ہلکا سا بھون لیں، تقریباً دو منٹ تک پکانے کے بعد تمام اجزا شامل کر لیں اور سب سے آخر میں کارن فلور پانی میں گھول کر ملا دیں، ابلے ہوئے چالوں کے ساتھ پیش کریں۔

چکن موز

اشیاء

چکن	ایک پاؤ
پارسلے (کٹے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچہ
مرغی کی یخنی	ڈیڑھ کپ (گرم)
سفید مرچ (پاؤڈر)	چوتھائی چائے کا چمچہ
جیلاٹن	ایک کھانے کا چمچہ
کشمش	چوتھائی کپ
مایونیز	ایک کپ
مسٹرڈ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

ابلا ہوا چکن، قیمہ، کشمش، پارسلے، مایونیز، مسٹرڈ پاؤڈر، نمک وسیاہ مرچ ملائیں، جیلاٹن کو گرم یخنی میں گھول لیں، (پہلے آدھا کپ ٹھنڈی یخنی میں گھول کر پھر ایک کپ گرم یخنی میں ملا لیں) اس یخنی کو مرغی اور مایونیز والے مرکب میں ملا دیں، چکنائی لگی ٹیوب کیک کے سانچے میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں (چار گھنٹے) ایک بڑی ڈش میں سانچے کو پلٹ لیں اور اطراف میں سلاد کے پتے سجا دیں اور ٹماٹر کے پھول بنا کر اوپر رکھ دیں۔

اسپرنگ فرائیڈ چکن

اشیاء

ایک کلو مرغی لے کر اس پر مندرجہ ذیل مسالے لگا کر رکھ لیں۔

نمک	آدھا چائے کا چمچہ
بیکنگ پاؤڈر	چٹکی بھر
اجینوموتو	آدھا چائے کا چمچہ
سفید مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
سویا ساس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	چوتھائی کپ

ترکیب

چند گھنٹوں بعد ایک انڈے میں دو کھانے کے چمچے میدہ پھینٹ کر چٹکی نمک ڈال کر مرغی پہ پیسٹ لگا کر کھلے تیل میں تل کر سرخ کر لیں۔

مرغ مسلم چائنیز

اشیاء

مرغی ثابت	ایک کلو
سویا ساس	دو بڑے چمچے
گاڑھی یخنی	دو بڑے چمچے
پیاز	ایک عدد بڑا
سرکہ	دو چھوٹے چمچے
لہسن	آدھا چھوٹا چمچہ
چلی آئل	ایک چھوٹا چمچہ

www.urdusoftbooks.com

کالی مرچ	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ
آئل	فرائی کرنے کے لئے

ترکیب

صاف شدہ چکن کو لمبے کٹ لگا کر سویا ساس اور سرکہ لگائیں اور پڑا رہنے دیں کہ وہ اس میں جذب ہو جائے کڑاہی میں آئل گرم کریں چکن اس میں ڈال دیں اور اتنا فرائی کریں کہ رنگت بادامی ہو جائے اسے کسی ڈش میں نکال لیں، اب فرائی پین میں ایک چمچہ گھی ڈال کر پیاز اور لہسن کو بادامی کرلیں پھر یخنی، کالی مرچ، نمک، چلی آئل ڈال دیں، پکنے دیں اور ذرا گاڑھا ہونے پر اتار کر فرائیڈ چکن پر ڈال کر پیش کریں۔

چائنیز ڈرم اسٹکس

اشیاء

مرغیوں کی رانیں	آٹھ عدد
پیاز	ایک عدد
سادہ نمک	ایک چائے کا چمچہ
سفید سرکہ	دو چائے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
سفید مرچ	ایک چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک چائے کا چمچہ
میدہ	آدھا کپ
ہری مرچ (باریک کاٹ لیں)	چھ عدد

ترکیب

رانوں کو ایک سرے سے پکڑ کر گوشت کو تیز چھری سے اس طرح کاٹیں کہ وہ ہڈی سے علیحدہ ہو جائے مگر ہڈی کے سرے پر جڑا رہا، اس علیحدہ شدہ گوشت پر بھی چھری سے ہلکے ہلکے کٹ لگائیں، تقریباً ایک گھنٹے کے لئے اس پر سرکہ اور اجینو موتو (چائنیز نمک) لگا کر رکھ دیں، ایک پیالے میں پیاز کو آملیٹ کی طرح کاٹ لیں، ہری مرچیں بھی ملا دیں پھر نمک، سفید مرچ، کارن فلور، انڈا اور میدہ بھی ملا دیں، اس مرکب کو مرغی پر اندر اور باہر اچھی طرح لگا دیں، ہاتھ کو پانی لگا کر اچھی طرح شیپ دے کر ایک بڑی پلیٹ میں رکھ دیں، جتنی دیر فریج میں رکھیں گی۔

تلنے کے بعد اتنی ہی زیادہ مزے دار ہوں گی کیونکہ تمام مسالے اور خوشبو خوب رچ چکی ہو گی، کڑاہی میں کافی سارا تیل گرم کر کے ان کو تل لیں، آنچ تیز اور تیل زیادہ گرم نہ ہو ورنہ اندر سے کچی رہیں گی، تلتے ہوئے بھی کانٹے سے کچوکے لگاتے جائیں تاکہ اندر تک پک جائیں، گولڈن براؤن ہونے پر نکال لیں اور ڈش میں سجا کر گرما گرم پیش کریں۔

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان جوابات لئے حاضر ہیں، آپ کی سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لئے دعائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم کو اور ہمارے پیارے ملک کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

انسانی تہذیب و تمدن نے ترقی کی تو گھر تشکیل پائے، اچھے خاندان سے اچھے معاشرے اور اچھے معاشروں سے بہترین قومیں بنتی ہیں، عورت کو گھر اور خاندان میں مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے، وہ معاشرے ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے جہاں عورت کا حق تسلیم کیا گیا اور اسے عزت و احترام کا درجہ دیا گیا، ہمارے ہاں بہت سے معاملات میں تبدیلی آئی ہے، سوچ بدلی ہے، خواتین جو پہلے گھروں تک محدود تھیں اب مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہیں اور اپنی صلاحیتیں منوا رہی ہیں لیکن یہ تبدیلی ابھی صرف بڑے شہروں تک ہی محدود ہے، خواتین کی اکثریت آج بھی اپنے حق سے محروم اور جبر کا شکار ہیں، حقوق خواتین کا چرچا تو بہت کیا جاتا ہے، ان کی حمایت میں جلسے جلوس نکالے جاتے ہیں، اسمبلی میں خواتین کے حق میں بل منظور کیے گئے، لیکن آج تک کسی پر بھی کسی منصوبے میں عمل نہیں ہوا۔

خواتین کو جو حقوق جو رتبہ اور احترام ہمارے مذہب میں دیا گیا ہے، اس کے بعد کسی قرار داد یا مطالبہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی، صرف احکامات اور اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے جو مذہب نے متعین کیے ہیں۔

اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں۔

یہ پہلا خط ہمیں سعدیہ ریحان کا چکوال سے موصول ہوا ہے، وہ لکھتی ہیں۔

مارچ کا شمارہ نو تاریخ کو موصول ہوا، اس ماہ کا سرورق بہترین تھا، بے حد پسند آیا، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور انشاء جی کی محفل میں پہنچے، ان کا کالم حسب حال ہی تھا۔

پاکستان میں بھی الیکشن کے موسم کی آمد آمد ہی ہے، مکمل ناول سب سے پہلے پڑھے، ام ایمان کا ناول "پھول کھلنے کا موسم" بہترین تھا ام ایمان نے بڑی خوبصورتی سے کہانی پر اپنی گرفت رکھی اور ہر کردار کو بہترین سانچے میں ڈھالا، فرحت انصاری کی تحریر "محبت خوش گماں ہے" کی دوسری قسط پسند آئی بلاشبہ فرحت کی یہ تحریر ان کی پچھلی تحریروں سے نسبت بہترین ہے، ناول مکمل ہو جانے تک تبصرہ محفوظ ہے، نوال احمد کا ناول "ہم دیوانے مستانے" تحریر کا ٹائٹل جتنا زبردست تھا تحریر اتنی اچھی نہ لگی بہت سی جگہ نوال کہانی پر اپنی گرفت نہ رکھ پائی اور یہ کیا آپی ناولٹ دو اور دونوں ہی قسط وار یہ کیا سلسلہ شروع کر دیا آپ نے؟ بہرحال بشریٰ سیال کا ناولٹ

''می رقصم'' نے ابھی تک اپنے سحر میں جکڑ رکھا ہے، تحریر پر بشریٰ کی محنت نظر آ رہی ہے، یقیناً آگے چل کر یہ مزید بہترین ہو گا، تحسین اختر ''محبتوں کی سفیر ہے'' جی ہاں تحسین کی تحریریں ہمیشہ رومانوی ہوتی ہیں محبت کے موضوع پر ان کی تحریر قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے ''شہر دل کے راستے'' بھی ایک ایسی تحریر ہے جس کا ہر کردار محبتوں سے لبریز نظر آتا ہے، تحسین اختر اتنی اچھی تحریر لکھنے پر مبارک باد، آپ کے اتنے طویل بریک لکھنے کی شکایت اس ناولٹ کو پڑھ کر دور ہو گی، سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' کی اس ماہ کی قسط مار دھاڑ سے بھرپور رہی، آپی یہ ام مریم کو کیا ہوا، ان کی تحریریں تو تتلیوں کے نرم پروں پر لکھی داستان کی مانند ہوتی تھیں محبتوں چاہتوں اور شرارتوں کو اکٹھا کر کے اگر کوئی نام دیا جاتا تو وہ ام مریم کی تحریر ہوتا، اس ناول میں وہ ماضی کی ام مریم سے بالکل ہٹ کر لکھ رہی ہے، محبت دکھا ضرور رہی ہے مگر ایسے ہی جیسے ڈھیر ساری کرواہٹ میں ایک میٹھا بادام، افسانوں میں بیا نور کی تحریر ''حزن'' نے متاثر کیا، جبکہ یہ ندا علی عباس کون سا سبق پڑھا رہی تھیں قارئین کو، ندا غلط، غلط ہوتا ہے چاہے آپ اسے کتنے بھی خوبصورت انداز میں ریپر کر لیں رانگ پر ملنے والے بھی بھی رائٹ نمبر میں تبدیل نہیں ہوتے یاد رہے۔

مصنفین کے تفصیلی انٹرویو کا آپ نے وعدہ کر رکھا ہے یاد ہے آپ کو؟ اس مرتبہ مستقل سلسلوں میں سبھی کی پسند لا جواب تھی، کس قیامت کے پیامے میں ہر ایک کے لئے آپ کی محبت قابل ستائش ہے بس آپ کی یہی محبت اور حوصلہ افزائی ہمیں آپ سے باندھے ہوئے ہے، جبھی جب بھی ٹائم ملتا بڑے حق اور دھڑلے کے ساتھ آپ کی محفل میں چلے آتے ہیں پذیرائی کا یقین جو ہوتا ہے، آپی پلیز مدیحہ تبسم سے بھی کوئی طویل تحریر لکھوائیں، بہت آرام کر لیا انہوں نے؟

سعدیہ ریحان کیسی ہو؟ بڑے عرصے کے بعد ہماری یاد آئی خوش آمدید، مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ، ام مریم تک آپ کا پیغام پہنچایا جا رہا ہے مصنفین سے انٹرویو کا سلسلہ انشاء اللہ جلد شروع کریں گے، ناولٹ کے متعلق آپ کی شکایت، ہماری مجبوری ہے مصنفین اب طویل تحریریں لکھنے پر زیادہ توجہ دے رہی ہے، تو پھر ایسا تو ہو گا، مدیحہ تبسم گھر گرہستی واقعی بے حد مصروف ہوتی ہے انشاء اللہ جیسے ہی ان کو ٹائم ملا وہ لوٹ آئیں گیں، آپ کی آمد کا بے حد شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

نائلہ حسن: ملتان سے لکھتی ہیں۔

حنا اس مرتبہ قدرے تاخیر سے ملا، سرورق موسم بہار کی مناسبت سے بے حد پسند آیا سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے فیض یاب ہوئے، انشاء نامہ سے محظوظ ہوئے اور ام مریم کے ناول دل گزیدہ میں پہنچے، ویل ڈن، ام مریم جی آپ بڑی خوبصورتی کے ساتھ ناول کو آگے بڑھا رہی ہیں ہر کردار نگینے کی طرح فٹ ہے، سلیمان خان، حمدان اور حجاب کا کردار بے حد بہترین ہے پلیز مریم جی حمدان کی زندگی میں قدر کو ہی لائیے گا شانزے کو نہیں، نایاب جیلانی کا ناول ''پربت کے اس پار کہیں'' میں تو لگتا تھا ہی نہیں تھا کہ یہ نایاب جیلانی کی تحریر ہے۔

نوال احمد کا مکمل ناول ''ہم دیوانے ہم مستانے'' افسوس کے ساتھ کہنا پڑا کہ نوال نے اپنے کرداروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا خاصی الجھی الجھی سی کہانی تھی شاید مصنفہ کو خود بھی نہیں پتا تھا کہ وہ کیا لکھنا چاہ رہی ہے دوسرا مکمل ناول ام

ایمان کا تھا، بہترین زبردست جبکہ فرحت انصاری کے ناول کی دوسری قسط بھی شاندار رہی، افسانوں میں مبشرہ ناز ایک لمبے وقفے کے بعد نظر آئی بیا نور نے بھی اپنی طرف متوجہ کیا جبکہ ندا علی عباس کی تحریر پسند نہیں آئی، ناولٹ دونوں ہی بہترین ہے تحسین اختر تو ہمیشہ ہی اچھا لکھتی ہے وہ قارئین کی بہترین نبض شناس ہے دوسری طرف بشریٰ سیال بھی اپنی تحریر کے ساتھ انصاف کرتی نظر آئی ہے، فارقلیط حسن ان کی تحریر کا بہترین کردار ہے، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ میں سبھی کا انتخاب بہترین تھا بیاض اور ڈائری بھی اعلیٰ ذوق کی حامل تھی، دستر خوان ہمیشہ کی طرح مزیدار، اور کس قیامت کے یہ نامے، اپنے دامن میں محبتوں کے خزانے لئے سب کو کھلے دل سے خوش آمدید کہتے ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی بہترین۔

آپی میری یہ پہلی شرکت ہے اس محفل میں یہ ہمت بھی آپ کی محبت دیکھ کر کی امید ہے مایوس نہیں کریں گی۔

نائلہ حسن خوش آمدید یہ محفل آپ کی ہے آپ سب کی محبتوں سے اسے ہم سجاتے ہیں تو بھلا پھر آپ کو نظر انداز کیوں کرنے لگے، آیئے پلیز ہمارے پاس ہی بیٹھیے اور یاد رہے یہ آپ کی اب یہ مستقل جگہ ہے مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

اقراء الیاس: مرید کے ضلع شیخوپورہ سے لکھتی ہیں۔

ماہنامہ حنا نو تاریخ کو ملا ٹائٹل اچھا لگا، سب سے پہلے تو احادیث مبارکہ سے دل و روح کو منور کیا، انشاء نامہ کی جانب آئے تو کیا کمال کی نقار پر انشاء جی نے پیش کی تھی دیر تک ہنستے رہے، ''دل گزیدہ'' اس اپی سوڈ میں قدر اچھی خاصی گرجتی برستی نظر آئی، ''پربت کے اس پار کہیں'' اب دیکھتے ہیں کہ بٹو محل کی بنیادیں جہاندار فریدے شاہ ہلاتا ہے یا عشیہ مگر ارادے دونوں کے ایک دوسرے سے برعکس ہیں، عشیہ کے بٹو محل میں حکومت کرنے کے اور جہان فریدے شاہ کے بٹو محل کے مکینوں کو تباہ کرنے کے اور رہی نیل بر بیچاری اس پر تو رحم آ رہا ہے خاندانی دشمنی میں پسنے لگی ہے، مکمل ناولز کی جانب نگاہ دوڑائی تو تین عدد، ''ہم دیوانے ہم مستانے'' اسماء اور حرا کی نوک جھونک اچھی لگی ''می رقصم'' بشریٰ سیال نویلہ کے ساتھ اتنا برا سلوک، اس کے باوجود صوفیہ کی ناک ابھی تک نیچی نہیں ہوئی اور زین ندیم درمیان میں ایک نیا کردار ہماری سمجھ سے بالاتر نظر آ رہا ہے، فرحت انصاری، منزہ جیسی بھابھی کی چلتر بازیوں کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک کے موجودہ سیاسی حالات کے پیش نظر ہاشم عمر کو کرپشن کیس میں ملوث کروا کر ہمیں ملک کے سیاسی حالات سے بھی آگاہ کر رہی ہے۔

''خواہشوں کی خوشبو'' مبشرہ ناز کی ہلکی پھلکی تحریر اچھی لگی ام ایمان نے بھی پہلے سے کچھ ہٹ کر لکھا ورنہ ان کے ہر موضوع میں یکسانیت سی پائی جاتی ہے ''حزن'' اس کی تعریف کے لئے تو الفاظ نہیں مل رہے، ''رانگ نمبر'' پڑھنے کے بعد تو میں ابھی تک ندا علی کی سوچ پڑھنے کی کوشش کر رہی ہوں سو اس افسانے کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی، اپنا بھیجا گیا ایک افسانہ ''حقیقت'' کے بارے میں آپ کی رائے جاننا چاہوں گی۔

اقراء الیاس مارچ کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کی تعریف اور تنقید مصنفین کو ان سطور کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہے، آپ کا افسانہ مل گیا ہے پڑھ کر ہی پتا چلے گا کہ قابل اشاعت ہے یا نہیں، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆

www.urdusoftbooks.com